اصلاح
کا
مبارک سفر



مؤلف

حضرت مولانا محمد علاء الدین صاحب قاسمی مدظلہ العالی

خلیفہ ومجاز

حبیب الامت حضرت مولانا ڈاکٹر حکیم ادریس حبان رحیمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ناشر: خانقاہ اشرفیہ ومکتبہ رحمت عالم رحمانی چوک پالی گھنشیام پور دربھنگہ (بہار)

اصلاح کا مبارک سفر

مؤلف

حضرت مولانا محمد علاء الدین صاحب قاسمی مدظلہ العالی

﴿خلیفہ ومجاز بیعت﴾

حبیب الامت حضرت مولانا ڈاکٹر حکیم ادریس حبان رحیمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ ومجاز حضرت مولانا حکیم ذکی الدین صاحبؒ پرنامبٹی

خلیفہ ومجاز مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خان جلال آبادیؒ

خلیفہ ومجاز حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر: خانقاہ اشرفیہ ومکتبہ رحمت عالم رحمانی چوک پالی گھنشیام پور ضلع دربھنگہ (بہار)

مخلص اور طالب حق کو طباعت کی اجازت ہے

اگر کوئی نیکی کا طالب اردو کے علاوہ دوسری زبانوں میں اس کتاب کو منتقل کرنا چاہے تو اجازت ہے۔

نام کتاب۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اصلاح کا مبارک سفر

مؤلف۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔حضرت مولانا محمد علاء الدین صاحب قاسمی مدظلہ العالی

کمپیوٹر و کتابت۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔عبداللہ علاء الدین قاسمی

صفحات۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔283

تعداد۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

ملنے کے پتے

☆ قاری عبدالعلاّم صاحب، C-178 تیسری منزل نزد چاند مسجد پُرانی سیما پوری (دہلی۔95)

☆ حاجی عبدالغنی صاحب، A-330 نزد مرکزی جامع مسجد پُرانی سیما پوری (دہلی۔95)

☆ قاری مطیع الرّحمٰن صاحب، اتوار بازار، نزد مدینہ مسجد، اگر نگر مبارک پور، (نئی دہلی)

☆ محمد اسلم و حافظ عبدالعزیز صاحب، چمن جنرل اسٹور 1981 گلی قاسم جان بازار لال کنواں، نزد ہمدرد دواخانہ (دہلی-6)

Contact:Us

Abdullah: 7654132008-Q . **Abdul Allam:** 9818406313

H. Abdul Gani : 9811542512 **Md Aslam:** 9250283190

H. Abdul Aziz: 9811626704 **Q. Mutiur Rahman:** 8882919635

Email: Abdullahdbg1994@gmail.com

Pulbisher:

KHANQUAH E ASHRAFIA

فہرست

مضامین	صفحات

اصلاح کا مبارک سفر

ایک نظر میں !

تزکیہ نفس، اصلاح قلب اور اصلاح عقل وفکر کے علاوہ اس کتاب میں قارئین کی دینی ودنیوی زندگی کے لئے وہ تمام اہم ہدایات ونصائح پیش کی گئی ہیں جن سے حیات مستعار کے ہر قدم اور ہر محاذ پر نور روشنی حاصل ہوگی۔

ایک مرد مومن اور نیک خاتون کی کامیابیوں کے راز ہائے سربستہ کن محاسن اور خوبیوں پر موقوف ہیں ان حکم واحکام اور ارشادات پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے، خبائث ورذائل معاصی اور آثار عصیان وطغیان جن سے زندگی پستی اور انحطاط سے دوچار ہوتی ہے ان کے ازالہ واصلاح کی بھی مکمل تدبیریں کتاب ہذا کے مضامین میں جگہ بہ جگہ چشم عبرت وبصیرت کے حاملین کے لئے موجود ہیں، الغرض طالب حق کی تمام نیک تمناؤں کی تکمیل کا سامان اسی کشکول معرفت میں دریافت کیا جاسکتا ہے، ہر مسلمان پر اپنی اصلاح فرض ہے، عالم ہو، یا عامی، ڈاکٹر ہو، یا انجینئر، یا وقت کا بڑا سے بڑا سائنسداں ہر شخص ہر وقت اور ہر زمانہ میں اصلاح کا محتاج ہے۔

کتاب کے آغاز میں بندہ نے بیعت کی راہ سے اصلاح پر زور زیادہ دیا ہے اور اس کا مقصد اخلاص واحسان پیدا کرانا ہے، کیونکہ اس کے بغیر کوئی نیکی بارگاہ الٰہی میں مقبول اور قابل قدر نہیں اور یہ دولت حاصل ہوتی ہے اہل اللہ کی صحبت میں جن کی نگاہ معرفت ویقین اور نظر کیمیا اثر سے قلوب وروح کو دنیا وآخرت کے احوال واعمال پر پورے طور پر واقف اور مطلع ہونے کی سعادت میسر ہوتی ہے، انسان اپنی معرفت وشناخت کی وہ سوغات یہیں سے لیجاتا ہے جن

سے زندگی راہ یاب ہونے کے ساتھ حسین و دلکش اور پر بہار ہوجاتی ہے جس سے روحانیت کے سفر کا مسافر اپنی زندگی کے لمحہ لمحہ کو خوشیوں قلبی مسرتوں اور اللہ کے الطاف وعنایات کی آغوش میں محسوس کرنے لگتا ہے، خود بھی ہدایت کی دولت سے ہمکنار رہتا ہے اور دوسروں کے لئے بھی سامانِ ہدایت وعبرت بن جاتا ہے۔

حضرت مولانا رومی مثنوی شریف میں فرماتے ہیں ؎

عشق پاکاں درمیان جاں نشاں

دل مدہ الا بمہر دل خوشاں

یعنی اللہ والوں کی محبت دل میں قائم کرواور دل کسی سے مت لگاؤ لیکن صرف اللہ تعالی کے مقبول اور خاص بندوں سے۔

حضرت کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی محبت کا راستہ صرف عقل سے طے نہیں کیا جا سکتا، کسی اللہ والے کی صحبت میں اصلاح کی غرض اور نیت سے حاضری ضروری ہے، اگر کوئی شخص مقبولین کاملین کی اطاعت سے جی چرائے گا تو ہمیشہ ناقص ہی رہے گا اور کمال سے محروم رہے گا، منطق وفلسفہ کے امام بوعلی سینا کی زندگی کا مطالعہ کریں گے تو پتہ چلے گا کہ ان کی عقل نے موت کے وقت کیسی ٹھوکر کھائی کہ موت کے وقت اپنی عقل کو بے ساز وسامان دیکھتا تھا اور محض بے نتیجہ وبے فائدہ کہتا تھا اور اقرار کرتا تھا کہ ہم نے عقل وذکاوت کا گھوڑا فضول دوڑایا اور ذہانت وذکاوت کے دھوکے میں آکر اہل اللہ کی اطاعت نہ کی اور خیالی سمندر میں تیرتے رہے۔

حضرت حکیم اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے شعر کی مزید تشریح کرتے ہوئے فرمایا: مولانا فرماتے ہیں کہ بحر معرفت میں تیرنا عقل وذکاوت سے کام لینا بالکل بیکار ہے، وہاں تو کشتی نوح یعنی اعانت اہل اللہ کی ضرورت ہے۔

دیکھو! حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کنعان نے عقل کا گھوڑا دوڑایا کہ مجھ کو اس طوفان سے اونچے اونچے پہاڑ بچالیں گے اور خدائی کشتی کو حقیر سمجھا، نتیجہ کیا ہوا کہ وہ معمولی کشتی فضل الٰہی کے سبب طوفان سے محفوظ رہی اور اونچے اونچے پہاڑوں پر طوفان پہنچ گیا اور کنعان ہلاک ہوگیا۔

ضعف قطب درتن بود درروح نے

ضعف درکشتی بود درنوح نے

حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تم چونکہ صحیح نظر نہیں رکھتے اس لئے اہل اللہ کی محبت اوران کی اطاعت کی کشتی تم کو حقیر معلوم ہوتی ہے اور اہل یورپ کی تقلید میں عقل کے پہاڑ کو بہت بڑا سمجھتے ہو، لیکن خبردار! اس بظاہر حقیر کشتی کو واقع میں حقیر مت سمجھنا یعنی اہل اللہ اکثر پھٹے پرانے لباس میں ہوتے ہیں اور سادہ زندگی گزارتے ہیں تو ان کی سادگی کی وجہ سے ان کو حقیر مت سمجھنا، بلکہ حق تعالیٰ کے اس فضل کو دیکھنا جو ان کے شامل حال ہے، اس واصل بحق کشتی کی جلالت شان پر نگاہ رکھو کوہ عقل کی بلندی پر نظر نہ کرو کیونکہ قہر خداوندی کی ایک موج اس کوہ کو زیروزبر کرسکتی ہے لیکن وہ کشتی جو رحمت کے سایہ میں چل رہی ہے اس کی ظاہری طاقت و جسامت کو مت دیکھو کہ یہ کشتی طوفانہائے نفس و شیطان سے صحیح سلامت نکل جائے گی، کیونکہ اس پر قدرت ورحمت الٰہیہ کا سایا ہے، اگر اس نعمت پر عمل نہ کروگے تو آخر میں تمہیں اپنے قصور عقل کا اقرار کرنا پڑے گا اور پچھتانا پڑے گا۔

لہٰذا اگر لغزشوں اور برائیوں سے حفاظت مطلوب ہے تو اہل اللہ کی خاک پا کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنالو پھر تم ٹھوکر نہیں کھاؤگے، جو لوگ دین کا راستہ اپنی عقل سے طے کرتے ہیں وہ توبہ شکن ہوتے ہیں۔ ان کی توبہ کی حالت یہ ہوتی ہے کہ شیطان نے ایک پھونک ماری اوران کی توبہ ٹوٹی لیکن ان کے تکبر کی حالت یہ ہوتی ہے کہ اہل اللہ کو حقیر سمجھتے ہیں ایسے

لوگ تمام زندگی ناقص رہتے ہیں، لہٰذا اے لوگو! اپنے لئے کوئی راہبر تلاش کرو اور اللہ والوں کی صحبت کو کیمیا سمجھو۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو قبول فرما کر اس کی طباعت کا انتظام فرمائے اور ہمارے و جملہ قارئین ومعاونین کے لئے ذریعۂ فلاح ونجات بنائے آمین، بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔

(حضرت مولانا) محمد علاء الدین صاحب قاسمی مدظلہ العالی

خانقاہ اشرفیہ ومکتبہ رحمت عالم رحمانی چوک پالی گھنشیام پور ضلع دربھنگہ (بہار)

یکم ذوالقعدہ، ۱۴۴۲ھ

بتاریخ ۱۳، جون، بروز اتوار ۲۰۲۱ء

بیعت کے معنی

محی السنہ حضرت شاہ ابرار الحق صاحب ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: بیعت کے معنی ہے بیچنا۔ بیعت میں مرید اپنے نفس وخواہشات کو بیچتا ہے، اور اس کے بدلے میں سنت کو خریدتا ہے: اس لئے اس کو بیعت کہا جاتا ہے۔ (افادات ابرار، ص/34)

بیعت کا ثبوت قرآن پاک سے

حضور اقدس سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت کرنے کو اللہ نے اپنے سے بیعت کرنا قرار دیا ہے فرماتے ہیں:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا یَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَیْهُ اللّٰهَ فَسَیُؤْتِیْهِ اَجْرًا عَظِیْمًا۔ (پارہ ۲۶ رکوع ۹ آیت ۱۰)

بیشک وہ لوگ جو آپ سے بیعت کر رہے ہیں وہ درحقیقت اللہ سے بیعت کر رہے ہیں خدائے تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے، پھر جو شخص بیعت توڑے گا تو اس کے بیعت توڑنے کا گناہ اسی کی ذات پر ہوگا اور جو شخص پورا کرے گا اس چیز کو جس پر اس نے اللہ سے عہد کیا تھا یعنی بیعت کی تھی تو حق تعالیٰ اس کو اجرِ عظیم عطا فرمائیں گے۔

اس آیت میں جہاں اللہ پاک نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت کرنے کو خود اپنے سے بیعت کرنا قرار دیا ہے، جس سے اتباعِ رسول ؐ اور اتباعِ سنت کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے، نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بیعت کرنا سنت سے ثابت ہے اور اس پر قائم رہنا موجبِ اجر وثواب ہے اور بلا وجہ یا خواہشِ نفس کے تابع ہو کر توڑ دینا باعث نقصان اور خسران ہے۔

اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہمیت بیان کرتے ہوئے اللہ پاک نے فرمایا:

يَآيُّهَا النَّاسُ اِنِّي رَسُوْلُ اللهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعاًن الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ۔ (سورۃ الاعراف، آیت 206، رکوع/26)

آپ کہہ دیجئے !اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا بھیجا ہوا ہوں جس کی بادشاہی آسمانوں اور زمینوں میں ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے، وہی زندگی دیتا ہے وہی موت دیتا ہے، پس تم ایمان لاؤ اللہ پر اوران کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو نبی امی ہیں، جو خود ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اوران کے احکامات پر اور تم انہیں کی اتباع کرو تبھی تم ہدایت پاؤ گے۔

اس آیت میں اللہ پاک نے کس قدر تاکید سے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کا حکم دیا ہے اور صاف صاف بتا دیا ہے کہ ہدایت پر تبھی آؤ گے جب نبی کی اتباع کرو گے اور اگر تم نے نبیؐ کے طریقے کو چھوڑا تو گمراہی میں جا پڑو گے، آج لوگ نبی کی اتباع کو چھوڑ کر مختلف چیزوں میں لگے ہوئے ہیں اور بہت سے تو مزارات پر رکوع سجدے کر رہے ہیں، منتیں مان رہے ہیں اور نا معلوم کیا کیا خرافات کر رہے ہیں اور کروا رہے ہیں، جب کہ یہ آیت صاف بتاتی ہے کہ موت وحیات ، نفع ونقصان سب کچھ اللہ کے اختیار میں ہے نہ کسی زندہ کے اختیار میں ہے اور نہ کسی مردہ کے اختیار میں ہے۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: کہ اگر موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری اتباع اور پیروی کے بغیر چارہ نہ تھا، لوکان موسی حیالما وسعہ الا اتباعی (الحدیث) حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحبؒ ایک جگہ اپنے اشعار میں فرماتے ہیں ؎

ہوتے موسیٰ بھی جو زندہ تو نہ چارہ تھا کوئی بجز اس کے کریں پیروی خیر انام

مرحبا صد مرحبا صد مرحبا صد مرحبا اللہ اللہ یہ ہے مرتبہ یہ ہے ان کا مقام

ان کے دربار میں جبریل امین آتے تھے لاتے تھے عرش معظم سے خدا کا پیغام
غوث و ابدال قطب امام و اوتار بلا شبہ یہ سب ہیں محمد کے غلام
ایک طرف امام رسل ایک طرف ان کا غلام بوالہوس تو ہی بتادے کس کا سنائے گا تو پیام
میری سنت سے محبت ہے محبت میری یہی فرما گئے ہیں سارے رسولوں کے امام

نیز ایک جگہ ارشاد فرمایا: وَمَنْ يُّطِعِ اللهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا۔ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللهِ وَكَفٰى بِاللهِ عَلِيْماً۔ (سورۃ النساء، آیت/69)

ترجمہ: اور جو کوئی حکم مانے اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا تو وہ انکے ساتھ ہوگا جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا، کہ وہ حضرات انبیاء صدیقین، شہداء اور نیک لوگ ہیں اور انکی رفاقت بہت عمدہ ہے، یہ فضل ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ پاک کافی ہے جاننے والا۔

حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آپ مجھے اپنی جان مال اور اولاد سے بھی زیادہ پیارے ہیں، میں گھر میں ہوتا ہوں اور آپ کی یاد آجاتی ہے تو جب تک حاضر ہوکر شرف زیارت حاصل نہ کرلوں قرار نہیں آتا، لیکن جب مجھے اپنی اور آپکی موت کا تصور ہوتا ہے تو جانتا ہوں کہ مرنے کے بعد یہ شرف زیارت حاصل نہ ہو سکے گا کیونکہ آپ جنت میں انبیاءؑ کے ساتھ اُونچے درجہ میں ہوں گے اور اگر میں جنت میں پہونچ بھی گیا تو اندیشہ ہے کہ آپ کو نہ دیکھ سکوں گا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ کلام سنکر کوئی جواب نہیں دیا یہاں تک حضرت جبرئیل علیہ السلام یہ آیت شریفہ لیکر نازل ہوئے۔

نیز حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ''وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ۔ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ

الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ يَأْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنزِلَ مَعَهُ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ۔ (سورۃ الاعراف، آیت/156)

ترجمہ: اور میری رحمت ہر چیز کو شامل ہے سو اسکو لکھ دوں گا انکے لئے جو ڈر رکھتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں اور جو ہماری باتوں پر یقین رکھتے ہیں، وہ لوگ جو پیروی کرتے ہیں اس رسول ﷺ کی جو نبیؐ امی ہے کہ جس کو پاتے ہیں لکھا ہوا اپنے پاس توریت اور انجیل میں وہ حکم کرتا ہے نیک کام کا اور منع کرتا ہے برے کام سے اور حلال کرتا ہے ان کے لئے سب پاک چیزیں اور حرام کرتا ہے ان پر ناپاک چیزیں اور اُتارتا ہے ان پر سے انکے بوجھ اور وہ قیدیں جو ان پر تھیں سو جو لوگ اس پر ایمان لائے اور اسکی رفاقت کی اور اسکی مدد کی اور تابع ہوئے اس نور کے جو اسکے ساتھ اترا ہے، وہی لوگ اپنی مراد کو پہنچے۔

بیعت کی شرعی حیثیت

آقائے نامدار علیہ الصلوۃ والسلام تو ایک روحانیت کے آفتاب تھے جو بھی آپ کی مجلس میں حاضر ہوا اُس کے دل کی حالت اور ہو گئی اسی وجہ سے تمام اہلِ سنت والجماعت کا متفقہ مسئلہ ہے کہ صحابی چاہے آپ کی خدمت میں چند منٹ ہی رہا ہو جو اسلام کے ساتھ آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ و السلام کی بارگاہ میں حاضر ہوا وہ بعد کے آنے والے بڑے سے بڑے ولی سے، بڑے سے بڑے متقی سے، بڑے سے بڑے پرہیز گار سے افضل اور اعلیٰ ہے، کوئی بعد کا آنے والا ولی صحابی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا، متفق علیہ مسئلہ ہے کیونکہ جناب رسول اللہ کی روحانی طاقت بجلی سے بھی زیادہ تر

قوت رکھنے والی تھی، دلوں کو دماغ کو روشن کرنے والی تھی اس واسطے اُس زمانہ میں بڑی بڑی ریاضتوں کی ضرورت نہیں پڑتی تھی، بس ضرورت اِس بات کی تھی کہ آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ و السلام کی مجلس میں اخلاص کے ساتھ حاضر ہو جائے آدمی، مگر جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ آپ کی جدائی کے بعد وہ حالت باقی نہ رہی اگرچہ زمانہ ہے صحابہ کرام کا اور اُن لوگوں نے روحانی روشنی آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام سے حاصل کی ہے۔ (از: حکیم الاسلامؒ)

بیعتِ جہاد

جنابِ رسول اللہ نے حدیبیہ کی لڑائی کے وقت عہد لیا تھا لوگوں سے کہ اگر دشمنوں سے مقابلہ کی نوبت آئی تو وہ بھاگیں گے نہیں بلکہ جب تک زندہ رہیں گے دشمنوں کا مقابلہ کریں گے اور اگر اس کے اندر موت آجائے تو موت کو اِختیار کریں گے اِس کو قرآن شریف میں فرمایا گیا:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَافِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا۔ (سورۃ الفتح، آیت، 18)

اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے راضی ہو گیا جبکہ وہ درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے، رسول اللہ کے دستِ مبارک پر بیعت کر رہے تھے، کس بات کی بیعت کر رہے تھے؟ حضرت سَلَمہ ابن اکوع سے پوچھا گیا کہ تم نے حدیبیہ میں درخت کے نیچے کا ہے پر بیعت کیا تھا؟ تو وہ کہتے ہیں عَلَى الْمَوْتِ ہم نے بیعت کیا تھا موت کے اُوپر موت کے اُوپر بیعت ہونے کے یہ معنی ہیں کہ ہم مر جائیں گے مگر بھاگیں گے نہیں، اللہ تعالیٰ اس میں بشارت دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہوا اور اُن کے دلوں کی باتوں پر مطلع ہو کر اُس نے اپنی سکینت کو اور اطمینان کو اُن کے دلوں میں ڈالا اور اس کے بدلے میں فتح مندی عطا فرمائی یہ سورۂ فتح میں (لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ) کے ذیل میں بیعت کا ذکر کیا گیا۔

شیخ سے بیعت ہونا اللہ سے بیعت ہونا ہے

اسی طرح اللہ تعالیٰ سورۂ فتح ہی میں کہتا ہے: اِنَّ الَّذِیۡنَ یُبَایِعُوۡنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوۡنَ اللّٰهَ یَدُ اللّٰهِ فَوۡقَ اَیۡدِیۡهِمۡ فَمَنۡ نَّكَثَ فَاِنَّمَا یَنۡكُثُ عَلٰی نَفۡسِهٖ وَمَنۡ اَوۡفٰی بِمَا عٰهَدَ عَلَیۡهُ اللّٰهَ فَسَیُؤۡتِیۡهِ اَجۡرًا عَظِیۡمًا۔ (سورۃ الفتح، آیت/10)

اے محمد جو لوگ تمہارے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں، تمہارے سے عہد کرنا وہ اللہ تعالیٰ سے عہد کرنا ہے جس شخص نے اپنے" عہد کو پورا کیا اللہ تعالیٰ اُس کو اجر دے گا، ثواب دے گا، اور جو عہد کر کے توڑے گا وہ اپنے آپ کو نقصان پہنچاتا ہے۔

تو جناب رسول اللہ کے دستِ مبارک پر کی گئی یہ بیعت تھی جہاد کی غزوۂ حدیبیہ کی۔

بیعتِ سلوک

قرآن شریف میں سورۂ ممتحنہ میں دُوسری بیعت کرنے کا حکم دیا گیا۔

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَكَ الۡمُؤۡمِنٰتُ یُبَایِعۡنَكَ عَلٰۤی اَنۡ لَّا یُشۡرِكۡنَ بِاللّٰهِ شَیۡـًٔا وَّلَا یَسۡرِقۡنَ وَلَا یَزۡنِیۡنَ وَلَا یَقۡتُلۡنَ اَوۡلَادَهُنَّ وَلَا یَاۡتِیۡنَ بِبُهۡتَانٍ یَّفۡتَرِیۡنَهٗ بَیۡنَ اَیۡدِیۡهِنَّ وَاَرۡجُلِهِنَّ وَلَا یَعۡصِیۡنَكَ فِیۡ مَعۡرُوۡفٍ فَبَایِعۡهُنَّ وَاسۡتَغۡفِرۡ لَهُنَّ اللّٰهَ۔ (سورۃ الممتحنہ :212)

اے پیغمبر جبکہ عورتیں تمہارے پاس آئیں اور وہ عہد کریں بیعت کریں اس بات پر کہ شرک نہ کریں گی، چوری نہ کریں گی، زنا نہ کریں گی، اپنے بچوں کو قتل نہ کریں گی، زمانۂ جاہلیت میں عادت تھی کہ اپنے بچوں کو مرد و عورت ماں اور باپ قتل کر دیتے تھے اس وجہ سے کہ اس بچہ کے

پالنے میں خرچ بہت کچھ پڑے گا (خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ) فاقہ کی وجہ سے، اور اسی طرح کسی پر بہتان نہ باندھیں گی حضرت محمد کے حکم کو پورے طرح سے انجام دیں گی، نافرمانی نہیں کریں گی، تو حضرت محمد کو حکم ہے کہ (فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ) کہ آپ بیعت کیجیے اور اُن کے لیے استغفار کیجیے۔ تو یہ بیعت اللہ تعالیٰ کے حکم سے جاری ہوئی۔

ہجرت سے پہلے جبکہ مکہ معظّمہ میں بارہ سردار انصار کے جمع ہوئے اور آپ نے اُن کو دین کی تعلیم دی تو حضرت عبادہ بن صامت جو اُنہی سرداروں میں سے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ نے ہم کو حکم دیا کہ بَايِعُوْنِيْ عَلٰى اَنْ لَّا تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّلَا تَسْرِقُوْا وَلَا تَزْنُوْا۔ مختلف چیزیں اسلام کی تعلیم فرمائیں اور رسول اللہ کی مدد کرنے کی، رسول اللہ کی حفاظت کرنے کی، مختلف چیزیں عہد میں لیں، اور فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی شخص اِن باتوں پر وفاداری کے ساتھ قائم رہا تو اللہ تعالیٰ اُس کو جنت میں جگہ دے گا اُس کی مغفرت کرے گا اور اگر کوئی شخص خلاف کرے گا اور دُنیا میں اُس کو سزا ملی تو آخرت کی سزا اُس پر سے اُٹھ جائے گی اور اگر اُس نے نافرمانی کی اور سزا نہیں دی گئی دُنیا میں تو اللہ تعالیٰ چاہے تو سزا دے چاہے تو معاف کرے ا تو اِس قسم کے بہت سے واقعات ہیں جن میں جنابِ رسول اللہ نے بعض خاص باتوں پر بیعت لی ہے اور کبھی کبھی عام باتوں پر اور پوری شریعت پر بیعت لی ہے۔

بیعت کی تعلیم قرآن شریف میں اور احادیث میں بہت تفصیل کے ساتھ ذکر کی گئی ہے جنابِ رسول اللہ نے بعض اصحاب سے اسی پر بیعت لی تھی کہ کوئی کسی سے کوئی چیز مانگے گا نہیں، سوال نہیں کرے گا تو عادت تھی صحابی کی کہ اگر گھوڑے پر سوار ہوا اور اُس کا کوڑا اگر گیا تو کوڑا بھی کسی دوسرے سے نہیں اُٹھواتا تھا بلکہ گھوڑے سے اُتر کر کے اپنے کوڑے کو اُٹھاتا تھا۔

حضرت جریر بن عبداللہ البجلی فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ نے بیعت لی اس بات پر کہ

ہر مسلمان کی خیر خواہی کریں گے تو ہمیشہ ہر چیز میں جس مسلمان کو ضرورت سمجھتے تھے خیر کی نصیحت کرتے تھے تو بیعت کوئی نئی چیز نہیں ہے قرآن میں احادیث میں بہت سے واقعات کو ذکر کیا گیا ہے بیعت اُسی وقت سے جاری ہے اب اسی بیعت ہی میں سے یہ بیعت طریقت کی ہے جو جنابِ رسول اللہ کے زمانے سے آج تک چلی آتی ہے، بیعت اس بات پر کرنا کہ شریعت پر مضبوطی سے چلیں گے اور جن چیزوں سے شریعت نے منع کیا ہے اُن سے بچیں گے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اطاعت میں پوری توجہ سے کام لیں گے، اِسی کو بیعتِ طریقت کہا جاتا ہے جو اُس زمانہ سے برابر چلی آتی ہے بیعت کے طریقے تمام زمانے میں جاری رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے خاص خاص بندوں نے مسلمانوں سے عہد لیے ہیں، یہ جو پیری مریدی کہی جاتی ہے یہ حقیقت میں وہی بیعت کا طریقہ ہے۔



حقیقت بیعت

انسانی نفس حسد، کینہ، غیبت، ریا، غرور وتکبر جیسی برائیوں میں جکڑا پڑا ہے۔ یہ تمام روحانی امراض ہیں ۔ان کی موجودگی میں باطنی کمالات کے حاصل کرنے سے اور اللہ رب العزت کی محبت اور معرفت کے حصول سے محرومی رہتی ہے۔اس محبت اور معرفت کی غیر موجودگی میں ہر نیک عمل کی صحت مشکوک ہوجاتی ہے۔کیونکہ عمل اخلاص سے خالی ہوتا ہے، پس اللہ پاک کی محبت اور معرفت کا حاصل کرنا فرض سے بھی اوپر کے درجہ میں آتا ہے۔اس کے لئے کسی مردِ کامل کی بیعت ناگزیر ہے۔حضور کے بعد تمام صحابۂ کرام نے حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں پر بالترتیب بیعت کی۔پس بیعت کی اِفادیت کی اس سے بڑھ کر کوئی دلیل نہیں ہوسکتی۔ نیز یہاں بیعت کا ایک قانون بھی ثابت ہوتا ہے کہ اگر مرشد کامل دنیا سے پردہ فرما جائے یا اس سے رابطہ منقطع ہوجائے تو فوراً دوسری جگہ بیعت کرنا ضروری ہوجاتا ہے۔اس میں شخصیت پرستی نہیں ہے اگر ہوتی تو قیامت تک حضور کی بیعت سے بڑھ کر کس کی بیعت ہوسکتی ہے؟۔

اسی طرح بیعت کرتے وقت خوب سوچ وفکر سے کام لینا چاہئے۔اگر فاسق، فاجر اور بے عمل عالم سے بیعت جائز ہوتی تو حضرت امام حسین یزید سے بیعت کر لیتے۔حضور کا فرمان مبارک ہے کہ اگر کوئی شخص ہوا میں اُڑتا ہوا، سمندر پر چلتا ہوا نظر آئے اگر وہ اتباع سنت و شریعت سے خالی ہو تو وہ شیطان ہے۔ بزرگی اور کمال کی سب سے بڑی علامت اور پیمانہ

اتباع سنت وشریعت ہے۔لہذا ان تمام حقائق کو ذہن میں رکھتے ہوئے کسی مردِ کامل کا ہاتھ پکڑ لیں ۔ بیعت کرنے کے بعد اللہ پاک کی اس عظیم نعمت کے حاصل ہونے پر شکرانے کے نوافل پڑھیں ۔ اللہ پاک اور حضور کے بعد سب سے زیادہ لائق احترام ہستی آپ کا اپنا شیخ ہے۔آپ کے شیخ کی رضا میں اللہ پاک کی اور نبی کی رضا اور شیخ کی ناراضگی میں اللہ پاک اور نبی کی ناراضگی ہے۔ اپنے شیخ کو دنیا میں تمام موجود بزرگوں سے افضل جانیں ۔ لہذا دوسرے بزرگوں کے پاس دُعا و برکت کے لئے جانے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی ۔آپ کو آپ کا شیخ بس ہے۔ اپنے تمام دینی و دنیوی معاملات اپنے شیخ کے علم میں لاکر کیا کریں۔ مشورہ، برکت اور دعا مفت میں حاصل ہوتی رہے گی ۔ بہانے بہانے سے صحبت شیخ اور رابطۂ شیخ میں رہنے کی کوشش کیا کریں۔ کیونکہ پیاسا کنویں کے پاس جاتا ہے کنویں پیاسوں کے پیچھے نہیں بھاگا کرتے۔ جب بھی شیخ سے ملاقات کرنے جائیں تو اپنے عہدہ امارت،علم کے زعم کو دفن کر کے مکمل محتاج بن کر حاضر ہوں ۔فرش یا چٹائی پر دوزانو بیٹھیں جب تک وہ خود توجّہ نہ کریں آپ توجّہ حاصل کرنے کی کوشش نہ کریں بلکہ فیضان حاصل ہونے کی نیت کر کے بیٹھے رہیں ۔اس لئے کہ یہ مقامِ ادب ہے۔ شیخ کی کسی بات پر اعتراض نہ کریں۔ کسی قسم کا بحث ومباحثہ نہ کریں اور نہ ہی دینی یا دنیوی ہدایات دینے کی کوشش کریں۔ شیخ ان باتوں سے بے نیاز ہوتے ہیں۔ جب آپ کا شیخ آپ سے ازخود رابطہ کرے تو اس کو اپنی بہت بڑی خوش قسمتی جانیں اور تمام مصروفیات کو بالائے طاق رکھ کر فوری جوابی رابطہ کریں۔ جوابی رابطہ نہ کرنے سے شیخ کی بے ادبی اور بے اکرامی ہوتی ہے۔ جتنا زیادہ آپ اپنے شیخ سے رابطہ میں رہیں گے اتنا ہی اس کی نظر،توجہ اور دعا کے سایہ میں رہیں گے اور اتنی ہی آپ کی روحانی منازل جلد طے ہوں گی ۔(تذکرہ اکابر گنگوہ جلد اول،ص/188)

مقصد بیعت

بعض حضرات کم علمی کی وجہ سے اس میں بہت سی غیر ضروری اور غیر متعلق باتیں شامل کر دیتے ہیں جن سے عقیدوں میں بگاڑ اور گمراہی اور بے دینی وجود میں آتی ہے۔ بیعت کا مقصد کشف وکرامات و بزرگی حاصل کرنا نہیں ہوتا نہ ہی اس میں قیامت میں بخشوائے جانے کی کوئی ذمہ داری ہوتی ہے۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ ذکر و شغل میں انوارات وغیرہ نظر آئیں اور نہ ہی اس میں عمدہ عمدہ خوابوں کا نظر آنا اور الہامات کا صحیح آنا لازم ہے۔

بعض حضرات بیعت صرف شیخ کی دُعاؤں کی برکتوں کے حصول کے لئے کرتے ہیں، ان کا مقصد اپنی اصلاح نہیں بلکہ صرف حصولِ دنیا ہوتا ہے۔ تحفے تحائف اور نذرانے دیکر کوشش کرتے ہیں کہ شیخ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر چوبیس گھنٹے حالت سجدہ میں گر کر ان کے لئے دُعائیں مانگتا رہے۔ ان کے تحفے گئے، شیخ کی دُعائیں گئیں۔ یہ کھلّم کھلاّ کاروبار ہے۔ شیخ کے بتائے ہوئے طور طریقوں پر چلنے کے بجائے شیخ کو اپنے پیچھے چلانے کی کوشش کرتے ہیں اور محنت مشقت اور عمل سے دور بھاگتے ہیں۔ ایسی بیعتوں کا انجام کیسے اچھا ہوسکتا ہے؟۔

بیعت کا مقصد اپنا سارا اختیار اپنے شیخ کے سامنے بے بس کر کے اور اپنی تمام خواہشات کو اپنے شیخ کے حکم کے تابع کر کے اپنے نفس کی غلامی سے نکل کر اللہ پاک کی غلامی میں جانا ہوتا ہے۔ یہ اصلاحِ ظاہر و باطن کا سب سے افضل طریقہ ہے۔ اس کا مقصد اپنے اندر بندگی کا پیدا کرنا ہے۔ اللہ پاک کی رضا حاصل کرنا ہے۔ (تذکرہ اکابر گنگوہ جلد اول، ص/190)

زندگی آمد برائے بندگی زندگی بے بندگی شرمندگی

حکیم الامت حضرت تھانویؒ سے سلسلہ مکاتبت برائے بیعت

طبیہ کالج کی تعلیم کے زمانے میں حضرت والا کو حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کا واعظ راحت القلوب مل گیا جس کے مطالعہ سے حضرت حکیم الامتؒ سے ایسی عقیدت ہوگئی کہ دل میں یہ طے کرلیا کہ اس سلسلہ میں بیعت ہونا ہے۔ترجمۃ المصنف میں حضرت والا تحریر فرماتے ہیں : حضرت اقدس حضرت تھانوی سے بیعت ہونے کے لئے سلسلۂ مکاتبت شروع کیا۔افسوس کہ حضرت اس وقت اپنی زندگی کے آخری ایام میں تھے،مولانا شبیر علی صاحب تھانوی نے لکھا کہ حضرت والا علیل ہیں،خلفاء میں سے کسی مصلح کا انتخاب کرلیا جاوے۔ چند دن بعد خبر معلوم ہوئی کہ حضرت حکیم الامتؒ کا وصال ہوگیا۔طبیہ کالج ،الہ آباد میں چھٹی ہوگئی ۔روتا ہوا گھر آیا اور آہ و بکا کے ساتھ کچھ تلاوت کر کے ایصال ثواب کیا۔دل پر سخت صدمہ تھا۔مثنوی نالۂ غمناک پڑھنا شروع کی اور خوب جی بھر کے رویا،صرف دو اشعار اس کے اب بھی یاد ہیں ؎

جو تھے نوری وہ گئے افلاک پر
مثل تلچھٹ رہ گیا میں خاک پر
بلبلوں نے گھر کیا گلشن میں جا
بوم ویرانے میں ٹکراتا رہا

(رشک اولیاء حیات اختر،ص56)



بیعت کا مقصد

حاذق الامت حضرت مولانا شاہ ذکی الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کچھ علمائے کرام بیعت کی درخواست لے کر حاضر ہوئے ہیں حضرت والا نے ارشاد فرمایا، بیعت ایک معاہدہ ہے جس میں شیخ واسطہ ہے گویا مرید اللہ تعالیٰ سے عہد کرتا ہے کہ میں آئندہ صحیح زندگی گزاروں گا۔ جان بوجھ کر گناہ نہیں کروں گا تقویٰ اختیار کروں گا۔ فرمایا کہ بہت سے لوگ ہیں کہ بیعت کے لئے آتے ہیں حالانکہ ان کو نہ بیعت کی غرض معلوم ہوتی ہے اور نہ ہی اس کے تقاضے کا علم ہے بس ایک رسم سمجھ کر بیعت کے لئے آجاتے ہیں۔ بعض اس لئے بیعت کرتے ہیں کہ گھر میں برکت آجائے گی۔ مالداری آجائے گی یا اس لئے کہ بڑی عزت ہوگی لوگوں میں کہ فلاں بزرگ سے بیعت ہوں۔ یہ سب باتیں لایعنی ہیں ان کا دین اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ فرمایا بیعت کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ بندہ کا تعلق اللہ تعالی سے مضبوط ہوجائے، وہ حقیقی معنوں میں اللہ تعالی کا بندہ بن جائے، اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرنا آسان ہوجائے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے طریقہ پر زندگی گزارنے لگے اکابر کا طریقہ ہر کام میں اختیار کرے۔ آخرت کی فکر پیدا ہوجائے موت کو یاد کرے جو بھی عمل کرے خالص اللہ کی رضا کے واسطے کرے۔ (سوانح حیات حضرت حاذق الامت، ص/165)

محبت ہی اصل ہے؟

حضرت حاذق الامتؒ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے پیر یا شیخ کو ہر اعتبار سے بہتر جانو اور یہ سمجھو کہ جو بھی فیض پہنچے گا مجھے میرے شیخ کے ذریعہ ہی پہنچے گا۔ پھر ارشاد فرمایا ایک تو عقیدت ہوتی ہے

کہ اپنے شیخ سے عقیدت رکھتے ہیں اور ایک ہوتی ہے محبت بس محبت ہی اصل ہے جس قدر شیخ سے محبت ہوگی اسی قدر شیخ کا فیضان حاصل ہوگا۔ ناچیز نے عرض کیا کہ حضرات اکابر ہی سے بعض نے ارشاد فرمایا کہ عقیدت اندھی ہوتی ہے اور محبت ایک روشنی ہے۔ (سوانح حیات حضرت حاذق الامت، ص/165)

بیعت وتلقین کی اجازت

حضرت حاذق الامتؒ نے فرمایا: کہ جب مجھے حضرت مسیح الامتؒ کی طرف سے اجازت ملی تو میرے دل میں عجیب طرح کی کیفیت پیدا ہوگئی، اور اس نے دل میں سوچا کہ یہ اجازت نامہ، غلطی سے یہاں آگیا کسی اور جگہ جانا تھا پھر میں نے حضرت مسیح الامتؒ کی خدمت میں لکھا کہ حضرت والا یہ اتنی بڑی ذمہ داری اور اہم معاملہ مجھ جیسے ناکارہ کو، میں تو کسی بھی اعتبار سے اہل نہیں ہوں، کیسے اس کی حفاظت کر پاؤں گا، تو حضرت والا نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ جس چیز کی توقع تھی وہی آپ نے لکھا ہے۔

حضرت گنگوہی سے بیعت

مولانا گنگوہی بالعموم بچوں اور طالب علموں کو بیعت نہیں کرتے تھے، فراغت وتکمیل کے بعد اس کی اجازت ہوتی تھی، مگر مولانا محمد الیاس صاحب کے غیر معمولی حالات کی بنا پر ان کی خواہش ودرخواست کی بنا پر بیعت کرلیا مولانا فرماتے تھے کہ جب میں ذکر کرتا تھا تو مجھے ایک بوجھ سا محسوس ہوتا تھا، حضرت سے کہا تو حضرت تھرّا گئے اور فرمایا مولانا محمد قاسم رحمہ اللہ نے یہی شکایت حاجی صاحب سے فرمائی، تو حاجی صاحب نے فرمایا کہ اللہ آپ سے کوئی کام لے گا۔ (ایضاً مع التلخیص، ص ۵۴، ۵۵)

تجدید بیعت اور دیگر خانقاہی اکابر سے تعلق

حضرت گنگوہی کے وصال کے بعد آپ نے شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی سے بیعت کی درخواست کی تو حضرت شیخ الہند نے مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوریؒ سے رجوع کا مشورہ

دیا، چنانچہ آپ نے حضرت سہارنپوری سے بیعت ہوکر منازلِ سلوک طے فرمائے، علاوہ ازیں دیگر علماء ومشائخ سے بھی حضرت مولانا الیاس صاحب برابر استفادہ کرتے رہے، شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی اور حضرت تھانوی سے تو ایسا تعلق اور عقیدت تھی فرماتے تھے کہ یہ حضرات میرے جسم وجان میں بسے ہوئے تھے، اور ان بزرگوں کو بھی حضرت مولانا سے خصوصی محبت اور قلبی لگاؤ تھا، یہ حضرات آپ کے خوف وخشیت اور ورع وتقویٰ سے بخوبی واقف تھے، بسا اوقات اکابر کی موجودگی میں امامت کے لئے آپ آگے بڑھا دیئے جاتے، مولانا ابوالحسن علی ندوی فرماتے ہیں: ایک مرتبہ کاندھلہ میں شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری، مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری اور مولانا اشرف علی صاحب تھانوی موجود تھے، نماز کا وقت آیا تو امامت کے لئے آپ کو بڑھایا، مولوی بدرالحسن صاحب خاندان کے ایک بزرگ موجود تھے، انہوں نے ازراہِ ظرافت کہا کہ اتنی بڑی بڑی گاڑیاں اور ایسا ہلکا پھلکا انجن جوڑ دیا، ان حضرات میں سے کسی نے کہا کہ یہ تو انجن کی طاقت پر ہے (مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت، مکتبہ یحیوی، ص ۶۱)

حضرت حاجی صاحب کی بیعت کا واقعہ

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی نور اللہ مرقدہ نے خواب میں دیکھا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دربار عالی لگا ہوا ہے۔ مگر مجھے وہاں جانے کی ہمت نہیں ہو رہی ہے میرے ماموں بھی وہاں پر موجود تھے۔ انھوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر ایک بوڑھے نحیف شخص کے ہاتھ میں دیدیا پھر آنکھ کھل گئی۔

ان بزرگ کی تلاش میں متعدد مقامات کے سفر کئے مگر کامیابی نہ ہوئی۔ سخت حیرانی ہوئی، کچھ روز بعد انھوں نے اپنے استاد مولانا قلندر علی صاحب جلال آبادی سے یہ خواب بیان کیا۔ انھوں نے ارشاد

فرمایا کہ ذرا لوہاری (ایک گاؤں کا نام) تو جاؤ۔ یہاں میاں جی نور محمد جھنجھانویؒ موجود تھے۔ دیکھا تو وہی بوڑھے نحیف شخص ہیں جو خواب میں دیکھے تھے۔ فوراً قدموں میں گر پڑے۔ میانجی صاحب نے سینہ سے چمٹالیا اور ارشاد فرمایا کہ تمہیں اپنے خواب پر بہت اعتماد ہے۔ حضرت حاجی صاحب اسی کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ یہ میرے شیخ کی سب سے پہلی کرامت تھی جو میرے دیکھنے میں آئی کہ بغیر ذکر کئے خواب کا علم ہو گیا۔ (مسلک علماء دیو بند اور حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم، ص/ 31)

حضرت حاجی صاحب کے حکم سے بیعت کی شروعات

حضرت گنگوہی حضرت حاجی صاحب سے بیعت ہوئے اور وطن آکر تعلیم وتربیت میں اور تزکیہ واحسان کی محنت میں مصروف ہو گئے، چنانچہ مولانا کو وطن واپس ہوئے چند ہی روز گزرے تھے کہ ایک عفت مآب نیک دل عورت نے آپ سے بیعت کی درخواست کی، امام ربانی نے طبعی تواضع کے سبب درخواست نامنظور فرمادی اور ٹالدیا، خدا کی شان کہ حضرت نانوتہ تشریف لیجانے کی نیت سے روانہ ہوئے اور اسی سفر میں گنگوہ حضرت مولانا قدس سرہ کے پاس قیام فرمایا، صاحب نصیب عورت کو اپنے درد کا درماں حاصل کرنے کیلئے اس سے بہتر موقع کہاں مل سکتا تھا کہ پیر کی بے اعتنائی کا گلہ وشکوہ دادا پیر سے کیا جائے، اور باپ کی شکایت ہو تو جد بزرگوار سے ہو، پس حضرت کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ دیکھئے حضرت میں مرید ہونا چاہتی ہوں اور مولانا بیعت قبول نہیں فرماتے، اب کیا تھا حضرت کے لطف ولطافت آمیز سوال تھے کہ کیوں صاحب سائل کی درخواست کیوں منظور نہیں ہوتی؟ اور حضرت مولانا شرم سے پسینہ پسینہ ہوئے جاتے تھے، اگر جواب تھا تو کبھی یہ کہ حضرت میں اس قابل نہیں، یا اس طرح کہ آقائے زمانہ کے تشریف فرما ہوتے ہوئے غلام کی کیا طاقت کہ کسی کا آقا بنے، مگر حضرت بار بار یہی فرماتے تھے کہ جب کسی کو تم ہی سے عقیدت ہو تو وہ

میرا مرید ہوکر کیا نفع اٹھائے گا، خلاصہ یہ کہ حضرت اٹھے اورامام ربانی کو اپنے ہمراہ درخواست کنندہ عورت کے مکان پر لائے اورفرمایا لومیرے سامنے بیعت کرو (امدادالمشتاق ص۲۳)

اس پوری داستان میں سالکین راہِ طریقت کیلئے بہت کچھ سامان عبرت ونصیحت کا موجود ہے، اوران حضرات کیلئے بھی بہت بڑی بصیرت کا سامان ہے جواس دور میں بیعت وسلوک کا انکار کررہے ہیں، کوئی تو بالکل ہی انکار کررہا ہے اور کوئی اس کو انفرادی عمل بتا کرلوگوں کے قلوب سے اس کی عظمت کونکالنے کے درپے ہے، اوراس سے بھی زیادہ افسوس ان لوگوں پر ہے جن کے آباء واجداد خود راہِ سلوک ومعرفت سے گذرے، بیعت ہوئے اور دوسروں کو بھی اپنے ہاتھ پر بیعت کیا لیکن پھر بھی ان کے بعض متعلقین یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ اپنی طرف دعوت ہے، استغفراللہ العظیم! یہ ان بزرگوں پر کتنا بڑا اتہام ہے اوران کی مخلصانہ ومؤمنانہ، داعیانہ اورمبلغانہ کاوشوں کوختم کرنے کی کتنی بڑی سازش ہے، یہ وہ عظیم فتنہ ہے جس کی خبر بعض اکابر نے قبل از وقت ہی دیدی تھی، کیا جس وقت حضراتِ صحابہ کرام رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ حق پرست پر درخت کے نیچے بیعت کررہے تھے وہ انفرادی عمل کررہے تھے؟ اور وہ اپنی طرف دعوت دی جارہی تھی؟ قرآن پاک کہتا ہے: لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَالَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحاً قَرِيْبًا۔ (الفتح ۳۶)

پھر یہی عمل عہد نبوی شریف سے مسلسل چلتا رہا اور ہزاروں لاکھوں اولیاء اللہ کا یہ طریقہ کار رہا اور پوری دینا اس سے فیضیاب ہوئی۔

مرشد کی جانب سے ایک امتحان اوراس میں کامیاب ہونا

تھانہ بھون کے دوران قیام حضرت حاجی صاحب نوراللہ مرقدہ نے آپ کے صبروتحمل اورضبط

کا امتحان لیا جس کے متعلق حضرت امام ربانی خود ہی فرماتے ہیں کہ تھانہ بھون میں مجھ کو رہتے ہوئے چند روز گزرے تو میری غیرت نے حضرت پر کھانے کا بار ڈالنا گوارا نہیں کیا، آخر میں نے یہ سوچ کر کہ دوسری جگہ انتظام کرنا دشوار بھی اور نا گوار بھی ہوگا، رخصت چاہی، حضرت نے اجازت نہ دی اور فرمایا کہ ابھی چند روز ٹھہرو، میں خاموش ہوگیا قیام کا قصد تو کر لیا مگر اس کے ساتھ یہ فکر بھی ہوا کہ کھانے کا انتظام کسی دوسری جگہ کرنا چاہئے، تھوڑی دیر کے بعد جب حضرت مکان پر تشریف لے جانے لگے تو میرے وسوسہ پر مطلع ہوکر فرمایا میاں رشید احمد کھانے کی فکر مت کرنا ہمارے ساتھ کھانا، دوپہر کو کھانا مکان سے آیا تو ایک پیالہ میں کوفتے تھے نہایت لذیذ، اور دوسرے پیالہ میں معمولی سالن تھا، حضرت نے مجھے دسترخوان پر بٹھایا مگر کوفتوں کا پیالہ مجھ سے دور رکھا ہوا دیکھ کر حضرت سے فرمایا بھائی صاحب! رشید احمد کو اتنی دور ہاتھ بڑھانے میں تکلیف ہوتی ہے اس پیالہ کو ادھر کیوں نہیں رکھ لیتے، حضرت نے بیساختہ جواب دیا اتنا بھی غنیمت ہے کہ اپنے ساتھ کھلا رہا ہوں، جی تو یوں چاہتا تھا کہ چوڑھوں چماروں کی طرح الگ ہاتھ پر روٹی رکھ دیتا، اس فقرہ پر حضرت نے میرے چہرہ پر نظر ڈالی کہ کچھ تغیر تو نہیں آیا مگر الحمدللہ! میرے قلب پر بھی اس کا کچھ اثر نہ تھا، میں سمجھتا تھا کہ حقیقت میں جو کچھ حضرت فرمارہے ہیں بالکل سچ ہے، اس دربار سے روٹی ہی کا ملنا کیا تھوڑی نعمت ہے! جس طرح بھی ملے بندہ نوازی ہے، اسکے بعد حضرت نے پھر کبھی میرا امتحان نہیں لیا، اس کے بعد فرمایا، اسی لئے مجھے کچھ نہیں آیا۔

میں تو دل سے بیعت ہو چکا

حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا: حافظ محمد ضامن صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارے حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں یہ معاہدہ قرار پایا تھا کہ جہاں ایک صاحب بیعت ہوں، دوسرے کو خبر

کر دیں، وہ بھی انہی بزرگ سے بیعت ہوں گے۔ پھر حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ لوہاری جا کر میاں جی صاحب (حضرت مولانا میاں جی نور محمد صاحب جھنجھانوی شہرلوہاری) سے بیعت ہو گئے او رحافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تذکرہ کرنا بھول گئے۔ جب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا کہ یہ بار بارلوہاری جاتے ہیں تو دریافت کیا کہ آپ بار بارلوہاری کیوں جاتے ہیں؟ تو فرمایا میں ایک بزرگ سے بیعت ہو گیا ہوں۔ فرمایا ہم سے تو معاہدہ ٹھہرا تھا کہ دونوں ایک جگہ بیعت ہوں گے ہم سے تذکرہ کیوں نہ کیا۔ حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اب چلے چلو۔ جب آپ لوہاری پہنچے تو میاں جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دریافت کیا کہ حافظ صاحب کیسے آئے؟ عرض کیا۔ حضرت بیعت کے ارادہ سے آیا ہوں۔ فرمایا بھائی میں تو بزرگ نہیں ہوں ایک میاں جی ہوں بچوں کو پڑھاتا ہوں کسی بزرگ سے بیعت ہونا چاہئے۔ حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا میں نے تو اپنا ارادہ عرض کر دیا۔ آگے آپ کو اختیار ہے۔ اس کے بعد حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ لوہاری آتے جاتے رہے او ربیعت کے لئے پھر عرض نہیں کیا۔ آخر میاں جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار خود ہی فرمایا کہ حافظ صاحب کیا اب بھی وہی خیال ہے؟ حافظ صاحب نے عرض کیا۔ حضرت میں تو دل سے بیعت ہو چکا ہوں کیونکہ بیعت اعتقادی ہے باقی بزرگوں پر اصرار کرنا بے ادبی ہے۔ اس لئے صورتِ بیعت پر میں نے اصرار نہیں کیا۔ فرمایا اچھا وضو کر کے آجاؤ اور بیعت ہو جاؤ۔ (اسرار طریقت، ص/179)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے محبوب مشغلہ؟

مفکر اسلام مولانا عبدالماجد دریا آبادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا مشغلہ کیا تھا؟ کس شغل میں آپ زیادہ لگے رہتے تھے؟ کون سا کام آپ کو دل سے پیارا تھا؟ کیا تصنیف وتالیف؟ کیا لکھنا پڑھنا کیا بحث ومناظرہ؟

کیا منطق وفلسفہ؟ کیا ریاضی وہیئت؟ کیا تاریخ وجغرافیہ؟ کیا ملازمت ووکالت؟ کیا سیر وسیاحت؟ کیا تفریح وشکار؟ کیا نذرونیاز لینا؟ کیا قبروں کی مجاوری؟ کیا کھانے اورکپڑے کا اہتمام؟ کیا مکان وجائداد کی فکر؟ کیا روپیہ جمع کرنا؟ کیا بیمہ اور بینک کا حساب کتاب؟ کیا آلات اورکلیں بنانا؟ کیا صنعت وحرفت؟ کیا شعروافسانہ؟ کیا نعوذ باللہ ان مشغلوں میں آپ دن رات لگے رہتے تھے؟ کیا ان میں سے کوئی شغل آپ کی خاص دلچسپی اوراصلی ذوق کا تھا؟

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بشر تھے اور بشر کو دنیا میں جو کچھ پیش آتا ہے، سب کچھ اس افضل البشر صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پیش آیا۔ آپ کھاتے تھے، پیتے تھے، سوتے تھے، ہنستے تھے، روتے تھے، سردی گرمی محسوس کرتے تھے، رنج وراحت سے اثر لیتے تھے، بیوی بچوں سے تعلق رکھتے تھے، دوستوں رفیقوں سے ملتے جلتے تھے۔۔۔۔خرید وفروخت کرتے تھے، دشمنوں سے مقابلہ بھی کرتے تھے، اور درگزر بھی کرتے تھے، لیکن ان ساری مشغولیتوں کے درمیان، ان ساری مصروفیتوں کے باوجود، جو شے ہر وقت اور ہر آن، ہر حالت میں اور ہر موقع پر، آپ پر غالب وحاوی رہتی تھی، وہ کیا تھی؟ وہ یاد الٰہی اور صرف یاد الٰہی تھی۔ آپ آرام فرمانے لیٹتے تو اللہ ہی کا نام لیتے لیتے سوجاتے، بیدار ہوتے تو اللہ ہی کا نام زبان پر ہوتا تھا۔ درمیان شب میں بار بار اٹھتے، اور ہر بار لب ہائے مبارک پر اللہ ہی کا نام ہوتا۔ مکان میں داخل ہوتے، تو اللہ کا نام لے کر، اور دم شریف باہر نکلتے تو پھر اللہ کا نام لے کر۔ بلندی پر چڑھتے تو اللہ اکبر کہتے ہوئے اور نشیب میں اترتے تو سبحان اللہ کا ورد کرتے ہوئے۔ سواری پر سوار ہوتے تو اللہ کو یاد کرتے ہوئے اور مقام پر پہونچتے تو پھر اسی اللہ کو پکارتے ہوئے۔ چلتے تو اسی کے نام کی رٹ تھی، اور رکتے تو اسی کے نام کی دھن تھی۔ خوشی ہوتی تو اسی کا شکر ادا کرتے تھے۔ اور رنج ہوتا تو اسی پر صبر فرماتے تھے۔ دشمنوں کے مقابلہ میں جاتے، تو اسی کے نام کی تکبیر کہتے ہوئے اور واپس تشریف لاتے تو اسی کی یاد میں

سرشار۔ طہارت خانہ میں داخل ہوتے تو اپنے مولیٰ کا نام لیتے ہوئے اور باہر آتے تو اسی کا نام جپتے ہوئے۔ وضو کرنے بیٹھتے تو دعائیں پڑھتے جاتے، نیا کپڑا زیب جسم فرماتے تو اللہ کا نام پکارتے ایک صحابی رضی اللہ عنہ جو شب کو آستانۂ مبارک پر حاضر رہتے، بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تسبیح و تہلیل کی آواز سنتے سنتے میں تھک جاتا اور مجھے نیند آجاتی، بیویوں سے لطف و محبت کی باتیں فرماتے ہوتے کہ اذان کی آواز کان میں آتی اور دفعتاً بیگانوں کی طرح اٹھ کھڑے ہوتے۔

اب آپ فرمایئے، کہ آپ کے وقت کا کتنا حصہ اللہ کی یاد میں گزرتا ہے؟ سال میں کتنے ہفتے، مہینہ میں کتنے دن، ہفتہ میں کتنے گھنٹے، دن میں کتنے منٹ، آپ سچے دل سے اللہ کی یاد میں بسر فرماتے ہیں؟ اگر آپ ملازم ہیں تو اپنے افسروں کی رضا جوئی سے، اگر زمیندار ہیں تو اپنی جائداد کے انتظام سے، اگر تاجر ہیں تو اپنے کاروبار سے، اگر کسی اور پیشہ میں ہیں تو اس پیشہ کے متعلق اشغال سے، کچھ بھی وقت آپ اس کام کے لئے نکالتے ہیں؟ یا آپ کے نزدیک یہ چیز سرے سے غیر ضروری ہے؟ آپ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا سردار و پیشوا مانتے ہیں۔ کیا سردار کی اطاعت، اور پیشوا کی پیروی یوں ہی کی جاتی ہے؟ آپ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کا دم بھرتے ہیں کیا محبوب کی پسندیدہ خصلتوں کا اسی طرح پاس ولحاظ کیا جاتا ہے؟ آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کا حکم دیا گیا ہے کیا اتباع کے یہی معنی ہیں؟ کیا ذرہ کے لئے ممکن ہے کی آفتاب سے بے نیاز ہو کر اندھیرے میں چمک سکے؟ کیا موج کے لئے ممکن ہے کہ سمندر سے الگ ہو کر اپنی ہستی باقی رکھ سکے؟ کیا پتّے کے لئے ممکن ہے کہ درخت سے ٹوٹ کر اپنی سرسبزی و شادابی قائم رکھ سکے؟ اگر نہیں تو کیا آپ کے لئے ممکن ہے کہ آپ اپنی اصل سے اپنا رشتہ توڑ کر، دینی دینوی، کسی قسم کی فلاح و بہبود حاصل کر سکیں؟

عاقبت نہ سہی، اپنی دنیا ہی کو سنبھال لئے جائیں؟ کل نہیں، آج ہی اپنے دل کا چین اور سکھ،

سکون واطمینان حاصل کرسکیں؟ دنیا کا نظام بہتر طریقہ پر قائم کرلیں؟ زندگی میں امن وعافیت زیادہ پیدا کرلیں؟ یونان نے یہ کوشش کی؟ رومہ نے یہ منصوبہ باندھا؟ ایران نے یہ ارادہ کیا؟ آج فرانس اورانگلستان، جرمنی اورروس، امریکہ وجاپان، اٹلی واسپین سب اسی کوشش، اسی فکر، اسی دھن میں ہیں، ان میں سے کوئی ذرہ بھر بھی کامیاب ہوا ہے؟ کیا آپ کواب بھی عبرت نہ ہوگی، اورآپ بدستوراسی بات کوبھلائے رہیں گے، جواکیلی یادرکھنے کے قابل ہے۔

حضرت مولانا مظہر صاحب نانوتوی کا حضرت گنگوہی سے بیعت ہونا

حضرت مولانا مظہر صاحب نانوتوی قدس سرہ جومظاہرعلوم کے بانیین میں سے ہیں اوراکابر اعلام میں شمار ہوتے ہیں، آپ ۱۲۳۷ھ مطابق ۱۸۲۱ء کونانوتہ ضلع سہارنپور میں پیدا ہوئے، تاریخی نام محمد مظہر ہے مشہور عالم دین حضرت مولانا احسن نانوتوی (جوبہت سی کتابوں کے مصنف ہیں) کے چھوٹے بھائی تھے، اورحضرت مولانا مملوک علی صاحب اورحضرت مولانا مفتی صدر الدین صاحب اورحضرت شاہ عبدالغنی صاحب وغیرہ کبارعلماء، صلحاء کے تلمیذرشید تھے ۱۸۵۷ میں شاملی کے میدان میں اکابر کے ساتھ مل کر جہاد کرنے والوں میں شامل تھے، بہت بڑے عالم فاضل علوم عقلیہ، نقلیہ کے جامع بزرگ تھے، بیعت وارشاد کے سلسلہ میں حضرت گنگوہی سے منسلک ہوئے، جس کوحضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی تذکرۃ الرشید میں اس طرح لکھتے ہیں:

مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی عمرمیں حضرت امام ربانی سے بڑے تھے مگرعقیدت کے اعتبار سے گویا حضرت کے جاں نثار خادم اور عاشقِ جانباز تھے، جب تشریف لاتے بے اختیار حضرت کوبوسہ دیتے اورآنکھوں میں آنسوبھرلایا کرتے۔

حضرت امام ربانی شرماتے اوریوں فرمایا کرتے کہ مولانا آپ مجھے کیوں نادم فرمایا کرتے ہیں، آپ

میرے بڑے ہیں مجھ پر آپ کا ادب ضروری ہے، آپ ایسا کام کرتے ہیں تو مجھ کو بڑی شرم آتی ہے۔

مولوی محمد مظہر صاحبِ بصیرت تھے، حضرت کے علوشان و مرتبہ اور اپنی فرطِ محبت کے سبب جو کچھ کرتے تھے وہ ان کا طبعی تقاضا تھا، مگر حضرت امام ربانی کبرسن کے پاس ولحاظ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: **من لم یرحم صغیرنا ولم یؤقر کبیرنا فلیس منا** کے امتثال کو بھول نہیں سکتے تھے (تذکرۃ الرشید ص ۱۸۱)

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کے قلب مبارک میں آپ کا ایک خاص مرتبہ ومقام تھا جس کا اندازہ مرقوماتِ امدادیہ کی ان سطور سے ہوسکتا ہے کہ! اگر مولوی محمد مظہر نانوتہ میں تشریف رکھتے ہوں تو بعد سلام شوق ملاقات فرما کر یہ پیام دیں کہ یکتائے زمانہ کو اپنی جماعت میں اپنے دوستوں سے شمار کرتا ہوں اور دعائے خیر سے غافل نہیں ہوں، خاطر جمع فرمادیں۔

اور جو کچھ ذکر وشغل کے متعلق دریافت کرنا منظور ہو تو بذریعہ احقر یا مولوی رشید احمد صاحب کہ ان کو بجائے احقر جانیں اور معلوم کریں۔ (علمائے مظاہر علوم سہارنپور اور ان کی علمی وتصنیفی خدمات ص ۵۰)

اللہ کے ولیوں سے عداوت اور دشمنی نہیں کرنی چاہئے

اللہ تعالیٰ روز قیامت فرمائیں گے کہ وہ لوگ کہاں ہیں جن کا باہمی تعلق میری وجہ سے تھا، میری اطاعت کے لئے تھا اور میری عظمت وجلال کے باعث تھا، آج میں ان کو اپنے سایہ میں لیتا ہوں یعنی میں نے انہیں اپنے دامان رحمت میں لے لیا، اسی لئے حضرات اولیاء اللہ سے بغض وعداوت اور دُشمنی نہیں رکھنی چاہئے، کیونکہ ان سے دشمنی اور حسد وکینہ بہت خطرناک ہے، اس لئے کہ ان کی جانب سے دفاع کرنے کا کام اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ذمے لیا ہے: حدیث قدسی ہے: ’’مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ‘‘ جس نے میرے کسی ولی سے عداوت کی میرا اس سے اعلانِ جنگ

ہے،دوسری حدیث میں ہے:’’اِتَّقِ الْمَحَارِمَ تَکُنْ اَعْبَدَ النَّاسِ‘‘’’تو اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے بچ، ایسا کرنے سے دُوسروں سے بڑھ کر عبادت گزار ہوجائے گا‘‘ غرض ان حضرات کی نظر ان تمام آیات وروایات پر تھی ،جس کی وجہ سے یہ لوگ آپس میں ایک دُوسرے سے اللہ کے لئے محبت بھی کرتے تھے اوراپنے اندرخوف خدا بھی رکھتے تھے۔(تذکرہ حضرت مفتی عبدالقیوم رائے پوری،ص/ 166)

دنیامیں رہتے ہوئے جنت کا مزہ لینے والی شخصیت

حضرت مفتی عبدالقیوم صاحب نوراللہ مرقدہ بہت بڑے ذاکروشاغل انسان تھے،انکی زبان ہروقت ذکرالٰہی سے معمور رہتی تھی، گویااس حدیث پاک پر پوراعمل تھا کہ ہروقت زبان ذکراللہ سے تروتازہ رہے،اگرآں موصوف کے متعلق یوں کہا جائے تو شاید مبالغہ نہ ہوگا کہ وہ اس دارِفانی میں رہتے ہوئے جنت کا مزہ لے رہے تھے،ایک مرتبہ راقم الحروف کا حضرت مولانا مفتی خالدسیف اللہ صاحب قاسمی گنگوہی نقشبندی، محدث وناظم جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ کے ہمراہ خانقاہ رائے پور جانا ہوا،تو حضرت مرحومؒ سے بھی ملاقات ہوئی،تو ہم لوگوں نے جومشاہدہ کیا وہ پیش خدمت ہے: آں موصوف لوگوں کی طرف دیکھ رہے تھے اورزبان ذکرالٰہی میں مشغول تھی،اس طرح کہ زبان نیچے کی جانب سے تالو کے اُوپر لگ رہی تھی،کبھی زور سے اورکبھی ہلکے انداز میں اللہ! اللہ! کہہ رہے تھے،تو اس حالت کو دیکھ کر حضرت مفتی صاحب مدظلہ العالی نے فرمایا کہ’’موصوف دُنیا میں رہتے ہوئے جنت کا مزہ لے رہے ہیں‘‘ واضح رہے کہ خانقاہ رائے پور کا خانقاہ رشیدیہ گنگوہ سے بڑا گہرا تعلق رہا ہے، یہ سلسلہ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیمؒ صاحب رائے پوری سے آں موصوف تک پہنچا، نیز آپؒ کے بعد بھی پہنچتا رہے گا،آپ اورامام ربانی حضرت مولانا رشیداحمد صاحب گنگوہیؒ کے درمیان گویا دوواسطے ہوئے،ایک حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ اور دُوسرے حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری۔(تذکرہ حضرت مفتی عبدالقیوم رائے پوری،ص/ 167)

اہل اللہ کی صحبت سے شیطان کو خوف

اہل اللہ کی صحبت کو کیمیا سمجھنا چاہئے اور کسی نہ کسی راہبر سے اپنی اصلاح کرانی چاہئے، اس لئے کہ اللہ والوں کی صحبت سے شیطان خوف کھاتا ہے اور ان کے کلام کی نرمی وگرمی اور خشیت الٰہی سے اس کے جال میں پھنسنے والوں کا شکنجہ ڈھیلا پڑ جاتا ہے۔

اپنی زندگی کو قرآن وسنت کے احکامات سے سجالو، اور علماء کرام اور مشائخ عظام کی صحبت اختیار کر کے تقویٰ، اخلاص، تزکیہ نفس سے قلوب کی صفائی کو لازم پکڑلو، ہر وقت دل پر اور دل کے حالات پر متوجہ رہو کہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل تو نہیں؟ اگر غافل ہے تو خوابِ غفلت سے بیدار ہوجاؤ، اگر دل ذکر اللہ میں مشغول ہے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں، اے اللہ آپ کا احسان ہے کہ آپ نے ہمارے دل کو اپنے ذکر کی لذت سے آشنا کردیا ہے۔ یہ بات ہمیشہ ملحوظ رہے کہ ہمارا اپنا کردار اور عمل ہی ہماری نجات کا ضامن ہے جب تک اخلاص وللّٰہیت کا پیکر نہ بنو گے، آخرت میں کامیابی محال ہے۔ (ملفوظات حبیب الامت جلد دوم، ص/ 31)

اللہ میرا ہے

ایک بزرگ عجیب وغریب واقعہ لکھا ہے کہ دو بوڑھے آپس میں بیٹھے لڑ رہے تھے۔ ایک بوڑھا طمانچہ اس کو مارتا پھر دوسرا اس کو مارتا، لوگوں نے کہا کہ کیسے بے وقوف ہیں، قریب جا کر دیکھا تو معلوم ہوا یہ تو اللہ کے دیوانے ہیں۔ ان میں سے ایک بولتا ہے کہ اللہ میرا ہے تو دوسرا بولتا ہے کہ نہیں اللہ میرا ہے، ایک کہتا ہے کہ اللہ میرا ہے تو طمانچہ مارتا ہے کہ نہیں اللہ میرا ہے، اللہ اکبر! مال پر لڑائی نہیں دولت پر لڑائی نہیں، کسی اور چیز پر لڑائی نہیں، اللہ میرا ہے، اس پر لڑائی ہو رہی ہے، ہے کوئی مثال ایسی، آج کوئی ہے جو یہ کہہ سکے کہ میں اللہ سے ایسی محبت کرتا ہوں کہ دوسرا کوئی آدمی یہ کہہ دے کہ اللہ میرا ہے تو اس کو طمانچہ مار دے اور غصہ آجائے؟

اللہ تعالیٰ سے محبت کر کے دیکھو

محبت کی حلاوت اور چاشنی وہی محسوس کرسکتا ہے جس کو اللہ سے محبت ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ایک وہ بندہ ہے جس کے اعمال اور جس کی نیکیاں زمین سے لیکر آسمان تک ہوں اور اس میں صدقہ اور خیرات ہر قسم کے ثواب اور نیکیاں جمع ہوں لیکن اس کے مقابلے میں ایک وہ شخص ہے جس کے دل میں رائی کے برابر محبت ہو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اپنی عزت وجلال کی قسم مجھے اس رائی کے دانے کے برابر محبت کرنے والا زیادہ محبوب ہے، اس بندے سے جس کی نیکیاں زمین سے آسمان تک بھری ہوں، شیخ عبد القادر جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے محبت تو کر کے دیکھ، جو بندہ اللہ سے محبت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے صاف فرمادیا جو بندہ میرا ذکر کرتا ہے میں اس کا ذکر کرتا ہوں۔فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ ۔تو مجھے یاد کرتا ہے تو میں تجھے یاد کرتا ہوں اور فرمایا جب بندہ میری طرف چلتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑتا ہوں اور جب دوڑ کر چلتا ہے تو میں اس سے لپٹ جاتا ہوں اور یہاں تک کہ میرا بندہ جب ذکر کرتا ہے تو میں اس کے اندر حلول کر جاتا ہوں پھر وہ بندہ میری ہی زبان سے بولتا ہے میری ہی آنکھوں سے دیکھتا ہے، میرے ہی کانوں سے سنتا ہے، میرے ہی ہاتھوں سے چھوتا ہے، بہر حال اللہ تعالیٰ کی محبت ! ایک ایسی شئی ہے جس سے آپ بھی اللہ رب العزت کے محبوب بن سکتے ہیں۔(ملفوظات حبیب الامت جلد دوم، ص/211)

اتنی کثرت سے ذکر کرو کہ لوگ تم کو دیوانہ کہنے لگیں

ذکر سے بڑھ کر درحقیقت کوئی چیز نہیں جتنی عبادتیں ہیں ان میں اللہ کا ذکر ہی بڑی نعمت ہے۔

دنیا کی ساری ہی چیزیں اللہ کا ذکر کرتی ہیں: يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ۔ آسمان اور زمین کی ساری چیزیں اللہ کی تسبیح پڑھتی ہیں ان کی تسبیح وتحمید اور ذکر اللہ کی کیفیت کو اللہ ہی

بہتر جانتا ہے انسان نہیں سمجھ سکتا ۔ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ۔اور ہر چیز اس کی خوبیاں پڑھتی ہیں ۔لیکن ان کا پڑھنا تم سمجھ نہیں سکتے ۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اتنی ہی قوت فاہمہ عطا کی ہے کہ وہ انسانوں کی بات سمجھ سکے ۔مرغ صبح کو جو آواز لگاتا ،مینڈک جو پانی میں آواز لگاتے ہیں وہ سب درحقیقت اللہ کا ذکر کرتے ہیں ،اور انسانوں کو قلبی سکون اور جسمانی راحت تو اللہ کے ذکر ہی میں مل سکتی ہے ۔مگر افسوس ہے کہ لوگ ذکر اللہ سے دور ہوتے جارہے ہیں اور آج کل لوگوں کا حال یہ ہے کہ ذکر کرنیوالوں پر ہی طعنے کستے رہتے ہیں ۔ جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔''تم اتنی کثرت سے اللہ کا ذکر کرو کہ لوگ تم کو دیوانہ کہنے لگیں۔''

اللہ تعالیٰ بندے کے گمان کے مطابق اس کے ساتھ ہیں

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں ۔ میں اس کے ساتھ ہوں جب وہ میرا ذکر کرتا ہے ۔ اگر وہ اپنے دل میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں بھی تنہائی میں اسے یاد کرتا ہوں ۔ اگر وہ کسی مجمع میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں بھی اس کے مجمع سے بہتر مجمع میں یعنی فرشتوں کی مجلس میں اس کا ذکر کرتا ہوں ۔

انسان کی فطرت میں اللہ کا عشق ہے اس لئے راحت بھی اللہ کے ذکر ہی میں ہے

دنیا کے سلاطین کا حال تو یہ ہے کہ افکار دنیو یہ اس قدر ان کو لاحق رہتے ہیں کہ نیند نہیں آتی تو قصہ گو بلائے جاتے ہیں تاکہ قصہ سن کر نیند آجائے اور اب تو نیند آور گولیاں کھائی جاتی ہیں تاکہ نیند آجائے اور اللہ والوں کا حال یہ ہے کہ ان کا دل اللہ کے ذکر سے اس قدر مطمئن رہتا ہے کہ کسی طرح کا غم اور فکر ہی نہیں اور سوتے وقت بھی انکا دل اللہ کا ذکر کرتا ہے ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ۔اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔ کان کھول کر سن لو اللہ کے ذکر ہی سے دل

مطمئن ہوتے ہیں ۔ راحت وآرام اور آسائش وزیبائش کی ساری ہی چیزیں کیوں نہ اختیار کرلیں مگر دلوں کوسکون اور اطمینا حاصل نہیں ہوسکتا ۔

یہ اہل سلطنت اور صاحب ثروت جن کے پاس آرام وراحت اور آسائش وزیبائش کی ساری چیزیں ہوتی ہیں وہ تو بڑے مزے میں ہوتے ہیں ان کو قلبی اطمینان ہوتا ہے، یادرکھیں یہ ہماری ظاہری آنکھ ان کو دیکھ رہی ہے ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ ان کو حد درجہ افکار لاحق رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو فطرۃً اپنا عاشق بنایا ہے، انسان کے سینے میں ایک گوشت کا ٹکڑا یعنی دل رکھا ہے جس کو آرام وراحت صرف اور صرف عشق حقیقی میں ہوسکتا ہے اور ذکر کی لذت جس آدمی کو مل گئی تو دنیا کی ساری دولتیں اور لذتیں ہیچ معلوم ہونے لگیں بلکہ رات کو حکومت وسلطنت کو خیر باد کہہ کر چلدیئے اور پوری زندگی فقر وفاقہ میں بسر کر کے اللہ اللہ کرتے دنیا سے چلے گئے اور اپنی حقیقی زندگی کو سنوار گئے اللہ ہمیں کثرت سے ذکر اللہ کی توفیق عطا فرمائے ۔ (امت کے روشن چراغ، ص43)

ایک اللہ والے غلام کا کتے پر ایثار

صحابہ تو بہر حال صحابہ تھے، ان کے علاوہ بھی ایسے لوگ گزرے ہیں جنھوں نے بے مثال سخاوت وایثار کا ریکارڈ قائم کر دیا ہے ۔ عبداللہ بن جعفر کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ اپنی ایک زمین کے سلسلے میں ایک مقام پر گیا، وہاں ایک صاحب کے باغ میں بیٹھا تھا، دیکھا کہ ایک کالا غلام وہاں موجود ہے اور کھانا کھا رہا ہے، اس کے پاس تین روٹیاں تھیں، اتنے میں ایک کتا آیا اور اس غلام نے اس کتے کو ایک روٹی ڈال دی، کتا وہ روٹی کھا کر پھر آیا، اس غلام نے ایک اور روٹی اس کو ڈال دی، کتے نے وہ بھی کھالی اور پھر آ کھڑا ہوا، اس غلام نے آخری روٹی بھی اس کو ڈال دی ۔ عبد اللہ بن جعفر کہتے ہیں کہ میں یہ سارا ماجرا ایک طرف بیٹھ کر دیکھ رہا تھا ۔ میں نے اس غلام سے پوچھا

کہ روزانہ تجھے کتنی خوراک ملتی ہے؟ اس نے کہا کہ یہی جو آپ نے دیکھی یعنی تین روٹیاں۔ عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ تو نے تو ساری روٹیاں کتے کو ڈال دیں، اب تو کیا کھائے گا؟ اس نے کہا کہ میں بس بھوکا رہ جاؤں گا۔ میں نے پوچھا کہ ایسا کیوں کیا؟ تو وہ کہنے لگا کہ اصل یہ ہے کہ یہ علاقہ کوئی کتوں کا نہیں ہے، یہ کتا کہیں دور سے بھوکا آیا ہے، میں نے یہ اچھا نہیں سمجھا کہ میں تو کھالوں اور کتا کھڑا دیکھتا رہے۔

اللہ اکبر! یہ حیرت انگیز سخاوت و ایثار ہے، جس کی نظیر ملنی مشکل ہے کہ خود بھوکا رہ کر کتے کو سارا کھانا کھلا دیا، آج لوگ اپنے بھائیوں تک کی طرف نظر نہیں کرتے، سگا بھائی پریشان ہے، خود فضول خرچی کرتے ہیں؛ مگر اپنے بھائی کے کھانے پینے اور دوا دارو کا بھی خیال نہیں کرتے۔ ہمارے اسلاف کے یہ واقعات بتاتے ہیں کہ انھوں نے سخاوت کے ذریعے مال لٹا کر محبت الٰہی کا خزانہ پالیا تھا اور یہ حقیقت ہے کہ اگر ایک شخص کو اللہ کی محبت اپنا مال خرچ کر کے مل جائے، تو اس سے سستا سودا کوئی نہیں۔ (واقعات پڑھیے اور عبرت لیجیے، ص120)

نیک نیتی کا صلہ

اللہ والے ہمارے بغل میں ہی رہتے ہیں؛ مگر ہم اُن کو نہیں پہچانتے، ہمارے ساتھ ہوتے ہیں، ہم نہیں جانتے، آپ نے سنا ہوگا کہ ہندوستان کے مغل بادشاہ شاہ جہاں کا جب آخری وقت آیا، تو اُن کی اولاد میں حکومت وسلطنت کے بارے میں اختلاف ہوا، ان کی اولاد میں ایک تو دارا شکوہ تھا، دوسرے اورنگ زیب تھے، دونوں حکومت چاہتے تھے، اورنگ زیب نیک انسان تھے، وہ حکومت سے دین کو تقویت دینا چاہتے تھے اور دارا شکوہ غلط کار صوفیوں میں رہنے کی وجہ سے آزاد منش ہو گیا تھا، ایک مرتبہ دہلی میں ایک بزرگ آئے اور ان کی شہرت ہوئی کہ ایک مستجاب الدعوات بزرگ تشریف لائے ہیں، ان سے حکومت کے لیے دعا کروانے پہلے دارہ شکوہ گئے اور ان بزرگ

صاحب سے ملاقات کی، اُنھوں نے شہزادے کا استقبال کیا اور کہا کہ میری گدّی پر بیٹھ جاؤ؛ مگر دارہ شکوہ نے بہ راہِ ادب انکار کردیا اور ان کے سامنے بیٹھ گیا اور باتیں ہوتی رہیں، پھر رخصت کے وقت دارہ شکوہ نے کہا کہ حضرت! دعا کیجیے کہ میرے باپ کی حکومت مجھے مل جائے، وہ بزرگ کہنے لگے کہ ہم نے تو اپنی گدّی پر بٹھا کر آپ کو حکومت دینی چاہی مگر آپ نے انکار کردیا، اب حکومت نہیں ملے گی، وہ افسوس کرتے ہوئے واپس ہوگئے، کچھ دیر بعد اورنگ زیب بھی ان سے دعا کرانے حاضر ہوئے، بزرگ صاحب نے اُن کو بھی گدی پر بیٹھنے کا حکم فرمایا، پہلے تو اورنگ زیب نے بھی بہ راہِ ادب انکار کیا، پھر جب ان بزرگ نے حکم دیا تو ان کی گدی پر یہ کہتے ہوئے بیٹھ گئے کہ ''الأَمْرُ فَوْقَ الأَدَبِ'' پھر اورنگ زیب بھی مختلف امور پر گفتگو فرماتے رہے، پھر آخر میں عرض کیا کہ حضرت! دعا کیجیے کہ میرے باپ کا تخت وتاج مجھے مل جائے، انھوں نے کہا کہ تخت پر تو ہم نے اللہ کے حکم سے آپ کو بٹھادیا؛ مگر تاج مَیں نہیں دے سکتا، بلکہ آپ کا غلام جو آپ کو روزانہ وضو کراتا ہے، وہ اگر آپ کے سر پر عمامہ رکھ دے، تو تاج بھی مل جائے گا، اورنگ زیب نے تعجب سے کہا: میرا غلام جو میری جوتیاں سیدھی کرتا ہے! کیا وہ اتنا بڑا اللہ والا ہے؟! گھر گئے اور وضو کے بعد غلام کو حکم دیا کہ عمامہ پہنا دو، غلام نے کہا: حضور! میں آپ کے سر پر کیسے رکھ سکتا ہوں؟! گستاخی ہوگی، اورنگ زیب نے کہا: میرا حکم ہے رکھ دو، اُس نے رکھ تو دیا؛ مگر سمجھ گیا کہ میرا راز فاش ہوگیا ہے، اُس کے بعد وہ وہاں سے غائب ہوگیا، دیکھیے! جسے غلام اور نوکر سمجھا جاتا رہا، اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا کتنا بڑا مقام تھا؛ لہٰذا آج بھی اللہ والے موجود ہیں؛ مگر پہچاننے والی آنکھ چاہیے۔ (فیضان معرفت جلد اول، ص/160)

اہل اللہ کو پہچاننے کا طریقہ

آج لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک کرامت کا ظہور نہ ہو، وہ اللہ والا نہیں ہوسکتا، اصل چیز دیکھنے کی یہ ہے کہ وہ سنتوں کا کتنا پابند ہے؟ اللہ سے کتنا ڈرتا ہے؟ اگرچہ کرامت ظاہر نہ ہو، اُس کی

شہرت نہ ہو، ایک واقعہ لکھا ہے کہ کسی بزرگ کو معلوم ہوا کہ ان کے شہر میں ایک بزرگ آئے ہوئے ہیں، وہ بزرگ ملاقات وزیارت کے لیے تشریف لے گئے، جا کر دیکھا تو وہ مہمان بزرگ وضو کر رہے تھے، کچھ دیر وہ کھڑے ہو کر ان کا وضو دیکھتے رہے، پھر واپس آ گئے، ملاقات نہیں کی، شاگردوں نے پوچھا کہ حضرت! آپ ان بزرگ سے ملنے گئے تھے؛ مگر ملاقات کیے بغیر واپس آ گئے، کیا بات ہے؟ فرمایا: میں اُن کے وضو کے طریقے کو دیکھ رہا تھا، جو سنت کے خلاف تھا، جسے وضو کی سنتیں ہی معلوم نہ ہوں، وہ اللہ والا کیسے ہو سکتا ہے؟

اگر ہدایت نہ پانا چاہے؟

کوئی ہدایت نہ پانا چاہے تو نبی کا معجزہ بھی کام نہ آئے گا، جیسا کہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے ''مثنوی'' میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ابوجہل، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہا کہ میرے ہاتھ میں کیا ہے؟ اگر آپ بتادیں گے تو میں ایمان لے آؤں گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میں بتاؤں کہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ تیرے ہاتھ کی چیز خود بتادے کہ میں کون ہوں، اس کے بعد فرمایا کہ اپنے ہاتھ کو اپنے کان کے قریب لے جاؤ، وہ جب اپنے کانوں کے قریب لے گیا، تو ہاتھ کی کنکریوں سے آواز آرہی تھی ''لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' لیکن اس پر بھی اسے ہدایت نہیں ملی، اس نے ہاتھ کی کنکریوں کو پھینک دیا اور کہنے لگا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا جادو انسانوں ہی پر نہیں، کنکریوں پر بھی چلتا ہے۔

دیکھیے! ابوجہل ہدایت پانا نہیں چاہتا تھا، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ بھی اس کے کام نہ آیا۔

ایمان کی ٹھنڈک کیسے حاصل ہو؟

حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ جدہ میں کہیں جانے کے لیے ایک مرتبہ

کار میں بیٹھے، خوب گرمی تھی اور لو چل رہی تھی، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اے، سی چلادو، اے، سی (AC) چلا دیا گیا؛ لیکن کار میں ٹھنڈک نہیں آئی، تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کیا وجہ ہے؟ تمھارا ایر کنڈیشنیر کچھ ناقص ہے؟ ٹھنڈک کیوں نہیں آ رہی ہے؟ تو ڈرائیور نے کہا کہ شاید کار کا کوئی شیشہ کھلا ہوا ہے، جس سے باہر کی گرمی اندر آ رہی ہے، دیکھا تو ایک طرف کا شیشہ کھلا ہوا تھا، جلدی سے شیشہ بند کر دیا گیا اور تھوڑی ہی دیر میں پوری کار ٹھنڈی ہوگئی، گرمی اور لو سے حفاظت ہوگئی، اس پر حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب بات فرمائی، جو قابل وجد ہے، فرمایا کہ اے، سی چالو ہونے کے باوجود کار میں ٹھنڈک اس لیے نہیں آئی کہ اس کا ایک شیشہ ذرا سا کھلا ہوا تھا، اسی طرح اگر آنکھ کان، زبان وغیرہ کا شیشہ کھلا ہوا ہو، تو دل میں ایمان کی ٹھنڈک داخل نہیں ہوسکتی؛ اس لیے اگر ایمان کی ٹھنڈک چاہتے ہو، تو آنکھ کان وغیرہ پر پابندی لگانا ہوگا اور ان کو بند رکھنا ہوگا۔ (فیضان معرفت جلد اول، ص/162)

مسیح الامت رحمۃ اللہ علیہ کا تعلیمی دور

ہمارے حضرت مسیح الامت مولانا شاہ مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ دار العلوم دیوبند میں میرے ساتھ کمرے میں دو ساتھی اور تھے اور ایک ہی کمرے میں رہتے تھے اور دو سال تک ہم سب ایک ہی کمرے میں تھے، مگر میں نے کبھی بھی ان سے مل کر بات چیت اور غپ شپ نہیں کی؛ حتی کہ مجھے اس طویل عرصے میں ان کا نام تک معلوم کرنے کا موقعہ نہیں ملا اور فرمایا کرتے تھے کہ میں اس دور میں درس گاہ، حجرہ اور مسجد کے علاوہ کسی جگہ نہیں گیا، حتی کہ دفتر بھی نہیں گیا۔

بھائیو! سنا آپ نے کہ کس قدر عقل کو حیران کرنے والا واقعہ ہے کہ دو سال ایک ہی کمرے میں رہتے ہوئے گزر گئے، مگر حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے کمرے کے ساتھیوں کا نام تک معلوم

نہ ہوسکا، ان سے بات چیت اور ایران توران کی گفتگو تو دور کی بات ہے، بس حضرت کا معمول یہ تھا کہ کمرے سے نکلے، تو درسگاہ پہنچے، پھر درسگاہ سے کمرہ پہنچ گئے اور مطالعہ شروع کردیا اور اسباق کی فکر میں لگ گئے اور جب نماز کا وقت ہوا تو مسجد چلے گئے، کسی سے بات چیت نہیں۔ یہ در حقیقت طالبِ علم کے طالبِ علم ہونے کی شان ہے، تب جاکر علم اپنا تھوڑا سا حصہ دیتا ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ آپ سے اللہ نے دنیا میں ایک بڑا فیض کا سلسلہ جاری فرمادیا اور آپ کے خوشہ چینوں میں ہزاروں علما وصوفیا آج بھی علم کا دریا بہارہے ہیں۔

زبان تو ذکر کے لئے ہے

ایک بزرگ نے بڑی عبرت خیز بات فرمائی ہے کہ جب بچہ رحم مادر میں ہوتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کی پرورش کرتے ہیں، اسے رزق پہنچاتے ہیں، کس طرح؟ اس طرح کہ عورت کو جو ماہانہ خون آتا ہے، اسی خون کو اللہ تعالیٰ اس کی غذا بنادیتے ہیں؛ لیکن بچے کو یہ رزق اس کے منہ کے ذریعے نہیں؛ بلکہ اس کی ناف سے دیا جاتا ہے، سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا ایسا انتظام کیوں کیا ہے؟ جب کہ اس کے پاس منہ بھی ہوتا ہے؛ مگر منہ کے بجائے ناف سے کیوں اس کو غذا پہنچائی جاتی ہے؟

ان بزرگ نے فرمایا کہ بچے کو ناف کے ذریعہ رزق پہنچانا اور زبان سے نہ پہنچانا، اس میں یہ حکمت رکھی ہے کہ بچے کو جو غذا وہاں دی جاتی ہے، وہ دراصل وہ خون ہے جو عورت کو ماہوار نکلتا ہے، اب رحم میں بچہ آنے کے بعد اللہ تعالیٰ اسی خون کو اپنی قدرتِ کاملہ سے اس کی غذا بنادیتے ہیں اور یہ سب کو معلوم ہے کہ خون ناپاک اور گندہ ہوتا ہے، اگر اس کو وہ خون منہ سے دیا جاتا، تو زبان ناپاک اور گندی ہوجاتی اور زبان کو اللہ نے اپنے ذکر کے لیے بنایا ہے، تو پہلے ہی سے اللہ نے اس کی اس طرح حفاظت فرمائی کہ اس کو رحم مادر میں بھی ناپاک خون سے محفوظ رکھا۔

اس وجہ سے جس زبان سے اللہ کا ذکر ہو، اللہ کا نام لیا جاتا ہو وہ زبان گندی نہ ہوجائے، وہ فرماتے

ہیں کہ اس لیے اللہ نے اس کے رزق کا انتظام زبان کے بجائے دوسری جگہ یعنی ناف سے کیا۔

میں کہتا ہوں کہ اب ذرا غور کیجیے کہ آج زبان کو کتنا گندہ کیا جاتا ہے؟ ایک طرف اس سے گالیاں دی جاتی ہے اور دوسری طرف اسی زبان سے قرآن پڑھا جاتا ہے، ایک طرف اس سے چغلی کھائی جاتی ہے اور دوسری جانب اسی سے حدیثِ پاک پڑھی جاتی ہے، ایک طرف اس سے غیبتیں کی جاتی ہیں پھر اسی زبان سے اللہ کو یاد کیا جاتا ہے، یہ کتنی بے ادبی کی بات ہے، اللہ تعالیٰ نے تو رحمِ مادر میں بھی ہماری زبان کی ناپاک خون سے حفاظت کی اور ہم یہاں آ کر اس کو ہر طرح کی گندگی سے آلودہ کر لیتے ہیں۔

ایک بزرگ نے فرمایا کہ اگر میں سو بار بھی اپنی زبان کو مشک وعنبر سے دھوؤں، تب بھی اس زبان سے اللہ کا نام لینا کمالِ بے ادبی ہے، دیکھا بھائی! اللہ کے نام کا کتنا احترام ہے ان کے نزدیک؟!! اور ایک ہم ہیں کہ اپنی زبانوں کو گندہ کرتے رہتے ہیں، پھر اسی زبان سے اللہ کا نام بھی لیتے ہیں، کیا اللہ کا نام اتنا آسان ہے کہ ہم اپنی گندی زبان سے اس کو لیں؟ اللہ جیسا پاکیزہ نام، اور یہ بے ادبی!! جب ادنیٰ سے ادنیٰ کا نام احترام سے لیا جاتا ہے تو پھر اللہ کے نام کا کتنا اور کیسا احترام ہونا چاہیے تھا؟۔

سالک کا کام کیا ہونا چاہیے؟

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ راہِ سلوک کے مسافر کو تین کاموں میں سے ایک کام ضرور کرنا چاہیے: پہلا اور سب سے اہم کام یہ کہ اخلاقِ رذیلہ کو یکسر اپنے قلب سے اُکھاڑ پھینکے، جس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ نے درِ خیبر کو اُکھاڑ کر پھینک دیا تھا، جس سے خیبر کا زبردست قلعہ فتح ہو گیا تھا، اسی طرح باطنی فتوحات کے لیے ضروری ہے کہ رذائل اخلاق کو دل سے بہ یک وقت ختم کر کے رکھ دے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ باطنی

فتوحات کے لیے قلب کا اخلاقِ رذیلہ سے پاک کرنا ضروری ہے۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی سالک پست ہمتی کی وجہ سے یہ کام نہ کر سکے، تو دوسرا کام سالک کا یہ ہے کہ وہ رذائل کو ختم کرنے کی کوشش میں لگ جائے، یہ کوشش میں لگنا ہی فتوحاتِ باطنیہ قرار پائے گا۔ جیسے خیبر کے موقعے پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ و عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کیا کہ ان کے ہاتھ سے درِ خیبر اُکھڑ نہ سکا؛ مگر وہ برابر اس کے اُکھاڑنے کی کوشش میں تھے اور اسی لیے ان کو شریکِ جہاد مانا گیا اسی طرح جو رذائل اخلاق کے اُکھاڑنے اور ان کو ختم کرنے میں کوشاں ہوگا، وہ باطنی جہاد میں شامل اور فتح میں شریک قرار دیا جائے گا، یہاں مراد جہادِ اکبر ہے۔ جیسے غزوہ، جہادِ اصغر ہے۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو سالک اتنا کمزور وضعیف ہو اور پست ہمت ہو کہ یہ کام بھی نہ کر سکے، تو ایسے سالک کے لیے ایک تیسرا کام ہے، مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے ضعیف و پست ہمت سالکین کے لیے یہ کام تجویز فرما کر ان کو بھی جہاد میں حصہ دار بنا دیا، وہ یہ کہ کسی کامل کی صحبت و خدمت میں رہنے کی زحمت گوارا کرے، مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو عجیب تمثیل سے واضح کیا ہے کہ جیسے کانٹا کہ اس کو اگر الگ نہ کیا جا سکتا ہو، تو اس کو پھولوں کے ساتھ ملائے رکھتے ہیں اور یہ کانٹا بھی محبوب ہو جاتا ہے اور جب پھول چننے والے اور پھول کو آنکھوں اور دل سے لگانے والے، پھول چنتے اور لیتے ہیں، تو اس کانٹے کو بھی لیتے ہیں اور آنکھوں اور دل سے لگاتے ہیں۔ فرمایا کہ اسی طرح جو سالک اپنے رذائل کو ختم نہ کر سکے اور نہ اس کی کوشش ہی کر سکے تو کم از کم کسی کامل و محبوب کی صحبت و خدمت میں رہ جائے، جس سے اتنا فائدہ تو ہوگا کہ محبوب کے ساتھ یہ بھی محبوب ہو جائے گا، اگر چہ کہ مراتب میں فرق و تفاوت ہوگا اور ہونا بھی چاہیے، تاہم یہ بھی فائدۂ عظیمہ ہے۔

جیسی زندگی ویسی موت

فرمایا کہ اللہ کا قانون یہی ہے کہ جیسی زندگی ہوتی ہے، ویسی ہی موت آتی ہے؛ اسی لیے ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ ڈرنا چاہیے اور ہرگز نہ مرو؛ مگر مسلمان ہوکر۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ مرنے کی حالت تو ہمارے اختیار میں نہیں ہے، پھر کیوں کر اسلام کی حالت میں مرنے کا حکم دیا جا رہا ہے؟ مفسرین نے اس کا جواب دیا ہے کہ اسلام پر مرنا تو ہمارے اختیار میں نہیں ہے؛ مگر اسلام پر جینا تو ہمارے اختیار میں ہے، جو اسلام پر جیتا رہے گا، وہ اسلام پر مرے گا، جو ذکر پر جیے گا، وہ ذکر پر مرے گا، جو دنیا پر جیے گا، وہ دنیا پر ہی مرے گا۔

حضرت مسیح الامت رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کا واقعہ

حضرت مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حضرت مسیح الامت شاہ مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کا عجیب واقعہ ہے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے ایک ماہ پہلے بندہ ملاقات واستفادے کے لیے گیا تھا اور کچھ ایام حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں گزار کر آیا تھا، اس وقت حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو نہایت ہی ضعف ونقاہت تھی، مصافحے کے لیے ہاتھ اُٹھانے کی بھی طاقت نہیں تھی، میرے واپس آنے کے پندرہ دن بعد حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوگیا، ہوا یہ کہ جس رات حضرت والا کا انتقال ہوا، اُس وقت وہاں میرے ساتھی مولانا عنایت اللہ لندنی موجود تھے، وہی حضرت کے خادم بھی تھے، مجھے اُن کی یہ روایت پہنچی کہ رات وہ سو چکے تھے، حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ بھی سو چکے تھے، وہ فرماتے ہیں کہ رات میں مجھے اچانک محسوس ہوا کہ ذکر کی آواز آرہی

ہے، اُٹھ کر دیکھا تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ خود بہ خود اٹھ کر بیٹھے ہیں، ذکر بالجہر میں مشغول ہیں، جب کہ ہاتھ اُٹھانا بھی مشکل تھا، خود اُٹھ کر بیٹھنا تو خارج از سوال تھا، یہ حضرات پریشان ہو کر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو پکارنے لگے اور اپنی طرف توجہ دلانے کی کوشش کی؛ مگر متوجہ نہ ہوئے، گویا اِدھر کا خیال ہی نہیں تھا، تقریباً ایک گھنٹہ اسی طرح ذکر جاری رہا اور اسی حالت میں ذکر کرتے کرتے ہی وصال ہو گیا۔

جیسی زندگی ہوتی ہے ویسی ہی موت آتی ہے، جس کی اللہ کی یاد میں زندگی گزرتی ہے، اس کی موت بھی اسی کی یاد میں آتی ہے، یہ اللہ والے ہمیشہ اللہ کی یاد میں ہوتے ہیں، تو موت بھی اللہ ہی کی یاد میں آتی ہے۔

ایک بزرگ کی موت کا واقعہ

حضرت اقدس مولانا شاہ ابرارالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خلیفہ قادر معظم صاحب رحمۃ اللہ علیہ، جو ''فیض العلوم، حیدرآباد'' میں مدرس تھے، ان کی موت کا واقعہ عجیب ہے، وہ یہ کہ ایک مرتبہ ان کے علاقے کے حالات خراب تھے، کرفیو تھا، دو چار دن بعد کرفیو میں ڈھیل دی گئی، تو قادر معظم صاحب رحمۃ اللہ علیہ طلبہ کو دیکھنے مدرسہ جا رہے تھے، درمیان میں کچھ غنڈوں نے گھیر لیا اور قتل کرنے کے درپے ہو گئے، تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فوراً رومال بچھا کر نماز پڑھنا شروع کر دیا، جب سجدے میں گئے تو دشمنوں نے قتل کر دیا اور روح قبض ہو گئی۔

دیکھیے! موت کے وقت اللہ کی یاد آ جانا دلیل ہے کہ زندگی بھی اللہ کی یاد میں گزری ہے، اگر اللہ کی یاد میں زندگی نہ گزاری ہوتی، تو موت بھی اللہ کی یاد میں نہ آتی۔

آخرت کے عمل میں نیت کی کمزوری

آج ہم لوگ آخرت کے اعمال تو بجا لا رہے ہیں؛ مگر عمل میں نیت کی کمزوری ہے یعنی

اخلاص کا فقدان ہے، جس کی وجہ سے سارے اعمال ضائع ہو رہے ہیں، ایک بزرگ تھے، وہ تکبیر اُولیٰ کا بڑا اہتمام کرتے تھے، ایک مرتبہ ان کی ایک رکعت چھوٹ گئی، تو وہ امام کے سلام کے بعد اپنی نماز پڑھ رہے تھے، سارے لوگ ان کو دیکھنے لگے کہ ان کی آج ایک رکعت چھوٹ گئی، تو لوگوں کے دیکھنے کی وجہ سے ان کو شرم آئی، پھر وہ بزرگ ساری زندگی کی نمازیں دھرانے لگے، پوچھا گیا، تو فرمایا کہ لوگوں کے دیکھنے سے مجھے شرم آئی، معلوم ہوا کہ میری توجہ خالق کی طرف نہیں؛ بل کہ مخلوق کی طرف ہے، تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں نے اب تک بھی جو نمازیں پڑھی ہیں، وہ مخلوق کے لیے پڑھی ہیں، اللہ کے لیے نہیں پڑھی؛ اس لیے ساری نمازیں دھرا رہا ہوں۔

غور کیجیے کہ یہ بزرگ تیس سال کی نمازیں دھرا رہے ہیں، یہ سمجھ کر کہ میری نیت میں کمزوری ہے، اس طرح کبھی نیت میں فتور پیدا ہو جاتا ہے؛ اس لیے اپنی نیتوں کو خالص بنانے کی فکر کرنا چاہیے؛ ورنہ سب کچھ کیا کرایا پانی میں چلا جاتا ہے۔

کسی اللہ والے سے نام رکھوانا مستحب ہے

بچوں کے نام کسی اچھے عالم اور اللہ والے انسان سے رکھوانا چاہئے تاکہ اس کے باطنی اثرات ان بچوں میں منتقل ہوں۔ اس عمل کو علماء نے مستحب قرار دیا ہے اور صحابہ کرام کا بھی یہی معمول تھا چنانچہ کتب حدیث میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ عمل منقول ہے کہ ان کے گھر جب کوئی بچہ پیدا ہوتا تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس بچہ کو لے کر حاضر ہوتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس بچہ کی تحنیک کرتے اور کوئی نام رکھتے۔ مسلم شریف جلد دوم میں اس قسم کے کئی واقعات ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے۔

عَنْ أَبِيْ مُوْسٰی رضی اللہ عنہ قَالَ وُلِدَ لِيْ غُلَامٌ فَأَتَيْتُ بِهِ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فَسَمَّاهُ إِبْرَاهِيْمَ وَحَنَّكَهُ بِتَمْرَةٍ۔

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میرے گھر میں ایک بچہ پیدا ہوا تو میں اسے لیکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام ابراہیم رکھا اور اس کی تحنیک کی۔ (دیکھئے: مسلم: ۲/ ۲۰۸)

ولی اللہ بنانے والے چار اعمال

شیخ العرب والعجم عارف باللہ حضرتِ اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحبؒ نے فرمایا: چار اعمال ایسے ہیں کہ جو ان پر عمل کرے گا مرنے سے پہلے ان شاء اللہ تعالیٰ ولی اللہ بن کر دنیا سے جائے گا۔ نفس پر جبر کر کے اللہ کو خوش کرنے کے لیے جو مندرجہ ذیل اعمال کرے گا اس کو پورے دین پر عمل کرنا آسان ہو جائے گا اور وہ اللہ کا ولی ہو جائے گا۔

(۱) ایک مٹھی داڑھی رکھنا۔

بخاری شریف کی حدیث ہے: خَالِفُوا الْمُشْرِكِيْنَ وَفِّرُوا اللُّحٰى وَاحْفُوا الشَّوَارِبَ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ اِذَا حَجَّ اَوِ اعْتَمَرَ قَبَضَ عَلٰى لِحْيَتِهٖ فَمَا فَضَلَ اَخَذَهٗ۔

ترجمہ: مشرکین کی مخالفت کرو داڑھیوں کو بڑھاؤ اور مونچھوں کو کٹاؤ اور حضرت ابنِ عمر جب حج یا عمرہ کرتے تھے تو اپنی داڑھی کو اپنی مٹھی میں پکڑ لیتے تھے پس جو مٹھی سے زائد ہوتی تھی اس کو کاٹ دیتے تھے۔

بخاری شریف کی دوسری حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنْهَكُوا الشَّوَارِبَ وَاعْفُوا اللُّحٰى۔

ترجمہ: مونچھوں کو خوب باریک کتراؤ اور داڑھیوں کو بڑھاؤ۔

پس ایک مٹھی داڑھی رکھنا واجب ہے۔ جس طرح وتر کی نماز واجب ہے، عید الفطر کی نماز واجب ہے، بقرعید کی نماز واجب ہے اسی طرح ایک مٹھی داڑھی رکھنا واجب ہے اور چاروں اماموں کا اس پر اجماع ہے، کسی امام کا اس میں اختلاف نہیں۔ علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں۔

اَمَّا اَخْذُ اللِّحْیَۃِ وَھِیَ مَادُوْنَ الْقَبْضَۃِ کَمَا یَفْعَلُہٗ بَعْضُ الْمَغَارِبَۃِ وَمُخَنَّثَۃُ الرِّجَالِ فَلَمْ یُبِحْہُ اَحَدٌ۔

ترجمہ: داڑھی کا کترانا جبکہ وہ ایک مٹھی سے کم ہو جیسا کہ بعض اہلِ مغرب اور ہیجڑے لوگ کرتے ہیں کسی کے نزدیک جائز نہیں۔

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بہشتی زیور جلد ۱۱، صفحہ ۱۱۵ پر تحریر فرماتے ہیں کہ داڑھی کا منڈانا یا ایک مٹھی سے کم پر کترانا دونوں حرام ہیں اور داڑھی داڑھ سے ہے اس لیے ٹھوڑی کے نیچے سے بھی ایک مٹھی ہونی چاہیے اور چہرے کے دائیں اور بائیں طرف سے بھی ایک مٹھی ہونی چاہیے یعنی تینوں طرف سے ایک مٹھی داڑھی رکھنا واجب ہے۔ بعض لوگ سامنے یعنی ٹھوڑی کے نیچے سے تو ایک مٹھی رکھ لیتے ہیں لیکن چہرے کے دائیں اور بائیں طرف سے کترا دیتے ہیں خوب سمجھ لیں کہ داڑھی تینوں طرف سے ایک مٹھی رکھنا واجب ہے اگر ایک طرف سے بھی ایک مٹھی سے چاول برابر کم یعنی ذرا سی بھی کم ہو گی تو ایسا کرنا حرام اور گناہِ کبیرہ ہے۔

پاجامہ، شلوار، لنگی، جبہ اور اوپر سے آنے والے ہر لباس سے ٹخنوں کو ڈھانپنا مردوں کے لیے حرام اور کبیرہ گناہ ہے۔ بخاری شریف کی حدیث ہے: مَا اَسْفَلَ مِنَ الْکَعْبَیْنِ مِنَ الْاِزَارِ فِی النَّارِ۔

ترجمہ: ازار (پاجامہ، لنگی، شلوار، کرتہ، عمامہ، چادر وغیرہ) سے ٹخنوں کا جو حصہ چھپے گا دوزخ میں جائے گا۔

معلوم ہوا کہ مردوں کے لیے ٹخنے چھپانا کبیرہ گناہ ہے کیوں کہ صغیرہ گناہ پر دوزخ کی وعید نہیں آتی۔

(۳) نگاہوں کی حفاظت کرنا۔

اس معاملے میں آج کل عام غفلت ہے۔ بدنظری کو لوگ گناہ ہی نہیں سمجھتے حالاں کہ نگاہوں کی حفاظت کا حکم اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں دیا ہے: قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِھِمْ۔

ترجمہ: اے نبی! آپ ایمان والوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی بعض نگاہوں کی حفاظت کریں۔

یعنی نامحرم لڑکیوں اور عورتوں کو نہ دیکھیں۔ اسی طرح بے داڑھی مونچھ والے لڑکوں کو نہ دیکھیں یا اگر داڑھی مونچھ آبھی گئی ہے لیکن ان کی طرف میلان ہوتا ہے تو ان کی طرف بھی دیکھنا حرام ہے۔ غرض اس کا معیار یہ ہے کہ جن شکلوں کی طرف دیکھنے سے نفس کو حرام مزہ آئے ایسی شکلوں کی طرف دیکھنا حرام ہے۔ حفاظتِ نظر اتنی اہم چیز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں عورتوں کو الگ حکم دیا: يَغۡضُضۡنَ مِنۡ اَبۡصَارِهِنَّ ۔ اپنی نگاہوں کی حفاظت کریں، جبکہ نماز روزہ اور دوسرے احکام میں عورتوں کو الگ سے حکم نہیں دیا گیا بلکہ مردوں کو حکم دیا گیا اور عورتیں تابع ہونے کی حیثیت سے ان احکام میں شامل ہیں۔

اور بخاری شریف کی حدیث ہے: زِنَا الۡعَيۡنِ النَّظَرُ ۔

ترجمہ: آنکھوں کا زنا ہے نظر بازی۔

نظر باز اور زناکار اللہ کی ولایت کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتا جب تک کہ اس فعل سے سچی توبہ نہ کرے۔ اور مشکوٰۃ شریف کی حدیث ہے: لَعَنَ اللهُ النَّاظِرَ وَالۡمَنۡظُوۡرَ اِلَيۡهِ ۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ لعنت فرمائے بدنظری کرنے والے پر اور جو خود کو بدنظری کے لیے پیش کرے۔

پس ناظر اور منظور دونوں پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی بددُعا فرمائی ہے۔ بزرگوں کی بددعا سے ڈرنے والے سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا سے ڈریں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کے صدقے ہی میں بزرگی ملتی ہے۔ لہٰذا اگر کسی حسین پر نظر پڑ جائے تو فوراً ہٹا لو ایک لمحہ کو اس پر نہ رُکنے دو۔ پس قرآنِ پاک کی مندرجہ بالا آیاتِ مبارکہ اور احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں بدنظری کرنے والے کو تین بُرے القاب ملتے ہیں۔

(۱) اللہ و رسول کا نافرمان۔

(۲) آنکھوں کا زناکار

(۳) ملعون۔

(۴) قلب کی حفاظت کرنا۔

نظر کی حفاظت کے ساتھ دل کی بھی حفاظت ضروری ہے۔ بعض لوگ نگاہِ چشمی کی تو حفاظت کر لیتے ہیں لیکن نگاہِ قلبی کی حفاظت نہیں کرتے یعنی آنکھوں کی تو حفاظت کر لیتے ہیں لیکن دل کی نگاہ کی حفاظت نہیں کرتے اور دل میں حسین شکلوں کا خیال لا کر حرام مزہ لیتے ہیں خوب سمجھ لیں کہ یہ بھی حرام ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: يَعۡلَمُ خَآئِنَةَ الۡاَعۡيُنِ وَمَا تُخۡفِي الصُّدُوۡرُ۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمہاری آنکھوں کی چوری کو اور تمہارے دلوں کے رازوں کو خوب جانتا ہے۔

ماضی کے گناہوں کے خیالات کا آنا بُرا نہیں لانا بُرا ہے۔ اگر گندا خیال آجائے تو اس پر کوئی مؤاخذہ نہیں لیکن خیال آنے کے بعد اس میں مشغول ہو جانا یا پرانے گناہوں کو یاد کر کے اس سے مزہ لینا یا آیندہ گناہوں کی اسکیمیں بنانا یا حسینوں کا خیال دل میں لانا یہ سب حرام ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہے۔ اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائیں اور ان حرام کاموں سے بچائیں جس کی برکت سے ان شاء اللہ تعالیٰ تمام گناہوں سے بچنا آسان ہو جائے گا۔

خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون کا اصول اور طریقہ کار

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی دامت برکاتہم ارشاد فرماتے ہیں کہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہٗ کی خانقاہ میں اور مدرسہ میں یہ طریقہ تھا کہ استادوں کیلئے گھنٹے مقرر تھے کہ فلاں وقت میں وہ استاد آئے گا اور فلاں کتاب پڑھائے گا اور مدرسہ کی طرف سے کوئی قانون اور ضابطہ مقرر نہیں تھا، مگر ہر شخص کا مزاج بنا دیا گیا تھا۔ اسلئے جب کوئی استاد تاخیر سے آتا تو وہ رجسٹر پر نوٹ لکھ دیتا کہ آج میں اتنی تاخیر سے آیا اور اگر مدرسہ کے اوقات کے درمیان کوئی

دوست یا کوئی عزیز رشتہ دار ملاقات کیلئے آ گیا اور اس کے ساتھ بات چیت میں مشغول ہو گئے تو اس وقت گھڑی دیکھ کر استاد وقت نوٹ کر لیتا کہ یہ دوست اس وقت آیا اور اس وقت گیا اور آدھا گھنٹہ دوست کے ساتھ بات چیت میں صرف ہو گیا اور جب تنخواہ وصول کرنے کا وقت آتا تو وہ پورے مہینے کا گوشوارہ پیش کرتا اور ایک درخواست پیش کرتا کہ ہم سے اس ماہ میں یہ کوتاہی ہوئی ہے اور ہم نے اتنا وقت اپنی ذاتی مصروفیات میں خرچ کر دیا تھا، لہٰذا اتنے وقت کی تنخواہ ہماری کاٹ لی جائے۔ اس طرح ہر استاد مہینے کے ختم پر درخواست دے کر اپنی تنخواہ کٹواتا تھا۔ (اسرار طریقت، ص/193)

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کا اہتمام نماز

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھا ہے: صلاح الدین پسر کریم الدین ونصیر الدین غزلخواں نے یہ بیت شروع کر دی۔

کشتگان خنجر تسلیم را ہر زماں از غیب جانے دیگر است۔

یعنی خنجر تسلیم ورضا کے قتل کئے ہوؤں کو ہر وقت ایک دوسرے قسم کی جان غیب سے ملتی رہتی ہے۔

اس بیت کے سنتے ہی آپ پر ایسی حالت طاری ہوئی کہ دس گز زمین سے اچھلنے لگے۔ تین روز تک یہی حالت رہی۔ سوائے نماز کے اور کسی وقت ہوش نہ ہوتا۔ جب نماز پڑھ لیتے پھر وجد کرنے لگتے۔

ارشادات حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ

تھانہ بھون میں ایک شیعی تھانہ دار تھے ان کا ایک لڑکا تھا وہ درویشوں کا بہت معتقد تھا وہ کہتا تھا کہ میں ایک روز چاندنی چوک میں جارہا تھا کہ ایک مجذوب پر نظر پڑی جو برہنہ سر اور برہنہ پا تھے میں نے ان کو دیکھتے ہی دل میں یہ ارادہ کیا کہ بازار سے خرید کے ان کو جوتا اور ٹوپی پہناؤں گا۔ یہ خیال آنا تھا کہ ان مجذوب نے بہت ڈانٹ کر یہ شعر پڑھا ؎

پا برہنہ نیستم دارم کلاہ چار ترک
ترکِ دنیا ترکِ عقبیٰ ترکِ مولیٰ ترک ترک

''اس شعر کی تاویل اہل طریق جانتے ہیں'' پھر اس شیعی لڑکے نے تھانہ بھون کے لئے دعا کرائی۔ کہتا تھا (خدا جانے سچ یا جھوٹ) کہ اس مجذوب نے کہا کہ تھانہ بھون کے لئے کراتا ہے ارے وہ قصبہ تو اس قابل ہے کہ غرق کر دیا جائے مگر دو شخصوں کی وجہ سے بچا ہوا ہے ایک مردہ کی وجہ سے اور ایک زندہ کی وجہ سے۔ مردہ تو شاہ ولایت صاحب کو بتایا کہ وہ قبر میں مچل رہا ہے غرق نہیں ہونے دیتا۔ زندوں میں میرا نام لیا۔ مگر ان کشفوں سے کیا جی خوش ہو۔ کشف کوئی حجت شرعی نہیں۔ بڑی چیز تو شریعت ہے اور کسی چیز کا اعتبار نہیں۔

خلاصہ

پا برہنہ نیستم دارم کلاہ چار ترک
ترکِ دنیا ترکِ عقبیٰ ترکِ مولیٰ ترک ترک

یعنی اے بندۂ خدا! مجھے ننگے پاؤں دیکھ کر مفلس ونادار، حقیر وذلیل ہرگز نہ سمجھنا کیوں کہ میں عظیم الشان باطنی دولتیں رکھتا ہوں۔ چار قسم کے ترک کا تاج میرے سر پر ہے۔ ترک دنیا، ترک عقبیٰ، ترک مولیٰ اور ترک ترک۔ یعنی دنیا اور اس کی محبت کا ترک، عقبیٰ اور اس کے اجر وثواب سے بے التفاتی، اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مراتب عالیہ اور بزرگی وجاہ کی تحصیل سے صرف نظر، اس کے بعد ان تمام تروک سے بھی بے توجہی اور صرف نظر۔

حاصل یہ کہ دنیا کی محبت سے ہاتھ دھو چکا ہوں۔ اسی طرح آخرت کے اجر وثواب کو خیر کہہ چکا ہوں۔ اور اپنے خالق ومالک کی بارگاہ عالی میں علو مرتبت اور قدر وجاہ کی طلب بھی دل سے نکال دی ہے۔ اس لئے کہ بندے کا وظیفہ عبدیت وبندگی اور اپنے مولیٰ کے سامنے تذلل وانکسار، ذلت وخواری پیش

کر کے ان کی رضاء وخوشنودی طلب کرنا ہے نہ کہ بڑا بننا۔ اور مراتب حاصل کرنا عظمت وجلال، کبریائی وبڑائی اسی ذات بے ہمتا کے لئے زیبا ہے۔ تصوف کی اصطلاح میں اسی ترک کو فنا کہتے ہیں۔

اور اپنے فناء کا بھی علم اور ادراک نہ رہ جائے اس کو فناء در فنا اور فناء الفناء کہتے ہیں۔

تو در و گم شو کمال اینست و بس
گم شدن گم کن وصال اینست و بس

تو مجذوب نے گویا یہ کہا کہ میری اس ظاہری خستہ حالی سے دھوکہ نہ کھانا اس لئے کہ ہم غریب ہیں مگر اس قسم کے غریب ہیں کہ ؎

گدائے میکدہ ام لیک وقت مستی بیں
کہ ناز بر فلک و حکم بر ستارہ کنم

میں میکدۂ عشق کا ایک ادنی گدا ہوں لیکن مستی کے وقت دیکھ کہ فلک پر ناز اور ستاروں پر حکومت کرتا ہوں۔

اور اس قسم کے غریب ہیں کہ:

مبیں حقیر گدایان عشق را کیں قوم
شہان بے کمر وخسروان بے کلہ اند

ان گدایان عشق کو ذلیل وحقیر نہ سمجھو۔ کیونکہ یہ بے پٹکے اور تاج کے بادشاہ ہوتے ہیں)۔

اور ایسے غریب ہیں کہ ؎

در سفالیں کاسۂ رنداں بخواری منگرید
کیں حریفاں خدمت جام جہاں بیں کردہ اند

ان رندوں کے مٹی کے پیالے کو ذلت وحقارت سے نہ دیکھو۔ اس لئے کہ ان دوستوں نے جام جہاں بیں کی خدمت کی ہے۔

اور ایسے غریب ہیں کہ:

ما اگر قلاش و گر دیوانہ ایم

مست آں ساقی و آں پیمانہ ایم

اگر ہم مفلس اور دیوانے ہیں تو کیا پرواہ ہے کیونکہ ہم اس ساقی اور پیمانہ کے مست ہیں۔ یعنی محبوب حقیقی کے عشق میں شیفتہ وسرمست ہیں (جس کے سامنے کسی دولت وسلطنت کی کوئی حقیقت نہیں۔

اس مضمون فناء درفناء اور ترک مولیٰ بمعنی ترک طلب جاہ عند المولیٰ کی مزید توضیح کیلئے سید الطائفہ حضرت حاجی امداداللہ قدس سرہٗ کا ایک ملفوظ ملاحظہ فرمایئے۔

حکیم الامت مجدد الملت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مرشد اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہٗ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ العزیز فرماتے تھے کہ جیسے جاہ عند الخلق مذموم ہے محققین کے نزدیک جاہ عند الخالق بھی اسی درجہ میں مذموم ہے۔ حاصل اس کا یہ ہے کہ جیسے نیک کام اس لئے کرنا کہ میں خلق کے نزدیک بزرگ اور بڑا بن جاؤں یہ برا ہے۔ اسی طرح طاعت اس لئے اختیار کرنا کہ میں خالق کی نظر میں صاحب جاہ بنوں، یہ بھی اہل بصیرت کے نزدیک امر منکر ہے، برا ہے۔ اس لئے کہ کبریائی تو خاصہ خاص باری تعالیٰ کا ہے حق تعالیٰ کے ہوتے ہوئے جاہ کے کسی مرتبے کی بھی ہوس زیبا نہیں۔ (ترجیح المفسدۃ علی المصلحۃ ص:۱۸۰، اشرف المسائل)

مہمان کے جسم کا مساج اور دبانا

خانقاہ میں آنے والے درویش کے جسم کو دبانا اور مساج کرنا بھی ایک امر مستحسن ہے اور اس کا ثبوت بھی اسوۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ایک روز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس وقت ایک غلام آپ کی کمر دبا رہا تھا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مزاج پرسی کی تو آپ

نے فرمایا ''اونٹنی نے مجھے گرادیا تھا۔ کمر میں تکلیف ہے اسلئے کمر دبوار رہا ہوں۔

جسم دبانے کا خوگر نہیں ہونا چاہئے

لیکن یہ طریقہ اسی وقت مستحسن اور پسندیدہ ہے کہ جب تکان ہو یا سفر سے واپسی پر جسم کو دبایا جائے تا کہ سفر کی کلفت دور ہو جائے لیکن اگر کوئی جسم دبوانے کا عادی ہو جائے اور ہاتھ پاؤں دبوانے کو پسند کرنے لگے اس خیال سے کہ اس سے نیند آجاتی ہے اور جب تک نیند نہ آجائے ہاتھ پاؤں دبائے جاتے ہیں تو ایسا کرنا فقیروں کے لئے مناسب نہیں ہے خواہ شریعت میں اس کی رخصت اور اس کا جواز موجود ہو۔ بعض فقراء کے بارے میں کہا گیا ہے کہ جو ہاتھ پاؤں دبوانے کے عادی ہو گئے تھے اور اس عمل سے لذت اندوز ہوتے تھے تو ان کو احتلام ہوجاتا تھا چنانچہ وہ اس احتلام کو ہاتھ پاؤں دبوانے کی سزا تصور کرتے تھے یہ ایسے امور ہیں کہ ان میں ارباب عزیمت کے لئے رخصت (جواز) کی گنجائش نہیں ہے اور نہ اس طرف ان کو رغبت کرنا چاہئے۔

ذکر و تبلیغ اہل اللہ کی سرپرستی میں کریں

علماء ذاکرین (اہل خانقاہ) کی صحبت سے فیضیاب ہونے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا: کہ علم و ذکر کا کام ابھی تک ہمارے مبلغین کے قبضے میں نہیں آیا، اس کی مجھے بڑی فکر ہے، اور اس کا طریقہ یہی ہے کہ ان لوگوں کو اہل علم اور اہل ذکر کے پاس بھیجا جائے کہ ان کی سرپرستی میں تبلیغ بھی کریں اور ان کے علم و صحبت سے بھی مستفید ہوں (ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاس ص ٥٤ ملفوظ ٥٤)

فرمایا: اولیاء اللہ کے پاس جانا خدا کے واسطے، کہ لُبابِ دین ہے، اس سے علم کے چشمے جاری ہو جاویں گے۔

فرمایا: ذکر معلوم کرنے کے لئے کسی اللہ والے کے پاس جاؤ۔

ذکر اللہ کی کثرت اور اصلاحِ نفس کی ترغیب

بانی جماعت حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: چوبیس گھنٹے میں ذکر اور علم کے لئے وقت متعین کرو، اس کو خاص مناسبت ہے اس کام سے۔ فرمایا: تنہائیوں میں کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر (۲) دنیا میں اس کو پھیلانا (۳) یہ تصور کر لیا کرو کہ رسول اللہ کی ذات کوئی بیکار نہ تھی، ان کے فرمان کی قدر کرو، ان تین چیزوں کی خاصیت یہ ہے کہ جس قدر ان کی قدر کرو گے یہ سارے دین کو سمجھا دیویں گی اور آسان کر دیں گی۔

فرمایا: تیرا سب سے زیادہ جو دشمن ہے وہ تیرا نفس ہے، کفار کی دشمنی محدود اور نفس کی دشمنی غیر محدود ہے۔

فرمایا: ذکر خلوص کے ساتھ اور دل کو علائق سے صاف کر کے کرے تو کیا ہی عمدہ بات ہے، اگرچہ تھوڑا ہو، ایک موقع پر قواعدِ تبلیغ کی وضاحت کرتے ہوئے تین امور ذکر فرمائے (۱) راتوں کو ذکر سے اللہ تعالیٰ کے یہاں رو رو کر بہت اونچی اونچی دین کی باتوں کو اللہ تعالیٰ سے مانگنا (۲) پھر دن میں ان ہی باتوں کا مشورہ کرنا (۳) پھر اس کی کوشش عام مخلوق میں کرنا۔

فرمایا: تبلیغ سے مراد اپنی اصلاح ہے دوسرے کی ہدایت کا ارادہ نہ کرے۔

فرمایا: اپنے دل میں اتارنے کے لئے اٹھو، دوسروں کی ہدایت کیلئے نہ اٹھو۔

فرمایا: تنہائیوں میں اور شبوں میں اللہ تعالیٰ کا ذکر دھیان سے کرنے سے حکمت کے چشمے جاری ہو جاویں گے۔

فرمایا: جب تک ذکر سے دل کو چین نہیں ہوتا ہم سے دوسروں کو ہرگز چین نہیں ہو سکتا، اس کا طریقہ یہی ہے کہ تنہائیوں میں پچھلی شبوں میں بیٹھ کر اللہ کا ذکر کرو، اس سے چین ہوگا، پھر تمہارے کہنے کا اثر دوسروں کے دل کو چین دے گا اور اس کا اثر ہوگا، کسی کی تحقیر نہ کرو۔

اکابر علم کو مع عمل لئے بیٹھے ہیں

ایک ملفوظ میں صحبتِ صالحین کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کی آزمائش اپنے امر کے ذریعے سے برخلاف نفس کے حکموں کے آزمائی ہے، تو اللہ کے امروں کو تلاش کرو اس کے بغیر زندگی نہیں، دینی امروں کی تلاش کا نام طلبِ علم ہے، گویا طلب علم فرض ہے، اس طرق کے ساتھ گھروں سے طلبِ علم کے لئے بے طلبوں میں نکلو اور ان کو طلب کی دعوت دو، اور طلب والوں کو علم کی دعوت دو، اور علم ملے گا بزرگوں کی صحبت سے، وہ حضرات علم کو مع عمل کے لئے بیٹھے ہیں، وہ خزانہ ہیں علم وعمل کا۔

چوبیس گھنٹے خانقاہ ومدرسہ والا کام کرنا ہے

فرمایا: چوبیس گھنٹے وہ کام جو خانقاہوں اور مدارس میں ہوتا ہے کرنا ہے اور اسی میں کچھ وقت لوگوں میں دعوت دینے میں۔

تبلیغ کی جڑ مضبوط کرنے کا راستہ ذکر کا اہتمام ہے

فرمایا: جب تک چوبیس گھنٹے میں کوئی وقت ذکر کا مقرر نہیں کریں گے یہ تبلیغ جڑ نہیں پکڑ سکتی۔

مولانا کے نزدیک راہِ سلوک ضروری بھی تھا اور آسان بھی

فرماتے ہیں: جو چیز دین میں جس درجہ ضروری ہوگی وہ اسی درجہ میں سہل اور آسان ہونی چاہئے، پس تصحیح نیت اور اخلاص چونکہ دین میں نہایت ضروری ہے، بلکہ وہی سارے امورِ دین کی روح ہے، اس لئے وہ بے حد سہل ہے، اور یہی اخلاص للہ چونکہ سارے سلوک اور طریق کا حاصل ہے، اس لئے معلوم ہوا کہ سلوک بھی بہت آسان چیز ہے۔ (ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاس ص ۱۲)

ذکر کا معمول اور اہتمام

حضرت مولانا محمد الیاس کے یہاں دوسروں کو ذکر کی ترغیب اور تاکید کرنے کے ساتھ خود بھی ذکر

کا بڑا اہتمام تھا، تادمِ آخر ذکر و شغل آپ کا معمول رہا، حضرت شیخ زکریا فرماتے ہیں: میں نے اپنے اکابر میں مولانا شاہ عبدالقادر صاحب نور اللہ مرقدہ کو شدید بیماری سے کچھ پہلے تک اور حضرت شیخ الاسلام حضرت مدنی اور اپنے چچا جان (حضرت مولانا الیاس صاحب) کو دیکھا کہ بہت اہتمام سے ذکر بالجہر کرتے رہے، اور مشائخِ سلوک کا تو یہ مقولہ مشہور ہے کہ جس چیز کی برکت سے یہاں پہونچے اب اس کو چھوڑتے ہوئے شرم آتی ہے۔ (آپ بیتی قسط ۵ ۱۶۲)

مولانا سید محمد شاہد صاحب زید مجدہم رقمطراز ہیں: مرض الوفات تک آپ (مولانا محمد الیاس صاحب) کا معمول ذکر بالجہر کا نہیں چھوٹا، تمام سال تہجد کے بعد ذکر کیا کرتے تھے اور ماہِ مبارک میں عصر سے مغرب تک، ذکر کرتے وقت ان کے ذکر میں ایسی حلاوت وتَراوٹ محسوس ہوتی تھی کہ سننے والوں کو بھی بہت صاف محسوس ہوتی تھی، اجتماعی معمولات کے ساتھ انفرادی وشخصی معمولات کی بھی اپنے خدام ومقیمینِ مرکز کو آخر تک تاکید وہدایت فرماتے رہے۔ (سوانح مولانا محمد انعام الحسن ۱/ ۶۴-۶۵)

تبلیغی جماعت خانقاہوں اور مدرسوں کی مدد کیلئے بنائی گئی ہے

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کے نزدیک تبلیغی کام شروع کرتے وقت یہ بات خاص طور سے پیشِ نظر تھی کہ اس تحریک کی برکت سے مدارس کو زیادہ سے زیادہ طلباء اور خانقاہوں کو زیادہ سے زیادہ مرید ملیں۔

مرض الوفات میں ایک روز مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری سے فرمایا: ہماری تحریک یہی ہے اور یہی ہم سب سے کہتے ہیں یہ کام اگر ہونے لگے تو اب سے ہزاروں گُنے زیادہ مدرسے اور ہزاروں گُنی زیادہ خانقاہیں قائم ہوجائیں۔ (مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت ص ۲۰۷ طبعِ یحیوی)

مولانا محمد الیاس صاحب نے اپنی حیات میں جن مقامات میں خانقاہوں کا قیام تھا مثلاً رائے پور اور تھانہ بھون ان علاقوں کی طرف جماعتوں کا رخ بنایا اور یہ تاکید فرمائی بزرگوں کی مجلسوں میں تبلیغ

کا ذکر نہ کریں ۔ ۶۰۔۵۰ آدمی ماحول کے دیہاتوں میں گشت کریں اور آٹھویں روز قصبہ میں جمع ہوجائیں، پھر وہاں سے دیہات کے لئے تقسیم ہوجائیں، حضرات اکابر کی طرف سے اگر کچھ پوچھا جائے تو بتلادیا جائے، از خود کچھ ذکر نہ کیا جائے۔ (مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت ص ۱۱۵ طبع یحیوی، سہارنپور)

جماعتوں کو خانقاہی نظام سے جوڑنا مولانا کی پرانی تمنا تھی

حضرت شیخ الحدیث کے نام ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں: میری ایک پرانی تمنا ہے کہ خاص اصولوں کے ساتھ مشائخ طریقت کے یہاں یہ جماعتیں آدابِ خانقاہ کی بجا آوری کرتے ہوئے خانقاہوں میں فیض اندوز ہوں، اور جس میں باضابطہ خاص وقتوں میں حوالی کے گاؤں میں تبلیغ بھی جاری رہے، اس بارے میں ان آنے والوں سے مشاورت کرکے کوئی طرز مقرر فرما رکھیں، یہ بندہ ناچیز بھی اس ہفتہ بہت زیادہ اغلب ہے کہ چند رؤسا کے ساتھ حاضر ہو، دیوبند اور تھانہ بھون کا بھی خیال ہے (ایضاً)۔

حضرت مولانا مفتی محمد حنیف صاحب گورینی لکھتے ہیں: ایک مجلس میں حضرت مولانا نے فرمایا جس میں میں بھی موجود تھا: میرا مقصد اس دعوت وتبلیغ سے یہ ہے کہ لوگ اس کے بعد تعلیم کی ضرورت محسوس کریں تاکہ معلمین کے پاس جاکر وہ علم دین سیکھیں اور مشائخ کے پاس جاکر اپنے اخلاق کی تربیت کرائیں، ہم نے تو صرف یہ جذبہ پیدا کردیا کہ اپنے اخلاق درست کرو (دو اہم مسئلے، ص ۳۰)

اس سے انداہ ہوتا ہے کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب جماعت وتبلیغ کو خانقاہوں سے اور اہلِ علم سے کس قدر مربوط رکھنا چاہتے تھے، افسوس کہ آج دعوت وتبلیغ سے منسلک بعض حضرات کا ذہن یہ بن گیا ہے کہ جو علماء اور اہلِ خانقاہ جماعتی پروگرام سے وابستہ ہیں وہ اپنے ہیں اور جو وابستہ نہیں ہیں وہ اجنبی اور بیگانے ہیں، پھر چاہے وہ کسی دینی ادارے کے منصب شیخ الحدیثی پر فائز ہوں، یا کسی خانقاہ میں عوام الناس کی اصلاح اور راہِ سلوک طے کرانے میں مصروفِ عمل ہوں۔

جب تبلیغی اجتماعات سے واپس آئے تو کہاں جائے

حضرت مولانا خود بھی خانقاہی نظام سے بڑا گہرا ربط رکھتے تھے اور تزکیۂ نفس کی بڑی فکر رکھتے تھے، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی تحریر فرماتے ہیں چچا جان قدس سرہ کا مستقل ایک معمول یہ تھا، اور بڑی باریک بات ہے کہ جب کسی تبلیغی اجتماع سے واپس آتے تو ایک سفر رائے پور کا ضرور فرماتے، ورنہ کم از کم سہارنپور کا اور اگر دونوں کا موقع نہ ہوتا تو تین دن کا اعتکاف اپنی مسجد میں فرمایا کرتے تھے، اور یہ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ جلسوں کے زمانے میں ہر وقت مجمع کے درمیان رہنے کی وجہ سے طبیعت اور قلب پر ایک تکدّر پیدا ہوجاتا ہے اور اس کے دھونے کے واسطے یہ کرتا ہوں۔

حضرت شیخ فرماتے ہیں: میں یہ مضمون لکھوا رہا تھا کہ اتفاق سے مولانا منظور نعمانی صاحب زاد مجدہم دیوبند سے تشریف لائے اور اس وقت تشریف فرما بھی ہیں، انہوں نے فرمایا کہ یہ مضمون خود حضرت دہلوی کے ملفوظات میں خود ان کا ارشاد بلفظہ منقول ہے، چنانچہ حضرت چچا جان کے ملفوظات منگوائے گئے جس کے الفاظ یہ ہیں ”فرمایا: مجھے جب میوات میں جانا ہوتا ہے تو میں ہمیشہ اہلِ خیر اور اہلِ ذکر کے مجمع کے ساتھ جاتا ہوں، پھر بھی عمومی اختلاط سے قلب کی حالت اس قدر متغیر ہوجاتی ہے کہ جب تک اعتکاف کے ذریعہ اسے غسل نہ دوں یا چند روز کے لئے سہارنپور یا رائے پور کے خاص مجمع اور خاص ماحول میں جاکر نہ رہوں قلب اپنی حالت پر نہیں آتا، دوسروں سے کبھی کبھی فرمایا کرتے تھے کہ: دین کے کام کے لئے پھرنے والوں کو چاہئے کہ گشت اور چلت پھرت کے طبعی اثرات کو خلوتوں کے ذکر وفکر کے ذریعہ دھویا کریں (آپ بیتی قسط۱۴ ص۴۶۵ ـ ۴۶۶)

مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی اور راہِ سلوک

حضرت جی ثانی مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی کا سلوک وطریقت سے بڑا ہی گہرا

ربط تھا، آپ کی باطنی نسبت بڑی قوی تھی، اس دور کے اہلِ تبلیغ کے لئے جس کا سمجھنا اور تسلیم کرنا بھی مشکل ہے، لیکن اس کی شہادت دعوت وتبلیغ کے عظیم مبلغ حضرت مولانا عبید اللہ صاحب بلیاوی کی زبانی ہم ذیل میں ذکر کریں گے، فرماتے ہیں: "میرے بزرگو اور دوستو! اولاً میں یہ سمجھتا تھا کہ (حضرت جی ثانی) مولانا محمد یوسف صاحب کو تصوف سے کیا تعلق؟ یہ تو یوں ہی ہیں، لیکن جب ان کی تقریر میں حاضری ہوئی ہے تو دیکھا کہ ان کی تقریر سے ہی بڑے بڑے مشائخ اور اولیاء اللہ کے قبض دور ہو جاتے۔

قبض وبسط اہل تصوف کی اصطلاح ہے، بعض اوقات سالک کو عجیب وغریب انشراح اور کیفیات محسوس ہوتی ہیں، یہ بسط کہلاتا ہے، بعض اوقات یہ کیفیات ایسے دب جاتی ہیں جیسے کچھ بھی نہ تھا، یہ قبض کہلاتا ہے (تصوف وسلوک ۲۲۳)

نیز فرماتے ہیں کہ: بھاولپور کے ایک بڑے پیر تھے، انہوں نے بتلایا کہ ایک بار حضرت مولانا محمد یوسف صاحب جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے، اس سے ہی ان کا قبض دور ہو گیا۔ (مواعظِ عبیدیہ، ۵۴۴،۵۴۳۱)

دعوت کے اس عظیم داعی کی یہ شہادت حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحب کے راہِ سلوک سے تعلق اور ان کی روحانی وباطنی قوت کو بیان کرنے کیلئے کافی ہے۔

معمولات کی پابندی اور اہتمام کی ترغیب

حضرات اہل اللہ کا مقصد بیعت کے ذریعہ محض اپنے حلقۂ ارادت کو وسیع کرنا نہیں ہوتا بلکہ بندگانِ خدا کو خدا سے جوڑنے کی بھرپور کوشش اور فکر ہوتی ہے، دیگر تمام مشائخ کی طرح حضرت مولانا انعام الحسن صاحب بھی اس بارے میں بڑے فکرمند تھے، مولانا سید محمد شاہد صاحب مدظلہ

العالی رقم طراز ہیں "حضرت مولانا اپنے سے تعلقِ بیعت رکھنے والوں کو معمولات میں سستی و کاہلی سے بچنے پر نیز یکسوئی کے ساتھ دعوت ودعائ، تلاوت ونوافل اور ذکر واستغفار میں لگے رہنے پر بھرپور انداز سے متوجہ فرماتے تھے، اور اس راہ کی محنت ومجاہدے پر ہمت بندھاتے ہوئے بتدریج ان کو آگے بڑھاتے رہتے تھے۔

جو لوگ حضرت مولانا سے سلسلۂ ارادت قائم کر لیتے ان کے بارے میں آپ کی پوری کوشش اور توجہ یہ رہتی کہ وہ اپنے اجتماعی اور انفرادی معمولات پورے اہتمام کے ساتھ ادا کریں، اس میں کسی قسم کی سستی اور غفلت نہ آنے دیں، فرماتے تھے کہ اجتماعی معمولات، انفرادی معمولات کے لئے معین ومددگار بنتے ہیں اور انفرادی معمولات کی پابندی واہتمام اجتماعی معمولات کے اندر قوت وطاقت پیدا ہونے کا سبب ہے، اسی طرح فرمایا کرتے تھے کہ دن میں وجود میں آنے والے اجتماعی اعمال (گشت، دعوت وغیرہ) کے لئے رات میں انفرادی اعمال (ذکر، گریہ وزاری، اور دعائ) کا ہونا بے حد ضروری ہے، اگر اس میں کچھ کمی کوتاہی ہو جائے تو توبہ واستغفار سے اس کو پورا کر لیا کریں۔

بیعت کے بعد مولانا انعام الحسن صاحب کی تعلیمات

بیعت محض ایک رسمی چیز نہیں بلکہ یہ زندگی کو عملی سانچے میں ڈھالنے کا ایک معاہدہ ہوتا ہے، اسی لئے ہمارے مشائخ بیعت کے بعد اپنے منسلکین کو چند امور کی تعلیم دیا کرتے تھے، حضرت مولانا انعام الحسن صاحب بھی اپنے متعلقین کو چند چیزوں کی تعلیم دیتے تھے جن کو ہم ذیل میں تحریر کرتے ہیں۔

بیعت کے بعد یوں ارشاد فرماتے: بس بھائیو دیکھو! جن چیزوں سے توبہ کی ہے ان سے بچتے رہیں، یہ بڑے بڑے گناہ ہیں، اگر ان سے بچتے رہو گے اور یہ پانچ عمل کرتے رہو گے تو انشاء اللہ بھلے بندے بن جاؤ گے۔

پہلی چیز: جو ہر مسلمان کے لئے ہے وہ نماز ہے، پانچ وقت کی فرض نمازوں کو جماعت کے ساتھ پڑھنے کا اہتمام کرو اور نماز کسی جانکار کو سنا کر صحیح صحیح یاد کرلو، اور چار وقت کی نفلیں ہیں: تہجد، اشراق، چاشت، اوابین، جہاں تک ہوسکے ان کا اہتمام کرو۔

دوسری چیز: اللہ کا ذکر ہے، جس میں تین تسبیح صبح کو اور تین تسبیح شام کو دھیان سے جی لگا کر پڑھو، ایک تسبیح سبحان اللّٰہ والحمد للّٰہ ولا الٰہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم اور ایک تسبیح درود شریف کی، ایک تسبیح استغفار کی، یہ تین تسبیح صبح کو اور تین شام کو پڑھنی ہیں۔

تیسری چیز: قرآن پاک کی تلاوت ہے، جو بھائی قرآن پاک پڑھے ہوئے ہیں وہ روزانہ تلاوت کریں اور جو پڑھے ہوئے نہیں ہیں وہ روزانہ سیکھنا شروع کریں۔

چوتھی چیز: یہ فضائل کی کتابیں ہیں ان کو اپنی اپنی مسجدوں میں کسی نماز کے بعد تھوڑا تھوڑا اہتمام سے سنتے رہو۔

پانچویں چیز: گشتوں کا کرنا ہے، ہر آٹھ دن میں یہ گشت، اپنی بستی میں جماعت بنا کر آس پاس کی بستیوں میں جاتے رہیں اور سال میں کم سے کم ایک چلّے کیلئے نکلتے رہیں۔

عورتوں کے ذمے جماعت نہیں ہے وہ اپنے اپنے وقت میں اہتمام سے نماز پڑھیں، اور جماعت (تبلیغی جماعت) میں نکلنا بھی نہیں ہے، لیکن ملنے جلنے والیوں سے اپنے دین کی، ایمان کی، کلمہ کی، نماز کی، قرآن کی، جنت کی، دوزخ کی، آخرت کی باتیں کرتی رہیں، بیکار بات کرنے سے دل مردہ ہوجاتا ہے اور گھروں سے برکت جاتی رہتی ہے، اور دین کی، ایمان کی باتیں کرنے سے دل زندہ ہوتا ہے، گھروں میں برکت آتی ہے، اور اپنے شوہروں کو، رشتہ داروں کو جماعت میں بھیجنے پر آمادہ کریں۔ مستفاد: سوانح مولانا انعام الحسن صاحب ۴۱۳ / ۳)

آپ کے ایک مسترشد نے نظام الدین کے قیام میں زبانی طریقۂ ذکر کو معلوم کیا اور پھر اپنے

وطن پہنچ کر تحریری طور پر دریافت کیا تو مندرجہ ذیل الفاظ میں آپ نے اس کی تفصیل لکھ کر بھیجی:

خط ملا۔ حال معلوم ہو کر مسرت ہوئی، اللہ رب العزت استقامت کی توفیق مرحمت فرمائے، بارہ تسبیح جو بتلائی تھیں ان کی ترتیب پھر بتلاتا ہوں، وہ یہ کہ سورۂ فاتحہ تین دفعہ، آیت الکرسی ایک دفعہ، سورۂ اخلاص تین مرتبہ پڑھ کر اپنے چاروں سلسلوں کے حضرات کو بخشیں، پھر گیارہ مرتبہ درود شریف، گیارہ مرتبہ استغفار اور یا حی یا قیوم برحمتک استغیث اسئلک من فضلک یا اللہ یا اللہ ان تطہر قلبی عن غیرک وان تنور قلبی بنور معرفتک ابداً ابداً لاحول ولاقوۃ الا باللہ تین مرتبہ پڑھ کر لا الٰہ الا اللہ دو سو مرتبہ اسی دھیان اور ترکیب سے جو کہ میں نے بتلائی تھی، اور ہر دس مرتبہ کے بعد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ لیں، اس کے بعد الا اللہ چار سو مرتبہ، اس کے بعد اللہ اللہ چھ سو مرتبہ، آخر میں اللہ ایک ضربی ایک سو مرتبہ، آخر میں مراقبہ میں بیٹھ جائیں اور دھیان کریں کہ اللہ کا نور دل میں داخل ہو رہا ہے، نیز نوافل، تلاوت وغیرہ کا اہتمام فرماتے ہوئے نماز باجماعت کی پابندی فرمائیں، اور مقامی کام میں اہتمام سے شرکت فرماتے رہیں۔ (سوانح مولانا انعام الحسن صاحب)

مولانا گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اصلاح میں سختی

حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ اصلاح میں سختی کرتے تھے بہت ڈانٹتے تھے، اور ایسی سختی کرتے کہ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے آدمی گھبرا گئے۔ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے خود لکھا ہے (یعنی کانپور سے گنج مرادآباد مولانا سے ملنے جانے کا واقعہ پھر فرمایا کہ مولانا فضل الرحمن صاحب کے یہاں حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی آئے ہیں اور وہ تین دعا کر کے آئے۔

ایک تو یہ کہ کسی سے راستہ پوچھنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔ بغیر راستہ پوچھے وہاں تک پہونچ جاؤں۔ ایک یہ کہ مجھ سے ناراض نہ ہوں۔ ایک یہ کہ مجھے دعا دیدیں۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ راستہ پوچھنے کی نوبت نہیں آئی بغیر راستہ پوچھے وہاں پہنچ گئے، ناراض بھی نہیں ہوئے ان پر اور دعا بھی دیدی پھر فرمایا کہ مفتی عزیز الرحمن صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ بھی ان کے یہاں آئے ہیں ان کو دور سے آتے دیکھ کر ہی ناراض ہوگئے کہ یہاں آنے کی ضرورت نہیں۔ واپس ہوجاؤ، وہ واپس ہوگئے۔ اس کے بعد یکا ایک الہام ہوا کہ بڑے اونچے آدمی ہیں، فوراً ایک آدمی بھیجا کہ ایسی ایسی صورت کے آدمی ہیں ان کو بلا کر لاؤ وہ گیا اور مفتی صاحب کو بلا لایا یہ آگئے تب ان کا اعزاز فرمایا۔

رگ رگ سے کھوٹ نکل جائے تب جنت میں جائے گا

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوب میں مثال دی ہے۔ ایک کپڑا ہے اس میں میل لگا ہوا ہے اس کو دھوبی کے یہاں دیا جاتا ہے دھوبی اس کو دھوتا ہے اٹھا اٹھا کر سر کے اوپر سے پتھر پر دے مارتا ہے لاٹھی سے پٹائی کرتا ہے اس کے اوپر ریہہ ڈالتا ہے راستہ میں بچھا دیتا ہے چلنے والے اس کے اوپر سے گذرتے ہیں بھٹی پر رکھتا ہے اس کو جلاتا ہے اس کو خوب پکاتا ہے تاکہ اس کے تاگہ تاگہ سے رگ رگ سے میل نکل جائے لکڑی سے کوٹتا ہے ابرق اس پر ڈالتا ہے اس کو پھیلا دیتا ہے ان سارے مراحل کے بعد وہ اس قابل ہوتا ہے کہ وہ شہزادے کا لباس بن سکے شہزادہ اس کو پہن سکے یہ اس کی ذلت ہوئی نیچے بچھا دیا لوگ اس کے اوپر کو چل رہے ہیں ریہہ ڈالدی لاٹھی سے پٹائی کی اس کے بعد اس کو کتنا بڑا عہدہ ملا مقام کتنا بڑا ملا اسی طریقہ پر جنت میں جانے کے لئے جو مقام حاصل کرنا ہے اس کے واسطے ضرورت ہے کہ اپنی رگ رگ سے ریشہ ریشہ سے کھوٹ نکل جائے، وہ یہیں ختم ہوجائے۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کی چوٹی

ارشاد فرمایا کہ ایک صاحب حج کو جارہے تھے راستہ میں بغداد پڑا تو وہاں ایک بزرگ حضرت

جنید رحمۃ اللہ علیہ رہتے تھے انہوں نے سوچا کہ ان سے بھی ملتا چلوں چنانچہ ان سے ملنے لگے تو حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے دریافت فرمایا کہ کہاں جارہے ہو انہوں نے عرض کیا کہ حج کو جارہا ہوں تو حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے ایک چوَنیؔ (درہم) دی یہ لے کر چلے تو راستہ میں ہر جگہ ان کو اپنی ضروریات مہیا ہوتی جاتی تھی کہیں ان کو خرچ کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ واپسی پر حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے دریافت فرمایا کہ ہماری چوَنیؔ (درہم) کی مہر کیسی پائی تو عرض کیا کہ بہت چالو پائی۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بس لاؤ ہماری چونی دیدو، چنانچہ انہوں نے واپس دیدی۔

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم راستے سے گزر رہے تھے۔ دیکھا کہ ایک صاحب اپنی جھونپڑی کی مرمت کر رہے ہیں۔ جب آپ قریب سے گزرے آپ نے ان سے پوچھا کہ کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہماری جھونپڑی کچھ کمزور ہوگئی تھی۔ میں اس کی کچھ مرمت کر رہا ہوں۔ آپ نے ان کو منع فرمایا کہ یہ مرمت مت کرو لیکن بس ایک جملہ ارشاد فرمادیا کہ ما اریٰ الا اجل من ذلک یعنی جو وقت موت کا آنے والا ہے وہ مجھے اس سے بھی جلدی نظر آتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے کا جو وقت ہے جلدی آسکتا ہے کہ اگر اس کا استحضار ہو تو پھر آدمی کو اس بات کی فکر نہیں ہو۔ میری جھونپڑی کمزور ہوگئی ہے۔ اس کو درست کرلوں۔ اشارہ اس بات کا فرمادیا کہ اس جھونپڑی کو اور اس گھر کو درست کرتے ہوئے ذہن میں یہ آجائے کہ یہ میرا ہمیشہ کا گھر ہے اور ہمیشہ مجھے اس میں رہنا ہے۔ بلکہ یہ خود کہ تمہیں تو آگے جانا ہے۔ یہ گھر تو تمہارے سفر کی ایک منزل ہے سفر کی منزل بقدر ضرورت انتظام کرلو اس سے زیادہ مت کرو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت کا یہ انداز تھا۔ (اسرار طریقت، ص/42-41)

ضرورت کے موقع پر سختی کی بھی اجازت ہے

اگر کسی شخص کی اصلاح سختی پر موقوف ہو تو وہاں سختی کی بھی اجازت ہے مگر اس کا طریقہ یہ ہے

کہ پہلے مرہم سے کام لو (یعنی نرمی کرو) اگر مرہم سے کام نہ چلے بلکہ آپریشن ہی کی ضرورت ہوتو آپریشن کرو، مگر چند ماہروں کو مشورہ میں شریک کرلو، گووہ تم سے چھوٹے ہی ہوں، جی سے ڈاکٹر آپریشن کے وقت اسسٹنٹ کو بھی بلا لیتا ہے حالانکہ وہ درجہ میں اس سے چھوٹا ہے۔ (التبلیغ ص:۹۸)

شاید اس سے کوئی صاحب یہ نتیجہ نکالیں کہ جب شریعت نے سختی کو بھی علاج بتلایا ہے تو بس آج سے ہم بھی سختی کیا کریں گے، تو صاحبو! خدا سے سابقہ ہے حق تعالیٰ کو سب کچھ معلوم ہے وہ نیت کو دیکھتے ہیں پس اپنے دل میں سختی کے وقت خود غور کرلو کہ ہم جو اس شخص کو سزا دے رہے ہیں اس میں کیا نیت ہے؟ آیا اپنا شفاءِ غیظ (یعنی غصہ کو ٹھنڈا کرنا) مقصود ہے یا اس کی اصلاح۔؟

بھلا عوام و رؤساء تو اصلاح کی نیت کیا کرتے معلم اور استاد جن کا کام ہی اصلاح ہے اور بچے ان کے سپرد کئے جاتے ہیں اصلاح ہی کے واسطے وہ بھی بعض دفعہ غصہ میں بچوں کو خوب مارتے ہیں، اس وقت اصلاح کا ارادہ بالکل نہیں ہوتا، بیوی سے لڑکر آئے تھے اور غصہ بچوں پر نکالا۔

اے صاحبو! یہ ضرور ہے کہ اصلاح کے لئے سختی کی بھی اجازت ہے اگر ضرورت ہو، مگر اس کے لئے یہ قید بھی ہے کہ غصہ کی حالت میں سزا نہ دی جائے کیونکہ غصہ میں ضرورت کی مقدار کا صحیح اندازہ نہیں ہوسکتا۔

سزا دینے اور سختی کرنے کا طریقہ

اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غصہ کا دستور العمل بیان فرمایا ہے: لَا يَقْضِيَنَّ قَاضٍ بَيْنَ اثْنَيْنِ وَهُوَ غَضْبَانُ (مشکوٰۃ شریف)

یعنی حاکم کو چاہئے کہ غصہ کی حالت میں کبھی فیصلہ نہ کرے بلکہ اس وقت مقدمہ کو ملتوی کردے، اور یہاں حاکم سے مراد ہر وہ شخص ہے جس کی دو آدمی پر بھی حکومت ہو اس میں معلم

اور استاد بھی داخل ہے اور گھر کا مالک بھی، کیونکہ اپنے گھر میں بھی ہر شخص حاکم ہے اور رؤساء وحکام تو داخل ہیں ہی، پس غصہ کی حالت میں کبھی سزا نہ دو بلکہ اس وقت کو ٹال دو اور بعد میں خوب سوچو کہ یہ عمل (یعنی یہ غلطی) کتنی سزا کے قابل ہے پھر سوچ سمجھ کر سزا دو، مگر سزا کی مقدار بھی کسی عالم (ومفتی) سے پوچھو اپنی رائے سے تجویز نہ کرو، اور عالم کو بھی چاہئے کہ جواب جلدی نہ دے بلکہ سوچ سمجھ کر جواب دے اور جو مسئلہ پیچیدہ ہو اس کا جواب زبانی کبھی نہ دیں۔

(الغرض غصہ میں کبھی سزا نہ دیں) مگر یہ میاں جی لوگ مانیں گے نہیں کیونکہ سوچ کر سزا دینے میں مزہ نہیں آتا مزہ تو غصہ ہی میں مارنے سے آتا ہے اور قیامت میں جب آپ کو سزا ملے گی تو مظلوموں کو مزہ آئے گا، اس لئے ہمیشہ غصہ کو ٹال کر سزا دو اور کسی عالم سے سزا کی مقدار معلوم کر کے جتنی وہ بتلا دے اتنی سزا دو، اسی طرح رؤساء اور حکّام کو بھی علماء سے پوچھ کر فیصلہ کرنا چاہئے اپنی رائے سے فیصلہ نہ کریں۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ طبیب ناواقف (اناڑی ڈاکٹر) اور جاہل فیصلہ کرنے والا دونوں جہنم میں ہیں گو ان کی نیت درست ہی ہو مگر خوش نیتی سے کام نہیں چلتا، یہاں علم کی ضرورت ہے۔ (الاخوۃ التبلیغ ص ۹۲، ۹۳)

نرمی سے فائدہ نہ ہونے کی صورت میں سختی کی ضرورت

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں حق تعالیٰ نے اس فعل کی (یعنی نرمی کا برتاؤ کرنے کی) خاصیت بیان فرمائی ہے، اور خاصیت ظاہر ہونے کے لئے کسی مانع کا نہ ہونا شرط ہے جی سے دوا نافع ہے مگر بعض دفعہ کوئی خلط فاسد غالب ہوتی ہے تو (اس عارض کی وجہ سے اس) دوا کا نفع ظاہر نہیں ہوتا، کیونکہ نفع ظاہر ہونے کے لئے کسی خلط فاسد کا غالب نہ ہونا شرط ہے، اسی طرح دَفْعُ سَیِّئَۃٍ بِالْحَسَنَۃِ (

برائی کو بھلائی سے دفع کرنے) کا نفع ظاہر ہونے کے لئے مخاطب کی طبیعت کی سلامتی شرط ہے، اگر مخاطب کی طبیعت میں سلامتی نہ ہوگی تو اس فعل کا اثر ظاہر نہ ہوگا، بس جس طرح طبیب پہلے تقلیل مادہ کی کوشش کرتا ہے، مرہم وغیرہ سے دمل (پھوڑے) کو تحلیل کرتا ہے اور اگر اس سے کام نہ چلے تو پھر نشتر لگاتا ہے، اسی طرح حق تعالیٰ نے امراض باطنہ کے متعلق ہم کو یہی طریقہ تعلیم کیا ہے کہ پہلے تو مخالف کے ساتھ نرمی کرو، اگر اس سے اس کی عدوات کم ہوجائے اور وہ آدمی بن کر رہے تو مقصود حاصل ہوگیا، اور اگر اس سے کام نہ چلے تو یہ ثابت ہوگا کہ اس کا فاسد مادہ بہت غالب ہے اب اس کے لئے نشتر کی ضرورت ہے، چنانچہ دیگر نصوص میں قتال کا امر ایسے ہی لوگوں کے واسطے (خاص حالات میں اور خاص شرائط کے ساتھ) ہے، پس ان نصوص کے ملانے سے معلوم ہوگیا کہ اس جگہ پر جو حکم منصوص ہے یہ حکم عام نہیں بلکہ مخاطب کی طبیعت کی سلامتی کے ساتھ مقید ہے، اور جس کی طبیعت نہایت کج (اور فاسد) ہو اس کا علاج نشتر (اور سختی کرنا) ہے، کیونکہ یہ بھی ایک علاج ہے، فاسد مادہ جب تحلیل کے قابل نہ ہو تو اس کو نکال کر باہر کردینا ضروری ہے، ورنہ تمام جسم کو خراب کردے گا۔ (الاخوۃ، التبلیغ ص ۸۹ ج ۱۳)

شیخ کی ناراضگی کے وقت کیا کرنا چاہئے

حضرت اقدس مولانا قاری صدیق صاحب باندوی رحمۃ اللہ علیہ کے خدمت میں ایک صاحب نے اپنے حالات لکھے کہ میں فلاں حضرت سے بیعت ہوں وہ مجھ سے خفا اور ناراض ہیں، میں آپ سے بیعت ہوکر اصلاحی تعلق قائم کرنا چاہتا ہوں میرے لئے دعاء خیر فرمایئے اور میری دستگیری فرمایئے حضرت نے جواب تحریر فرمایا:

عزیزم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حالات کا علم ہوا زندگی میں اس قسم کے حالات پیش آتے رہتے ہیں شیخ کی ناراضگی بھی آپ کی

اصلاح کے لئے ہے آپ جا کر قدموں پر گر جائیں اور صدق دل سے معافی مانگیں انشاء اللہ شیخ معاف فرمادیں گے اور پہلے سے زیادہ توجہ کریں گے اس میں تاخیر نہ کریں میں بھی دعاء کر رہا ہوں اللہ پاک آپ کی پریشانی دور فرمائے۔ (تزکیہ نفس واصلاح باطن۔ضرورت، اہمیت، طریقہ کار، ص/ 241)

شیخ کی سختی سے تکدر، اور دوسرے شیخ کی طرف قلبی رجحان

ایک صاحب نے تحریر فرمایا: مندرجہ ذیل اسباب سے بیعت فاسد تو نہیں ہوئی؟

(۱) کسی شیخ نے مرید کو ڈانٹ ڈپٹ کیا تو مرید نے سوچا کہ ہمارے بیمار ہونے کے باوجود ہمارے ساتھ نرمی کا برتاؤ نہ رہے گا تو بیعت توڑ لیں گے۔

(۲) کسی مرید نے اپنے شیخ کے علاوہ دوسرے شیخ کی کتاب معارف مثنوی کا مطالعہ کیا تو مضامین بہت پسند آئے کتاب کے مصنف کو دل میں بہت سراہا کہ تنی اچھی تشریح کی ہے کہ عشق خداوندی کی آگ دل میں لگ گئی یہ بھی خیال میں آیا کہ ہم ان کے سلسلہ میں ہوتے تو ہم بھی معارف مثنوی جیسی کتاب لکھ دیتے قلبی میلان حکیم اختر صاحب کی طرف ہونے لگا پھر فوراً خیال آیا کہ اس خیال سے کہیں بیعت فاسد نہ ہو جائے اور اس خیال کو ختم کرنے کے لئے دوسرا خیال لایا کہ کتابیں تو اور عالموں نے بھی لکھی ہیں۔ مولانا مودودی صاحب نے بھی لکھی ہیں تو کیا ہوا، مذکورہ بالا صورت میں بیعت فاسد تو نہیں ہوئی، حضرت نے جواب تحریر فرمایا:

مکرمی السلام علیکم!

اس قسم کے خیال سے بیعت فاسد نہیں ہوتی لیکن ایسا خیال پیر کے بارے میں نہ کرنا چاہیئے، ڈانٹ بھی مرید کی اصلاح کے لئے ہوتی ہے۔ ڈاکٹر کبھی آپریشن تجویز کرتا ہے اور اسی میں مریض کا فائدہ ہوتا ہے حکیم صاحب کی کتاب بیشک مفید ہے لیکن اصلاح تو اپنے ہی شیخ سے ہوتی ہے کسی کے باکمال ہونے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اپنے شیخ کو ناقص سمجھا جائے یہ شیطان کا حربہ ہے محروم کرنے

کے لئے ایسا کرتا ہے، کسی کا کمال ظاہر ہو جاتا ہے کوئی اپنے کو چھپاتا ہے۔ (مکتوبات صدیق احمدؒ)

اجنبیت ہے تو جس سے انس ہے ان سے تعلق جوڑ لیجئے

ایک صاحب نے تحریر فرمایا کہ احقر ڈیڑھ سال قبل آپ سے بیعت ہوا تھا پھر بغرض ملازمت بمبئی چلا آیا اس کے بعد سے اب تک حاضری کی سعادت نصیب نہ ہوسکی جس کی وجہ سے اجنبیت حائل رہتی ہے۔ خط و کتابت سے تشفی نہیں ہوتی دعا فرمایئے اللہ پاک یہ اجنبیت دور فرمادے قرب نصیب فرمائے، حضرت نے جواب تحریر فرمایا:

عـزیزم السلام علیکم!

حالات کا علم ہوا دعاء کرر ہا ہوں اللہ پاک فضل فرمائے اجنبیت کا کیا مطلب ہے جس سے انس ہو ان سے تعلق جوڑ لیجئے مقصود تو استفادہ ہے، جس سے فائدہ ہو ان کی ہدایت پر عمل کیجئے، یہ تو علاج ہے جس سے اطمینان ہوتا ہے آدمی اس سے علاج کراتا ہے۔ میری طبیعت اچھی نہیں ہے دعاء کیجئے۔ (مکتوبات صدیق احمدؒ)

سختی کرنے کی ضرورت اَور اسکے طریقے

(اَز افادات: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ)

بعض اَوقات اگر ایک بات کو نرمی سے سمجھایا جائے تو دِل پر اُس کا اِتنا اَثر نہیں ہوتا اَور نہ وہ اُتنی مدت تک یاد رہتی ہے جتنا کہ سختی سے سمجھانے سے نقش کالحجر (پتھر کی لکیر کی طرح) ہو جاتی ہے۔

بعض لوگوں کی سختی کے بغیر اِصلاح نہیں ہوتی، ایسی حالت میں اگر سختی نہ کی جائے تو خیانت ہے اگر سختی کرنا بداَخلاقی ہوتا تو حضور سے کبھی صادر نہ ہوتی (حالانکہ بعض مواقع میں حضور سے سختی کرنا ثابت ہے)۔ (حسن العزیز)

صحبتِ شیخ کے ساتھ مجاہدہ بھی ضروری ہے

شیخ کی صحبت جس کو نصیب ہوجائے تو وہ مجاہدے کی بھی ہمت کرے تا کہ محرومی کا شکار نہ ہو اور شیخ کا پورا فیض اس کے اندر آجائے، پست ہمتی نہ کرے، تل کی طرح مجاہدہ کر کے اپنے آپ کو رگڑ والے تا کہ گلاب کے پھول کی پوری خوشبو اس کے اندر آجائے پھر جب کولھو میں پیلا جائے گا تو جو تیل نکلے گا وہ روغنِ گل کہلائے گا، اور اگر تم نے مجاہدہ نہیں کیا اور اپنے نفس کے موٹے موٹے پردے نہیں رگڑ وائے، بدنظری اور گناہوں سے اپنے کو نہیں بچایا تو پھر ساری زندگی شیخ کے ساتھ رہو گے، لیکن اس کا فیض نہیں آئے گا حیض ہی رہے گا۔

جو لوگ مجاہدے سے گریز کرتے ہیں، یہ حق تعالیٰ کے قرب سے گریزاں ہیں، اللہ کو چاہتا تو ہے مگر اس کی راہ میں مجاہدے سے گریزاں ہے، یہ ایک قسم کا گریز ہے، یہ اللہ والا نہیں بننا چاہتا، اس لیے ہمت سے کام لو، جب تلّی کا تیل مجاہدے کرے گا تو پھر گلاب کے پھول کی پوری خوشبو اس میں آئے گی اور تلّی کا تیل مجاہدہ کی برکت سے روغنِ گل کہلائے گا۔ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ روغنِ گل بننا زیادہ بہتر ہے یا تل کا تیل رہنا؟ تو ایسے ہی شیخ کا فیض اگر لینا ہے تو ایک لمحہ بھی اللہ کو ناراض نہ کرو، اللہ پر جان کی بازی لگا دو۔ ایک سانس بھی اللہ کو ناراض کر کے دل میں حرام مزہ لوٹنے والا یہ ڈاکو ہے، چور ہے، بے غیرت ہے، کمینہ ہے۔ جس کی کھاؤ اس کی گاؤ۔ (آفتاب نسبت مع اللہ، ص/269)

گناہ سے بچنے پر بے پایاں خوشی ملتی ہے

حضرتِ اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحبؒ نے ارشاد فرمایا کہ گناہ کر کے ہرگز اپنا دل خوش نہ کرو اور کسی مخلوق کا دل بھی خوش نہ کرو۔ بتاؤ! اپنا دل یا مخلوق کا دل خوش کرنا ہم پر لازم ہے یا اللہ تعالیٰ کو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش کرنا واجب ہے؟ جو پاور فل ہو اس کو خوش کرنے میں فائدہ

ہے یا کمزوروں کو خوش کرنے میں فائدہ ہے؟ میرے دوستو! یہ بتاؤ کہ عزت اور ذلت کس کے اختیار میں ہے؟ روزی کا گھٹانا اور بڑھانا کس کے اختیار میں ہے؟ خوشی اور غم کس کے اختیار میں ہے؟ تندرستی اور بیماری کس کے اختیار میں ہے؟ سکون و پریشانی کس کے اختیار میں ہے؟ موت اور زندگی کس کے اختیار میں ہے؟ قیامت کے دن کا فیصلہ کس کے اختیار میں ہے؟ آہ! ایسے طاقت والے اللہ کو ناراض کر کے اپنا یا مخلوق کا دل خوش کرنے والا بتاؤ انٹرنیشنل ڈونکی اینڈ مونکی ہے یا نہیں؟ اس لیے دوستو! اگر دونوں جہاں میں چین سے رہنا ہے تو اختر کی آہ سن لو اور اپنے مالک کو ایک لمحہ ناراض نہ کرو، اس بات کی کوشش کرو کہ اللہ کو ایک لمحہ ناراض کر کے دل میں حرام خوشیوں کو یعنی اندر نہ ہونے دو چاہے نفس کتنا ہی پن پن کرے کہ مجھے اس پیاری شکل کو دیکھنے دو، ہرگز مت دیکھو، دل پر غم اٹھالو، ایک لمحہ اللہ کو ناراض کر کے حرام خوشیاں اندر نہ آنے دو۔

واللہ! قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جو بندہ اللہ کو خوش کرتا ہے، اپنے دل میں حرام خوشیاں نہیں آنے دیتا اللہ تعالیٰ اس کو ایسی خوشیاں دیتا ہے جس کی کائنات میں مثل نہیں۔ اللہ بے مثل ہے، ان کے نام کی لذت اور مٹھاس اور ان کی عطا فرمودہ خوشی بھی بے مثل ہے۔ اور اللہ کیسی خوشی دیتے ہیں؟ قرآنِ پاک میں اللہ فرماتے ہیں: فَلَا تَعۡلَمُ نَفۡسٌ مَّاۤ اُخۡفِیَ لَهُمۡ مِّنۡ قُرَّةِ اَعۡیُنٍ۔

اللہ اپنے عاشقوں کی آنکھ کو وہ ٹھنڈک دیتا ہے جسے کوئی دوسرا نہیں جانتا اور آنکھ کی ٹھنڈک سے مراد دل کی ٹھنڈک ہے، یہ نہیں کہ آنکھ پر برف رکھ دی جیسے کہتے ہیں کہ میری آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں مطلب یہ کہ دل خوش ہو گیا، قرآن محاورۂ عرب پر نازل ہوا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت چھپا کر کیوں دی، سب پر ظاہر کیوں نہیں کی؟ اوّل تو ایسا کرنے سے پرچہ آؤٹ ہو جاتا، امتحان امتحان نہ رہتا، عالمِ غیب عالمِ غیب نہ رہتا، جب امتحان ہوتا ہے تو حکومت پرچہ آؤٹ ہونے دیتی ہے؟ اگر پرچہ آؤٹ ہو جائے تو دوبارہ امتحان ہوتا ہے، تو اللہ تعالیٰ پرچہ آؤٹ نہیں ہونے دیتے

کہ میرے عاشقوں کی ٹھنڈک کا سب کو علم ہو جائے گا۔ (آفتاب نسبت مع اللہ، ص/276)

دنیا کماؤ مگر خدا کو نہ بھولو

آہ! مرنے کے وقت پچھتاؤ گے۔ جو بھی اللہ کو نہیں پائے گا تو جب روح نکل جائے گی تو کاروبار، مرسڈیز، قالین اور موبائل سب یہیں رہ جائیں گے، تو اس وقت جس نے دل میں مولیٰ کو نہیں پایا وہ اللہ کے پاس دنیا سے حسرت زدہ اور غم زدہ جائے گا کہ آہ! دنیا پر مرے تھے اور دنیا چھوٹ گئی۔ لہٰذا دنیا کماؤ، مگر اللہ والوں کے پاس بھی آؤ تاکہ مولیٰ کو پاؤ اور مرتے وقت جب دنیا چھوٹ جائے اور تم کو ٹھینگا دِکھائے تو تم بھی دنیا پر تھوک دو کہ جاؤ مجھے تمہارے چھوٹنے کا کوئی غم نہیں ہے، میں اپنے دل میں اپنے مولیٰ کو لے کر جارہا ہوں، آج مجھ سے بڑا کوئی مال دار نہیں ہے، بادشاہ بھی کوئی چیز نہیں ہے اور بادشاہ کیا چیز ہے؟ باد معنیٰ ہوا، اس کی ہوا اس کے موافق چل گئی تو بادشاہ بن گیا۔

حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک بادشاہ کے پیٹ میں گیس بھر گئی، تو لوگوں نے اس سے کہا کہ فلاں بزرگ کے پاس چلیں وہ دعا کریں گے تو آپ کو صحت ہو جائے گی۔ اس نے کہا کہ بزرگ کو ہمارے پاس لے آؤ، ہم بادشاہ ہیں ہم کیوں جائیں؟ بزرگ بے چارے نرم آدمی تھے، وہ بادشاہ کے پاس آگئے اور کچھ پڑھ کر بادشاہ پر پھونکا تو بادشاہ کی پھونک نکل گئی۔ اس نے کہا کہ بھئی! یہ کتنا بڑا بزرگ ہے جو بادشاہوں کی پھونک نکال دیتا ہے۔ اس نے بزرگ سے کہا کہ مولانا مجھے مرید کرلیں، لہٰذا انہوں نے اسے مرید کرلیا۔

ایک مرتبہ وہ بزرگ عید کی نماز پڑھا رہے تھے، بیچارے بوڑھے آدمی جب رکوع میں گئے تو ان کی ہوا نکل گئی، اب جتنے حاسدین تھے سب نے بادشاہ سے جاکر شکایت کردی کہ آپ نے کیسا پیر بنایا ہے جس کی رکوع کی حالت میں ہوا نکل گئی۔ تو بادشاہ نے کہا کہ میں اعلان کرتا ہوں کہ اب اس کا

مرید نہیں رہا، یہ کیسا پیر ہے جس نے ہم کو بھی بدنام کیا کہ بادشاہ کا پیر ایسا ہے۔اب حسد کرنے والوں نے آکر ان بزرگ سے کہا کہ بادشاہ نے آپ کی مریدی توڑ دی، وہ سچے اللہ والے تھے، انہوں نے کہا کہ جب بادشاہ مرید ہوا تھا تو ہم کو کوئی خوشی نہیں ہوئی تھی اور جب بادشاہ نے بدعقیدہ ہوکر مریدی توڑ دی تب بھی کوئی غم نہیں ہوا۔حاسدین نے کہا کہ آپ تو بڑے ہائی پاور بزرگ ہیں، انہوں نے کہا کہ اس میں ہائی پاور کی کون سی بات ہے؟ ارے جب اس کی بدبودار ہوا نکلی تو میرا معتقد ہو گیا اور جب میری بدبودار ہوا نکلی تو غیر معتقد ہو گیا، تو جس کا عقیدہ دو بدبودار ہواؤں کے درمیان میں ہو تو ایسے مرید کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ (رشک اولیاء)

دل کے چین کی تدبیر کیا ہے؟

جس اللہ نے ہمارے سینوں میں دل بنایا ہے، اسی اللہ نے فرمایا کہ میری ہی یاد سے تم کو چین ملے گا۔ یہ تمہارے دل کی مشین ماں کے پیٹ میں امریکا اور روس نے نہیں بنائی، جاپان و جرمن نے نہیں بنائی، باپ کی منی اور ماں کے حیض پر تمہارے سینے میں دل میں نے فٹ کیا ہے تو اس مشین کا تیل میری یاد ہے۔ مجھے یاد کرو گے تو چین پاؤ گے، مجھے بھول جاؤ گے تو کروڑوں رین میں بھی بے چین رہو گے۔ یہ سمجھ لو کہ جہاں جاؤ گے وہیں لات اور گھونسے پاؤ گے، کیوں کہ میں جس سے ناراض ہوتا ہوں اپنی ساری مخلوق کو حکم دے دیتا ہوں کہ یہ میرا نافرمان ہے کہیں چین نہ پائے۔

حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس سے اللہ ناراض ہوتا ہے اس کے سارے رشتہ دار، اس کے بیوی بچے، اس کے گھوڑے، اس کے گدھے اور اس کا ہر جانور اس کا نافرمان ہو جاتا ہے کیوں کہ بڑے مالک کا نافرمان ہے، سارے عالم میں ہر طرف سے اس پر مصیبت آئے گی۔کتنا پیارا شعر فرمایا ؂

نگاہِ اقربا بدلی مزاجِ دوستاں بدلا
نظر اک اُن کی کیا بدلی کہ کل سارا جہاں بدلا

جس سے اللہ ناراض ہوتا ہے سارے جہاں کی نظر بدل جاتی ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ جب مجھ سے گناہ ہوجاتا ہے تو میرا گھوڑا بھی میری نافرمانی کرتا ہے، میرا گدھا بھی میری نہیں مانتا، میرے بیوی بچے بھی نافرمان ہوجاتے ہیں۔ اور بندہ جب توبہ کرتا ہے اور اللہ کے نام سے جب دل کو چین ملتا ہے تو پوری دنیا میں اسے چین نظر آتا ہے۔ یہ نظر تابع ہے دل کے۔ جب دل میں چین ہوگا تو اس کو ہر طرف چین نظر آئے گا اور جب دل پریشان ہوگا تو ہر طرف اس کو پریشانی نظر آئے گی، کیوں کہ بصارت تابع ہے بصیرت کے ؎

دل گلستاں تھا تو ہر شے سے ٹپکتی تھی بہار
دل بیاباں ہوگیا عالم بیاباں ہوگیا

جو اللہ کو ناراض کرتا ہے اس کا دل ویران کردیا جاتا ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ خالقِ گلستان ہیں، خالقِ بہار ہیں ان کو ناراض کرکے کہاں سے بہار پاؤ گے؟ مجھے اپنا ایک شعر یاد آیا کہ جس کے دل کو اللہ پیار سے دیکھ لے اسی وقت وہ دل گلستاں ہوجاتا ہے اور جس کے دل سے اللہ اپنی نظرِ کرم ہٹالے اسی وقت وہ دل جنگل اور بیابان ہوجاتا ہے ؎

جس طرف کو رُخ کیا تو نے گلستاں ہوگیا
تو نے رُخ پھیرا جدھر سے وہ بیاباں ہوگیا

دونوں جہاں میں اگر چین اور آرام سے رہنا چاہتے ہو تو دونوں جہاں کے پیدا کرنے والے کو راضی اور خوش کرلو۔ دنیا میں چین سے رہنے کی اور کوئی ترکیب نہیں ہے۔ امریکا، روس، جرمن اور جاپان اور انٹرنیشنل قوانین ہمارے قلب کے اطمینان کی ضمانت نہیں لے سکتے، کیوں کہ جس نے ہم کو پیدا کیا ہے وہی ہمارے دل کی مشین کے تیل کو جانتا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنی یاد میں ہمارے چین اور اطمینان کی بشارت دی ہے کہ مجھے یاد کرتے رہو گے تو چین سے رہو گے اور مجھ کو بھول کر حرام لذتوں کے پیچھے دوڑنا، چوری اور ڈاکہ اور کالی اور گوری عورتوں کو دیکھ دیکھ کر للچانا کہ آہا

!کیسی نمکین صورت جارہی ہے اور یہ گوری کیسی ہے! ان باتوں سے دل بالکل چین نہیں پا سکتا، ایسا بے چین رہے گا جیسے مچھلی بغیر پانی کے۔اس لیے ؎

نہ کالی کو دیکھو نہ گوری کو دیکھو
اسے دیکھو جس نے انہیں رنگ بخشا

جس نے ان کو کلر دیا ان کو دیکھو کہ وہ انہیں دیکھنے سے منع کر رہا ہے۔قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں خبردار! اپنی بیوی کے علاوہ کسی کی بہو بیٹی کو مت دیکھو، کسی کی ماں بہن کو مت دیکھو۔ میں بھی تمہارے دیکھنے کو دیکھ رہا ہوں۔ جب تم اِدھر اُدھر دیکھتے ہو تو تمہاری نظر میرے دائرۂ نظر سے خارج نہیں ہوتی۔ہم تمہاری نظر پر نظر جمائے ہیں کہ اے خبیث الطبع! نمک میرا کھاتا ہے، لیکن میری مرضی کے خلاف کہاں دیکھتا ہے، کدھر دیکھتا ہے۔(از: حکیم اختر صاحبؒ)

اہلِ محبت مرتد اور گمراہ نہیں ہو سکتے

فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ معلوم ہوا کہ دنیا بھر کے عاشقانِ خدا ایک قوم ہیں اور اس آیت سے یہ بھی پتا چلا کہ جتنے لوگ مرتد اور گمراہ اور اللہ سے بے وفا ہوتے ہیں یہ عاشق نہیں ہیں، یہ صرف عقل سے اسلام لائے تھے، کیوں کہ عاشق کبھی بے وفا نہیں ہوتا۔حکیم الامّت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ علماء دین سے مسائل پوچھ لو مگر زندگی عاشقوں کے ساتھ گزارو، کیوں کہ عاشق بے وفا نہیں ہوتا:

جَالِسُوا الْكُبَرَاءَ وَسَاءِلُوا الْعُلَمَاءَ وَخَالِطُوا الْحُكَمَاءَ۔

بڑے بوڑھوں کے پاس بیٹھو اور علماء سے مسئلے بھی پوچھو، لیکن اللہ والوں کے پاس رات دن زندگی گزارو تا کہ تم بھی اہلِ محبت اور اہلِ وفا بن جاؤ۔وفاداروں کے ساتھ رہنے سے وفاداری آتی

ہے، لیکن اگر تم کسی وفادار شیخ کے ساتھ رہ کر وفاداری نہیں سیکھتے تو پھر مجھے مجبوراً کہنا پڑے گا کہ یہ سموسہ خوری ہے، وفاداری کا ذوق اس بے غیرت کو نہیں ہے۔ میں دردِ دل سے اللہ کی محبت پیش کر رہا ہوں کہ کھانا پینا اس شخص کا بے وفائی اور غدّاری ہے جو اللہ کا رزق کھا کر اللہ کی نافرمانی کرتا ہے یعنی گناہ سے نہیں بچتا۔ بتائیے اللہ کا رزق کھا کر کسی کی بہو بیٹی کو دیکھنا یا کسی کے بیٹے کو دیکھنے والا شخص کمینہ ہے یا نہیں؟ بے غیرت ہے یا نہیں؟ نمک حرام ہے یا نہیں؟ اللہ کا نمک کھا کر ایسی ہمت سے کام لو کہ ایک سانس بھی مالک کو ناراض نہ کرو، زندگی اُن پر دے کر دیکھو کہ کیا مزہ ملتا ہے۔ جو زندگی مالک پر فدا ہوتی ہے اسے کیا ملتا ہے ؎

زندگی پُر بہار ہوتی ہے
جب خدا پر نثار ہوتی ہے

جو زندگی مالک پر قربان ہوتی ہے وہی پُر بہار ہوتی ہے اور اس زندگی پر بے شمار زندگی برستی ہے۔ جہاں کوئی اللہ والا بیٹھے گا اس پر اتنی زندگی برستی ہے کہ جو پریشان اور ڈپریشن والے آتے ہیں ان کی زندگی بھی پُر بہار ہو جاتی ہے۔ اللہ کے علاوہ کہیں چین نہیں مل سکتا۔

اللہ کیسے ملتا ہے؟

لیکن اللہ ایسے نہیں ملتا، کسی اللہ والے سے ملتا ہے۔ میرے مرشد اوّل شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جن کو بارہ مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی تھی اور ایک دفعہ میرے شیخ نے مجھ سے فرمایا کہ حکیم اختر! میں نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح دیکھا کہ آپ کی مبارک آنکھوں کے لال لال ڈورے بھی مجھے نظر آئے اور میں نے خواب ہی میں عرض کیا کہ یارسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)! کیا عبدالغنی نے آپ کو خوب دیکھ لیا؟ ارشاد فرمایا کہ ہاں

عبدالغنی، آج تم نے اللہ کے رسول کو خوب دیکھ لیا۔ اس شیخ کے ساتھ اختر جنگل میں دس سال رہا ہے اور کل ملاکر سترہ سال رہا ہے۔ میں ایسے ہی آ کے یہاں نہیں بیٹھ گیا ہوں۔ مجھے میرے رب نے اپنے پیاروں کے ساتھ ایک طویل زمانہ عطا فرمایا ہے۔ تو میرے شیخ فرماتے تھے کہ آم ملتا ہے آم والوں سے، امرود ملتا ہے امرود والوں سے، کپڑا ملتا ہے کپڑے والوں سے، مٹھائی ملتی ہے مٹھائی والوں سے، کباب ملتا ہے کباب والوں سے، اور اللہ ملتا ہے اللہ والوں سے۔ اب آپ کہیں گے کہ بھئی مٹھائی، کپڑا، آم، امرود کی مثال سب پہلے اور آخر میں آپ کباب کیوں بیان کرتے ہیں؟ تو بات یہ ہے کہ کباب مجھے بہت پسند ہے ؎

کچھ نہ پوچھو کباب کی لذت

ایسے جیسے شباب کی لذت

اور بزرگوں نے فرمایا کہ جو گناہ سے بچنے پر اور حسینوں سے اپنے دل کو بچانے پر غم اٹھاتا ہے تو خدا کے عشق و محبت کے غم سے اس کا دل جلا بھنا کباب ہوجاتا ہے، تو جب اندر دل کباب ہوتا ہے تو باہر کے کباب خود اس دل سے ملنا چاہتے ہیں، کبوتر کبوتر سے ملنا چاہتا ہے اور کباب کباب سے ملنا چاہتا ہے۔ جب ساری دنیا کے کباب دیکھتے ہیں کہ اس کے دل میں کباب ہے تو **اَلْجِنْسُ یَمِیْلُ اِلَی الْجِنْسِ**۔ جنس اپنی جنس کی طرف مائل ہوتی ہے۔

علماء کے رزق کے لیے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک خاص دعا

ایک صاحب نے کہا کہ مولویوں کو مرغا کیوں ملتا ہے؟ جہاں جاتے ہیں ان کو دعوتوں میں مرغا ملتا ہے۔ میں نے کہا چوں کہ انہوں نے اپنے نفس کو مرغا بنا رکھا ہے، اللہ کا فرماں بردار بنا رکھا ہے، لہٰذا سارے عالم کے مرغے دیکھتے ہیں کہ اس کے اندر ہماری برادری موجود ہے، تو سارے عالم

کے مرغے سیدھے ہمارے پیٹ میں خود داخل ہونا چاہتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تھی کہ اے اللہ! عالَم کی روزی کو سارے عالَم میں پھیلا دے تا کہ جب یہ اپنا رزق کھانے جائے تو میرا دین بھی پھیلائے، لہٰذا مولویوں کو جو دعوت ملتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے صدقہ میں ملتی ہے۔ جو مولوی کی دعوت کرے تو سمجھ لے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا صدقہ ہے اور شکر کرے کہ وہ دعا اس کے حق میں قبول ہو رہی ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو ذریعہ بنا رہے ہیں۔

ایک دلچسپ لطیفہ

ایک بادشاہ تھا اس نے اعلان کیا کہ جو ہمارے ہاتھی کو رُلا دے اس کو ہم بہت انعام دیں گے۔ بڑے بڑے مصیبت زدہ آئے اور کان میں کہا کہ میرا بیٹا مرگیا، کسی نے کہا کہ میری تجارت لاس (Loss) میں جارہی ہے اور کسی نے کہا کہ میری بیوی کو کینسر ہوگیا، لیکن کسی کی مصیبت سن کر ہاتھی بالکل نہیں رویا۔ مگر ایک مولوی نے جب اس کے کان میں کچھ کہا تو ہاتھی زار و قطار رونے لگا۔ لوگوں نے کہا کہ مولوی صاحب! آپ نے اس کے کان میں کیا کہہ دیا؟ کہا کہ میں نے اسے اپنی تنخواہ بتادی۔ بس اتنی تھوڑی سی تنخواہ کا سن کر ہاتھی بھی رونے لگا کہ بیچارے کا کیسے گزارہ ہوتا ہوگا۔ ہاتھی تو رو پڑا مگر کمیٹی والوں کے آنسو نہیں نکلتے، اللہ ان کے دل میں بھی رحم ڈال دے۔

خیر تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے فرمایا کہ ہم اپنے عاشقوں کی ایک قوم پیدا کریں گے، لہٰذا جس شخص کو دنیا میں اللہ تعالیٰ کی محبت معلوم ہونے لگے اللہ کی یاد میں رونے لگے، اللہ والوں کو دیکھ کر پوچھنے لگے کہ ہمیں بھی سکھادو کہ اللہ کیسے ملتا ہے، اللہ کے لیے جنگلوں میں جا کر اکیلا رو رہا ہو کوئی پاس نہ ہو اور اللہ سے کہہ رہا ہو ؎

اپنے ملنے کا پتا کوئی نشاں
تو بتا دے مجھ کو اے ربِّ جہاں

توسمجھ لو کہ اس کے دل پر اس آیت کی تجلی کا ظہور ہو رہا ہے۔ میرے شیخ نے فرمایا کہ ایک مجذوب نے کہا کہ اے اللہ! تو کیسے ملتا ہے؟ میں کیا قربانی دوں کہ تو مل جائے؟ آسمان سے آواز آئی کہ دونوں جہاں دے دے، اس مجذوب نے کہا ؎

قیمتِ خود ہر دو عالم گفتئی

نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

اے خدا! اپنی قیمت آپ نے دونوں جہاں بتائی ہے، دام اور بڑھایئے کہ اس قیمت پر تو آپ ابھی سستے معلوم ہوتے ہیں۔

اللہ کے باوفا بندوں کی پہلی علامت

اور اس کی علامت کیا ہے؟ **یُحِبُّهُمْ** اللہ تعالیٰ اس سے محبت فرمائیں گے **وَیُحِبُّوْنَهٗ** اور وہ بندے بھی اللہ سے محبت کریں گے۔ اللہ نے اپنی محبت کو پہلے اور اپنے عاشقوں کے عشق کو بعد میں کیوں بیان فرمایا؟ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر روح المعانی میں فرماتے ہیں کہ: **قَدَّمَ اللّٰهُ تَعَالٰی مَحَبَّتَهٗ عَلٰی مَحَبَّةِ عِبَادِهٖ**۔ اللہ نے اپنی محبت کو بندوں کی محبت سے پہلے اس لیے بیان کیا تاکہ میرے بندے جان جائیں اور ایمان لائیں اور یقین کرلیں کہ: **اَنَّهُمْ یُحِبُّوْنَ رَبَّهُمْ بِفَیْضَانِ مَحَبَّةِ رَبِّهِمْ** ۔ یہ جو اللہ سے محبت کررہے ہیں اور ان کو جو روزہ نماز کی فکر ہورہی ہے، اللہ کی جستجو ہورہی ہے، جنگلوں میں آہ وزاری ہورہی ہے، پہاڑوں کے دامن میں اکیلے رو رہے ہیں اور اللہ والوں کو تلاش کررہے ہیں یہ جتنے کارنامے ہورہے ہیں یہ سب میری محبت کا فیضان ہے، یہ ان کے دل میں۔ **فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ** کی تجلی کا ظہور شروع ہوگیا ہے، ربّا کے فیضانِ محبت کے آثار شروع ہوگئے ہیں۔

باوفا بندوں کی دوسری علامت

حضرت اقدس حکیم اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: محبت کی دوسری علامت کیا ہے؟ اَذِلَّۃٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ مسلمانوں کے سامنے اپنے کو مٹادیتے ہیں، مومنین سے نہایت تواضع سے ملتے ہیں، اپنے کو سب سے کمتر سمجھتے ہیں، ان میں تکبر نہیں ہوتا۔ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب کسی بستی میں بادشاہ فاتحانہ داخل ہوتا ہے تو وہاں کے بڑے بڑے سرداروں اور سرکشوں کو گرفتار کرلیتا ہے تاکہ میری حکومت میں گڑبڑ نہ کریں۔ تو اللہ تعالیٰ جس کے دل میں اپنی عظمت کا جھنڈا لہراتا ہے، تکبر کے چوہدریوں کو پکڑ لیتا ہے، پھر اس کے دل میں تکبر نہیں رہتا، وہ مٹ جاتا ہے۔ میرے شیخ حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جس آم کی شاخ میں زیادہ پھل آتا ہے وہ جھک جاتی ہے اور جس میں پھل نہیں ہوتا وہ اکڑی رہتی ہے، تو اکڑے رہنا تکبر کی نشانی ہے اور یہ دلیل ہے کہ اس نے مولیٰ کو نہیں پایا۔ جس کے دل میں مولیٰ آتا ہے تو وہ اللہ کی عظمتوں کے سامنے جھک جاتا ہے، اس کی چال بدل جاتی ہے۔ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا۔

اللہ کے خاص بندے زمین پر اپنے کو مٹا کر تواضع کے ساتھ چلتے ہیں۔ میرے شیخ حضرت والا پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ مجھ پر ایک زمانہ میں اللہ تعالیٰ کی عظمت کا ایسا غلبہ ہوا کہ دو مہینہ تک مارے شرم کے عبدالغنی نے آسمان نہیں دیکھا۔ ایسا لگتا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہم کو دیکھ رہا ہے۔ جس پر اللہ کی عظمت اور بڑائی کا غلبہ ہوتا ہے، جب اللہ کی عظمت دل میں آتی ہے تو وہ اپنے کو مٹا دیتا ہے وہ پھر اَذِلَّۃٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کا مصداق ہوتا ہے۔

اہلِ وفا کی تیسری علامت

اللہ کے باوفا بندوں کی تیسری علامت کیا ہے؟ یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ جس کی چار تفسیر ہے:

(۱) اَلَّذِیْنَ یَخْتَارُوْنَ الْمَشَقَّةَ فِی ابْتِغَاءِ مَرْضَاتِنَا۔ مجھ کو خوش کرنے کے لیے تکلیف اٹھاتے ہیں، مجاہدہ کرتے ہیں، دل پر غم اٹھا لیتے ہیں، لیکن اپنا دل خوش کرنے کے لیے مجھ کو ناراض نہیں کرتے، ورنہ یہ کیسا غلام ہے کہ دل بھی غلام، سر بھی غلام، آنکھ بھی غلام مگر اس کی غلامی دائرۂ غلامی سے ایگزٹ (Exit) کیوں ہو رہی ہے؟ نامناسب اور حرام جگہ کیوں نظر مارتا ہے، دل میں گندے خیالات کیوں لاتا ہے؟ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ جس سے محبت فرماتے ہیں اس کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنے مالک کو ہر وقت خوش رکھتا ہے، ہر غم کو اٹھا لیتا ہے لیکن مالک کو ناراض نہیں کرتا۔ یہی دلیل ہے کہ یہ اللہ کا مقبول بندہ ہے۔ جو مقبول ہوتا ہے وہ مردود کام نہیں کرتا۔ اس کی مقبولیت کی یہی دلیل ہوتی ہے کہ وہ ہر وقت اللہ کے محبوب کام کرتا ہے، جان دے دیتا ہے لیکن نمک حرامی نہیں کرتا، حرام لذت امپورٹ نہیں کرتا۔ کہتا ہے کہ اے اللہ! جان دے دوں گا لیکن آپ کو ناخوش کر کے ایئر ہوسٹس کو نہیں دیکھوں گا۔

گناہ سے بچنے کا آسان مراقبہ

گناہ سے بچنے کا آسان مراقبہ کیا ہے؟ کہ اگر جہاز پر دیکھا کہ گوری ایئر ہوسٹس ہے وائٹ کلر کی اور پنڈلی کھلی ہوئی ہے، تو اس سے نظر کو فوراً ہٹالو اور نظر بچا کر پھر مراقبہ کرو کہ اس کا وائٹ کلر کا پاخانہ اس کی پنڈلیوں پر بہہ رہا ہے اور دس ہزار مکھیوں کی بریگیڈ کی بریگیڈ اس کی ایک ایک پنڈلی پر لگی ہوئی ہے، دس ہزار مکھیاں اس کی پنڈلیوں پر بھنک رہی ہیں۔ ان شاء اللہ نفرت ہو جائے گی، مگر دیکھ کر یہ مراقبہ مفید نہیں ہوتا، نظر ہٹانے کے بعد فائدہ کرتا ہے، کیوں کہ دیکھنے سے تو عقل مفتون ہو جاتی ہے اور اللہ کی لعنت میں آجاتی ہے۔

حضرت حکیم اختر صاحبؒ نے فرمایا: ایک حاجی صاحب نے نے مجھ سے کہا کہ مولانا! دیکھیے کیا بے پردگی کا زمانہ آگیا، مولانا دیکھیے ٹانگ کھولے ہوئے چل رہی ہیں لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللہ۔ میں

نے کہا کہ ظالم دیکھ بھی رہا ہے اور لاحول ولاقوۃ بھی پڑھ رہا ہے، یہ لاحول فائدہ نہیں کرتا۔ پہلے نظر ہٹاؤ پھر لاحول پڑھو، یہ لاحول تو تمہارے اوپر خود لاحول پڑھ رہا ہے اور مولانا کو بھی شامل کرنا چاہ رہے ہیں۔ بہت چالاک لوگ ہوتے ہیں۔ اے مولویو! ہوشیار رہنا، جب کوئی کہے کہ مولانا دیکھو کیا بے حیائی کا زمانہ آ گیا، تو سمجھ لو یہ تمہیں اپنی حرام لذت میں ''اِن'' (in) کر رہا ہے۔

(۲) اللہ کے باوفا بندے اللہ کے راستے میں اور کیا مجاہدہ کرتے ہیں؟

اَلَّذِیْنَ یَخْتَارُوْنَ الْمَشَقَّۃَ فِیْ نُصْرَۃِ دِیْنِنَا جو دین پھیلانے کے لیے اپنی جان اور مال، اپنا علم اور وقت قربان کرتے ہیں۔

(۳) اَلَّذِیْنَ یَخْتَارُوْنَ الْمَشَقَّۃَ فِی امْتِثَالِ اَوَامِرِنَا جو میرا ہر حکم بجالاتے ہیں اور حکم کے بجالانے میں جو بھی تکلیف ہو برداشت کرتے ہیں، چاہے رمضان کے روزے ہوں، چاہے زکوٰۃ دینا ہو، چاہے حج کرنا ہو، چاہے جہاد کرنا ہو اور چاہے نماز پڑھنا ہو۔

(۴) اَلَّذِیْنَ یَخْتَارُوْنَ الْمَشَقَّۃَ فِی الْاِنْتِہَاءِ عَنْ مَّنَاھِیْنَا۔ جو گناہ سے بچنے میں ہر تکلیف کو برداشت کرتے ہیں، غرض میرے عاشقوں کی ہر ادا میری محبت کی غماز ہے۔

مجاہدہ سے محبت نصیب ہوتی ہے

حضرت حاذق الامتؒ تزکیہ پر بہت توجہ کے ساتھ ساتھ مجاہدہ کا بھی شوق ورغبت دلاتے تھے۔ ایسے ایسے واقعات سناتے تھے کہ مجاہدہ آدمی کے لئے آسان ہو جائے اور اس کو لطف آنے لگے۔ مجاہدہ کی ایسی عظیم اور اتنی آسان تعریف فرمائی ہے فرماتے ہیں۔ ''تزکیۂ نفس کے اندر مجاہدہ ہے اور مجاہدہ سے قرب حاصل ہوتا ہے اور مجاہدہ پر انعام ہے وعدۂ وصال ہے اور معیت اس کا انجام ہے اس پر نص ہے۔ درجہ احسان تک یہ مجاہدہ پہنچا دیتا ہے مجاہدہ اخلاص سے شروع ہوتا ہے اور احسان پر ختم ہو جاتا ہے خاص بات یہ بھی ہے کہ تزکیہ کی برکت سے تواضع اور عاجزی پیدا ہوتی

ہے اور نفس کی شرارتوں پر دھیان رہتا ہے اعتدال کا راستہ نصیب ہوتا ہے اور نہ افراط ہے اور نہ تفریط ہے۔ (سوانح حیات حضرت حاذق الامت،ص/152)

اہل مجاہدہ کی نو خصلتیں

حضرت قطب ربانی شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ محاسبہ اور مجاہدہ نفس کرنے والے اہل طریقت کے لئے دس عمدہ خصلتیں ہیں جن پر وہ عمل پیرا رہے۔ جب وہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت میں ان خصائل پر قائم اور راسخ ہوجاتے ہیں تو معرفت اور روحانیت کے بلند مقامات پالیتے ہیں۔

پہلی خصلت: کوئی شخص قصداً یا سہواً (جان بوجھ کر یا بھول چوک سے) جھوٹی یا سچی قسم ہرگز نہ کھائے خواہ وہ قسم اللہ کے نام سے ہو، اس کی کتاب مقدس کے نام سے ہو یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے یا کسی بھی طرح سے ہو۔

دوسری خصلت: کوئی شخص احتیاطاً یا ہنسی مذاق کے طور پر بھی جھوٹ بولنے سے احترام کرے۔ اگر وہ اپنی زبان کو سچ کا عادی بنائے گا تو اللہ تعالیٰ اسے شرح صدر عطا فرمائے گا اور علوم ومعرفت کے لئے اس کا سینہ کھول دے گا۔

تیسری خصلت: کوئی شخص جب کسی سے کوئی وعدہ کرے تو اپنے وعدوں کی خلاف ورزی ہرگز نہ کرے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے ایمان والو! تم اپنے عہد و پیمان کی تعمیل کیا کرو کیوں کہ تم سے تمہارے وعدوں کے متعلق باز پرس ہوگی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنے عہد و پیمان کی پابندی نہیں کرتا اس میں ایمان ہی نہیں۔

چوتھی خصلت: کسی انسان یا کسی چیز پر لعنت ملامت نہ کرے، کہ یہ حق صرف اللہ تعالیٰ کو پہنچتا ہے۔ عالم الغیب ہونے کی بنا پر کائنات میں اسی کی ذات عالی ہے، جو اس بات سے باخبر ہے کہ

کون سا شخص یا کون سی چیز لعنت کے قابل ہے اور معتوب و مغضوب ہونے کی مستحق ہے۔ پس لعنت نہ کرنا اور مخلوقات کو ایذا اور ضرر نہ پہنچانا، اولیاء اللہ اور ابرارین وصدیقین کی صفت ہے۔ اور اس ضمن میں ان کی متابعت کرنے والوں کے درجات دنیا اور عقبیٰ میں بلند کئے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے ایمان کی حفاظت فرماتا ہے۔ سبحان اللہ۔

پانچویں خصلت: مسلمان کو لازم ہے کہ کسی کے حق میں بددعا کرنے سے پرہیز کرے۔ اگر اس کی طرف سے زیادتی اور بے رحمی ہوئی ہے تو اس کے لئے بدعا کرنے کی بجائے اس کے راہ راست پر آنے کی دعاء کرے۔

اب تک کی بیان کردہ پانچ پاکیزہ خصلتوں میں مجھے سب سے زیادہ بھاری اور سب سے زیادہ مشکل یہی بات نظر آئی کہ جو تم پر ظلم کرے تم اس کے لئے دعاء کرو۔ بے شک یہ کام اتنا آسان بھی نہیں ہے۔ اس کی عادت اس طرح ڈالی جاسکتی ہے کہ جب بڑے دکھ، بڑے ہی اضطراری کیفیت میں ہمارا ہاتھ اپنے مولائے مہربان کی طرف اٹھا ہوا ہو، دل سے ہوک اٹھ رہی ہو تو یہ سوچ کر کہ شاید یہی وقت دعاء کی قبولیت کا ہو تو بجائے اس کے کہ ہم کسی کے لئے بددعا کریں ہم اپنے لئے دعا کیوں نہ کریں۔ یہ ایک ایسا آزمودہ نسخہ ہے جس کی تاثیر بیان نہیں کرسکتی۔ پھر آہستہ آہستہ ہماری زبان صرف دعاء کی عادی بن جائے گی ہمارا آزمایا ہوا ایک دوسرا نسخہ بھی ہے، جو اپنے آقا ومولیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے محبت کرنے والے ہیں، ان کے لئے اس کو کرنا بالکل مشکل نہیں ہوتا۔ یہ مجھ پر اس وقت آسان ہوا جب مجھے ایک بزرگ کے احوال کی بابت معلوم ہوا کہ جو فرماتے تھے کہ اس ضعیف حدیث پر بھی میری کوشش ضرور ہوتی ہے کہ کم از کم زندگی میں ایک بار اس پر ضرور عمل کرلوں تاکہ کل حشر کے دن آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم یہ نہ کہیں کہ فلاں حدیث جب میرے حوالہ سے پہنچی تھی تو تو نے اس پر عمل کیوں نہیں کیا؟ اس بات نے مجھے

روشنی دکھائی کہ یہ بات تو میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت رہی ہے، کہ جب جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ظلم ہوا آپ نے اس ظلم کا جواب دعا سے دیا۔ سبحان اللہ والصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ میری پیاری بہن اور بھائی! آپ بھی اس نسبت پر عمل پیرا ہو کر دیکھیں، یہ مشکل کام بھی آسان ہو جائے گا، انشاء اللہ، یہ ایک ایسی خصلت ہے جو آپ کے حق میں مؤجب بلندی درجات ثابت ہوگی۔

چھٹی خصلت: مومنین اور اہل قبلہ میں سے کسی شخص پر وثوق کیساتھ کافر و مشرک یا منافق ہونے کا حکم نہ لگائے بلکہ اپنے ہی ایمان و یقین کی نگہداشت میں لگا رہے۔

ساتویں خصلت: انسان گناہ و معصیت میں مبتلا کرنے والی یا حرام چیزوں کو دیکھنے یا انکی طرف راغب ہونے سے پرہیز کرے اور اپنے اعضاء کو نواہی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ممنوع قرار دی ہوئی چیزوں سے باز رکھے۔ یہ احکام الٰہی کا احترام ہے۔ جس کیلئے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دنیا و آخرت میں عزت و سربلندی عطا فرماتا ہے۔

آٹھویں خصلت: مخلوقات میں سے کسی پر خواہ مخواہ بڑا ہو یا چھوٹا اپنا بوجھ ناروا طریقے پر نہ ڈالے اور انہیں ظلم و زیادتی سے مکلف نہ کرے، یہ خصلت دیندار اور ذاکر و عابد لوگوں کی عزت ہے اور اس کی تعمیل سے وہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی قوت و توفیق پاتے ہیں۔ یہ خصلت توحید و اخلاص کا بلد رتبہ پانے کے لئے سب سے اہم ہے۔

نویں خصلت: حرص ہوس کا اتباع نہ کرے، اللہ تبارک وتعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں پر حمد و شکر بجا لائے یہ توکل کی روح ہے اور اعتماد علی اللہ کا اصول۔ یہ ان برگزیدہ بندگان حق اور اولیاء اللہ کی علامت ہے۔ جنہوں نے مخلوقات سے روابط منقطع کر کے اللہ تعالیٰ سے اپنے روحانی و معنوی تعلق کو محکم واستوار کیا اور انہیں دنیا و عقبیٰ میں سر بلندی عطا کیا۔ (تزکیہ نفوس منگراول اعظم گڈھ، نجمہ باجی بحرین، ص: ۱۴)

شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ کا مجاہدہ

ایک روز فرمایا کہ شاہ ابوسعید گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ بغرض بیعت شاہ نظام الدین بلخی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بلخ تشریف لے گئے شاہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کو اطلاع ہوئی کہ صاحبزادہ تشریف لاتے ہیں تو ایک منزل پر آ کر استقبال کیا اور بہت اعزاز واحترام کے ساتھ لیکر بلخ پہونچے، وہاں پہونچ کر صاحبزادہ صاحب کی خوب خوب خاطریں کیں ہر روز نئے نئے اورلذیذ کھانے پکوا کر کھلاتے انکو مسند پر بٹھاتے خود خادموں کی جگہ بیٹھتے آخر جب شاہ ابوسعیدؒ نے اجازت چاہی کہ وطن واپس ہوں تو شاہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سی اشرفیاں بطور نذر پیش کیں اس وقت شاہ ابوسعیدؒ نے عرض کیا کہ ''حضرت اس دنیوی دولت کی مجھے ضرورت نہیں ہے نہ اس کے لئے میں یہاں آیا مجھے تو وہ دولت چاہئے جو آپ ہمارے یہاں سے لیکر آئے ہیں'' پس اتنا سننا تھا کہ شاہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کی آنکھ بدل گئی اور جھڑک کر فرمایا جاؤ طویلہ میں جا کر بیٹھو اور کتوں کے دانہ راتب کی فکر رکھو، غرض یہ طویلہ میں آئے شکاری کتے ان کی تحویل میں دیدئے گئے کہ روز نہلائیں دھلائیں اور صاف ستھرا رکھیں، کبھی حمام جھکوایا جاتا اور کبھی شکار کے وقت شیخ گھوڑے پر سوار ہوتے اور یہ کتوں کی زنجیر تھام کر ہمراہ چلتے، آدمی سے کہدیا گیا کہ یہ شخص جو طویلہ میں رہتا ہے اس کو دو روٹیاں جو کی دونوں وقت گھر سے لا دیا کرو اب شاہ ابوسعید صاحبؒ جب کبھی حاضر خدمت ہوتے تو شیخ نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھتے چماروں کی طرح دور بیٹھنے کا حکم فرماتے اور التفات بھی نہ فرماتے تھے کہ کون آیا اور کہاں بیٹھا، تین چار ماہ بعد جب ایک روز حضرت شیخ نے بھنگن کو حکم دیا کہ آج طویلہ کی لید اکٹھی کر کے لے جائے تو اس دیوانہ کے پاس سے گزر یو جو طویلہ میں بیٹھا رہتا ہے چنانچہ شیخ کے ارشاد کے بموجب بھنگن نے ایسا ہی کیا پاس سے گزری کہ کچھ نجاست شاہ ابوسعید پر پڑی شاہ ابوسعید کا چہرہ غصہ سے لال ہو گیا تیوری چڑھا کر

بولے'' نہ ہوا گنگوہ ورنہ اچھی طرح مزا چکھا تا غیر ملک ہے شیخ کے گھر کی بھنگن ہے اس لئے کچھ کر نہیں سکتا'' بھنگن نے قصہ حضرت شیخ سے عرض کر دیا حضرت نے فرمایا'' ہاں ابھی بو ہے صاحبزادگی کی'' پھر دو ماہ تک خبر نہ لی اس کے بعد بھنگن کو حکم ہوا کہ آج پھر ویسا ہی کرے بلکہ قصداً کچھ غلاظت شاہ ابوسعید پر ڈال کر جواب سنے کہ کیا ملتا ہے چنانچہ بھنگن نے پھر ارشاد کی تعمیل کی اس مرتبہ شاہ ابوسعید نے کوئی کلمہ زبان سے نہیں نکالا ہاں تیز اور ترچھی نگاہ سے اس کو دیکھا اور گردن جھکا کر خاموش ہو رہے، بھنگن نے آ کر حضرت شیخ سے عرض کیا کہ آج تو میاں کچھ بولے نہیں تیز نظروں سے دیکھ کر چپ ہو رہے حضرت شیخ نے فرمایا'' ابھی کچھ بو باقی ہے'' پھر دو چار ماہ کے بعد بھنگن کو حکم دیا کہ اس مرتبہ لید گوبر کا بھرا ٹوکرا سر پر پھینک دیجیو کہ پاؤں تک بھر جائیں چنانچہ بھنگن نے ایسا ہی کیا مگر شاہ ابوسعید بن چکے تھے جو کچھ بننا تھا اس لئے گھبرا گئے اور گڑ گڑا کر کہنے لگے'' مجھ سے ٹھوکر کھا کر بیچاری گر گئی کہیں چوٹ تو نہیں لگی'' فرما کر گری ہوئی لید جلدی جلدی اُٹھا کر ٹوکرے میں ڈالنی شروع کی کہ'' لا میں بھر دوں'' بھنگن نے قصہ حضرت شیخ سے آ کہا کہ آج تو میاں جی غصہ کی جگہ الٹے مجھ پر ترس کھانے لگے اور لید بھر کر میرے ٹوکرے میں ڈال دی شیخ نے فرمایا'' بس اب کام ہو گیا'' اسی دن شیخ نے خادم کی زبانی کہلا بھیجا کہ آج شکار کو چلیں گے کتوں کو تیار کر کے ہمراہ ہونا، شام کو شیخ گھوڑے پر سوار خدام کا مجمع ساتھ جنگل کی طرف چلے شاہ ابوسعید کتوں کی زنجیر تھامے پا بہ رکاب ہمراہ ہو لئے، کتے تھے زبردست شکاری کھاتے پیتے توانا اور ابو سعید بچارے سوکھے بدن کمزور اس لئے کتے ان کے سنبھالے سنبھلتے نہ تھے بہتیرا کھینچتے روکتے مگر وہ قابو سے باہر ہوئے جاتے تھے آخر انہوں نے زنجیر اپنی کمر سے باندھ لی شکار جو نظر پڑا تو کتے اس پر لپکے اب شاہ ابوسعید بیچارے گر گئے اور زمین پر گھسٹتے کتوں کے ساتھ کھنچے کھنچے چلے جاتے تھے کہیں اینٹ لگی کہیں کنکر چبھی بدن سارا لہولہان ہو گیا مگر انہوں نے اف نہ کی جب دوسرے

خادم نے کتوں کو روکا اور ان کو اٹھایا تو یہ تھر تھر کانپیں کہ حضرت خفا ہونگے اور فرمائیں گے حکم کی تعمیل نہ کی کتوں کو روکا کیوں نہیں؟ شیخ کو تو امتحان منظور تھا سو ہولیا اسی شب شیخ نے اپنے مرشد قطب العالم شیخ عبد القدوس کو خواب میں دیکھا کہ رنج کے ساتھ فرماتے ہیں۔ ''نظام الدین میں نے تو تجھ سے اتنی کڑی محنت لی نہ تھی جیسی تو نے میری اولاد سے لی''۔ صبح ہوتے ہی شاہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ کو طویلہ سے بلا کر چھاتی سے لگالیا اور فرمایا خاندان چشتیہ کا فیضان میں ہندوستان سے لیکر آیا تھا تم ہی ہو جو میرے پاس سے اس فیضان کو ہندوستان لئے جاتے ہو مبارک ہو وطن جاؤ غرض مجاز طریقت بنا کر ہندوستان واپس فرمایا۔ (فیضان گنگوہی، ص/115)

ایک عجیب کرامت

ایک روز فرمایا قصبہ لوہاری میں جس جگہ حضرت میاں جی نور محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشریف رکھتے تھے وہاں ایک مجذوب پنجابی رہتے تھے اور اتفاقاً اس جگہ حضرت حاجی عبد الرحیم صاحب ولایتی شہید رحمۃ اللہ علیہ تشریف رکھتے تھے وہ مجذوب اکثر حضرت حاجی صاحب شہیدؒ کے خدام سے یوں کہا کرتے تھے ''او تمہارا حاجی بڑا بزرگ ہے''۔ حضرت حاجی صاحب شہیدؒ جب بغرض زیارت حرمین شریفین عرب کو گئے تو ایک دن جہاز میں حضرت کے ہاتھ سے لوٹا چھوٹ کر سمندر میں گر گیا ذرا سی دیر گزری تھی کہ ایک ہاتھ سمندر میں سے لوٹا تھامے ہوئے نکلا اور لوٹا حضرت حاجی صاحب کے ہاتھ میں پکڑا کر غائب ہو گیا ادھر لوہاری میں ان مجذوب صاحب نے حضرت کے خدام سے فرمایا کہ 'تمہارے حاجی کے ہاتھ میں سے لوٹا چھوٹ کر سمندر میں گر گیا تھا میں نے ان کو لوٹا پکڑا یا'' حضرت کے خدام نے سمجھا کہ بڑ اہانک رہے ہیں جب حضرت حاجی صاحب حج سے فارغ ہو کر واپس ہوئے اور لوہاری میں تشریف لائے تو کسی کو مجذوب کی یہ بات یاد آ گئی انہوں نے حضرت سے عرض کیا آپ نے فرمایا سچ ہے بیشک یہ واقعہ جہاز میں پیش آیا مگر اس وقت

وہ ہاتھ میری شناخت میں نہیں آیا کہ کس کا ہے؟۔(فیضان گنگوہی،ص/117)

حضرت رابعہ کا مجاہدہ

حضرت رابعہ بصریہؒ کی خادمہ عبدہ بنت ابی شوال کہتی ہیں کہ حضرت رابعہؒ کا ہمیشہ کا یہ معمول تھا کہ وہ رات بھر نمازیں پڑھا کرتی تھیں اور جب صبح صادق ہوجاتی تو تھوڑی دیر کے لئے سوجاتیں اور اسفار(اجالا) ہوتے ہی وہ گھبرا کر اپنی خوابگاہ سے یہ کہتی ہوئی اٹھ پڑتیں کہ اے نفس تو کتنا سوئے گا؟ اور کب اٹھے گا؟ عنقریب ہی تجھے ایسی نیند سونا ہے جس سے قیامت تک کے لئے نہیں اٹھ سکے گا۔

محبوب کے ساتھ خلوت

جب رات کی تاریکی پھیل جاتی اور ہر طرف سناٹا ہوجاتا تو حضرت رابعہؒ اپنے گھر کی چھت پر کھڑی ہوکر اپنے رب کے ساتھ مناجات میں مشغول ہوجاتیں اور کہتیں کہ الٰہی آوازیں خاموش ہوگئیں ہر طرف سناٹا چھا گیا، چہل پہل تھم گئی اور ہر کوئی اپنے اپنے محبوب کے ساتھ خلوت اختیار کر چکا ہے، اے میرے محبوب اور میں نے آپ کے ساتھ خلوت وتنہائی اختیار کی ہے لہٰذا میری آج کی اس رات میں اپنے ساتھ خلوت کو جہنم سے خلاصی کا ذریعہ بنادے۔

ہائے غم کی کمی

ایک دن حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ حضرت رابعہؒ کے پاس کہنے لگے ہائے غم! (یعنی آخرت کا غم وفکر)، حضرت رابعہؒ نے یہ سن کر فرمایا کہ جھوٹ نہ بولو بلکہ یہ کہو ہائے غم کی کمی! اس لئے کہ اگر تم غمگین اور فکر مند ہوتے تو تمہارے لئے سانس لینا بھی آسان نہ ہوتا، یا یہ کہا کہ اگر غم وفکر ہوتا تو یہ خوش عیشی اور زندگی کا مزہ کہاں ہوتا۔

جس کی خاطر محبت ہے اس کی نافرمانی نہ کرو

ایک عورت حضرت رابعہ بصریہؒ سے کہنے لگی کہ میں اللہ کے واسطے آپ سے محبت کرتی ہوں، حضرت رابعہؒ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ تو تم اس ذات کی اطاعت کرو جس کی خاطر مجھ سے محبت کرتی ہو۔

اسی طرح ایک مرد نے آکر یہی بات حضرت رابعہؒ سے کہی تو حضرت رابعہؒ نے فرمایا کہ اس ذات کی نافرمانی نہ کرو جس کیلئے مجھ سے محبت کی ہے۔ (وفیات الاعیان)

حضرت رابعہؒ کی نصیحت

حضرت رابعہ بصریہ حتی الوسع اپنے اعمال کو پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرتی تھیں چنانچہ وہ فرمایا کرتی تھیں کہ میرے جو اعمال لوگوں کے سامنے ظاہر ہو گئے میں انہیں کچھ شمار نہیں کرتی ہوں اور وہ فرمایا کرتی تھیں کہ تم لوگ اپنی نیکیوں کو اس طرح چھپاؤ جیسے اپنے گناہ چھپاتے ہو۔ (وفیات الاعیان: ۱/۳۲۸)

ہمت کے بغیر مجاہدہ ممکن نہیں

دین و دنیا کا کوئی بھی کام ہو، اس کے لیے ہمت کی ضرورت ہے، ہمت ہی انسان کو ہر میدان میں آگے بڑھاتی ہے اور کامیابی کی منزل طے کراتی ہے؛ لہٰذا سالکین کے لیے بہت ہی ضروری ہے کہ وہ اللہ کے راستے کو طے کرنے کے لیے ہمت سے کام لیں اور آگے بڑھیں۔

مگر اس معاملے میں اکثر سالکین کا حال یہ ہے کہ وہ خواہش تو بہت رکھتے ہیں، کہ اللہ کا راستہ طے کریں؛ لیکن ہمت نہیں کرتے اور پیچھے رہ جاتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ مجاہدہ نہیں کر پاتے، معمولی معمولی امور میں بھی مجاہدہ ان کے لیے مشکل بن جاتا ہے، حتی کہ نماز فجر کا اہتمام نہیں ہوتا، ''تا بہ تہجد چہ رسد؟!'' بعض لوگ سالہا سال لگے رہنے کے باوجود اسی لیے ناکام رہ جاتے ہیں کہ ہمت سے کام نہیں لیتے۔

یاد رکھیں کہ ہمت سے کام لینا لازمی ہے؛ لہٰذا اگر نماز فجر کو اٹھنا ہے، تو ہمت کرنا ہوگا، اگر نا محرم سے آنکھ بند کرنا ہے، تو ہمت سے کام لینا ہوگا، اگر تہجد پڑھنا ہے تو، اگر غیبت سے بچنا ہے تو، اگر فحش و بے حیائی سے پرہیز کرنا ہے تو، اگر کوئی اور کام دکا کرنا ہو یا برائی سے بچنا ہو تو، ہمت سے کام لیے بغیر چارہ نہیں ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ میں برائی سے بچنے کا ارادہ کرتا ہوں؛ مگر میں بچ نہیں سکتا، بار بار میرا ارادہ ٹوٹ جاتا ہے، اس کا جواب یہی ہے کہ یہ لوگ ہمت نہیں کرتے، اگر ہمت سے کام لیں؛ تو کیوں نہیں بچ سکتے؟

ہمت کیا ہے؟ ہمت یہ ہے کہ پکا ارادہ کرلیں کہ فلاں غلط کام نہیں کروں گا، اس کے بعد نفس جتنا چاہے، تقاضا کرے، اس کام کو ہرگز ہرگز نہ کرے، خواہ دم نکل جائے یا اور کچھ ہو جائے۔ بتائیے کہ اگر کوئی ایسی ہمت کرلے؛ تو کیا وہ کام یاب نہیں ہو جائے گا؟ ضرور بالضرور کام یاب ہو جائے گا۔

مگر لوگ اس کے لیے تیار نہیں کہ ہمت سے کام لیں اور کچھ کریں؛ بل کہ ایسا لگتا ہے کہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ خود بہ خود قدرتی طور سے یا کراماتی انداز سے وہ گناہ سے بچ جائیں یا نیکیاں کرنے لگیں، ان کو کچھ کرنا نہ پڑے، جب کوئی لڑکی سامنے آئے، تو ان سالک صاحب کو تو کچھ کرنا نہ پڑے؛ البتہ یہ چاہتے ہیں کہ خود بہ خود اُن کی آنکھ بند ہو جائے، گویا یہ کہنا چاہتے ہیں کہ میں تو بند نہیں کروں گا، خود وہی بند ہو جائے۔

اولاً تو ایسا ہوتا نہیں کیوں کہ یہ اللہ کی سنت کے خلاف ہے اور اگر ہو بھی جائے تو اس سے آپ کو کچھ بھی فائدہ نہیں؛ کیوں کہ خود بہ خود آنکھ بند ہو گئی، تو اس میں آپ کا کیا کمال ہے اور اس میں آپ کو کیا ثواب ہے؟

الغرض اللہ کو چاہنے والے کو چاہیے کہ وہ قربانی دے اور ہمت کر کے کام کرے اور اللہ

کا راستہ طے کرے، اس کے بغیر راستہ طے نہیں ہوسکتا۔ راستہ کوئی دشوار نہیں ہے؛ بل کہ ہمت نہ ہونے سے دشوار لگ رہا ہے۔

حضرت خواجہ مجذوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اشعار میں کہا ہے ؎

تجھ کو جو چلنا طریقِ عشق میں دشوار ہے
تو ہی ہمت ہار ہے تو ہی ہمت ہار ہے
ہر قدم پر تو جو ''رہرو'' کھا رہا ہے ٹھوکریں
لنگ خود تجھ میں ہے؛ ورنہ راستہ ہموار ہے

لہٰذا لنگ اور عذر کو چھوڑو اور راہِ خدا میں ہمت کرکے آگے بڑھو، پھر دیکھو کہ راستہ کس طرح آسانے سے طے ہوتا ہے؟

مشکل معلوم ہو، تو نہ گھبرائیں اور مجذوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قطعہ پڑھ لیا کریں، جس سے راستہ آسان معلوم ہوگا، وہ کہتے ہیں ؎

کتنی ہی مشکلات ہوں، پروا نہ چاہیئے
اقدام راہِ حق میں دلیرانہ چاہیے
لیکن یہ گر رسائی منزل کا یاد رکھ
کوشش تو خوب چاہیئے، دعوی نہ چاہیئے

یہاں ایک بات یہ بھی کہتا چلوں کہ ہمت کیوں نہیں ہوتی ہے اور اس میں کونسی چیز رکاوٹ بنتی ہے؟ وہ یہ ہے کہ انسان پہلے سے یہ نہ جانے کہ مجھے محنت ومجاہدہ کس کام کے لیے کرنا ہے؟ اگر اسے یہ معلوم ہو اور سمجھ میں آجائے کہ مجھے محنت ومجاہدہ اس لیے کرنا ہے کہ مجھے اللہ کو پانا ہے، تو وہ بڑی سے بڑی مشکل کو بھی آسان سمجھے گا؛ کیوں کہ اللہ کو پانے کے لیے جو کچھ بھی کیا جائے، وہ کم ہے۔

مجذوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں، ان ہی کا قطعہ ہے، اس کو بھی پڑھتے رہیے، وہ کہتے ہیں ؎

فکرِ حصولِ مرضئ جانا نہ چاہیے
اس دھن میں جو بھی حال ہو، پروانہ چاہیے
ہر ہر قدم پر راہِ طلب میں ہیں مشکلیں
ہر ہر قدم پہ ہمتِ مردانہ چاہیے

قلوب میں سختی کیوں آتی ہے؟

کس کام کا وہ دل ہے، جس دل میں تو نہ ہو
بس نام کا وہ گل ہے، جس گل میں بو نہ ہو
حجروں میں لاکھ بیٹھیے، خلوت مگر کہاں
جب تک جان ودل میں بسا تو ہی تو نہ ہو (خواجہ مجذوب رحمۃ اللہ علیہ)

صحبتِ شیخ اور مجاہدہ کی ضرورت پر ایک مثال

حضرت حکیم اختر صاحبؒ نے فرمایا: میرے شیخ شاہ عبد الغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے جون پور لے جا کر صحبتِ اہل اللہ کو ایک مثال سے سمجھایا تھا۔ جون پور یوپی میں ایک ضلع ہے جہاں روغنِ چنبیلی بنتا ہے جو پورے انڈیا میں مشہور ہے، تو حضرت نے بتایا کہ تل کو رگڑ کر اس کا موٹا پردہ چھڑا دیتے ہیں اور بالکل ہلکا سا غلاف رہنے دیتے ہیں کہ اس میں سے تیل نظر آتا ہے اور سوئی چبھودو تو تیل نکل آتا ہے۔ تو حضرت نے فرمایا کہ دیکھو یہاں چار پائی پر چادر بچھا کر اوپر مجاہدہ کروائی ہوئی، رگڑی رگڑائی تلّی بچھائی گئی، اب تل پر گلاب کی پتیاں بچھائی گئیں پھر تل بچھایا پھر گلاب کی پتیاں بچھائی گئیں اس طرح تین چار پرت کر کے تل کو گلاب کے پھول سے وابستہ کیا گیا پھر اس کے بعد کولہو میں یا مشین میں ڈال کر کے اس تل کا تیل نکالا گیا تو وہ گلاب کی خوشبو لیے ہوئے تھا۔

تکبر سے بچنے کے لیے حکیم الامت کا ارشاد فرمودہ نسخہ

جب تک اللہ سے دو جملے نہیں کہو گے سمجھو تکبر کی بیماری سے بچنا محال ہے۔ یہ جملے ہم کو حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے سکھائے ہیں کہ یا اللہ! میں تمام مسلمانوں سے کمتر ہوں فی الحال اور تمام کافروں سے اور جانوروں سے کمتر ہوں فی المآل کہ معلوم نہیں میرا خاتمہ کیسا ہوگا؟ اور تکبر کا ضرر یہ ہے کہ متکبر کو جنت نہیں ملے گی، بلکہ وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا اگرچہ ہر سال حج اور عمرہ کرے، روزانہ تہجد پڑھے۔ حدیث پاک ہے: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنْ كِبْرٍ۔ جس کے دل میں رائی کے ذرہ کے برابر بھی تکبر ہو تو جنت میں دخول تو درکنار، اس کو جنت کی خوشبو بھی نہیں ملے گی۔

تکبر ایسا ایٹم بم ہے کہ یہ ہماری تمام نیکیوں کو ہیروشیما شہر کی طرح تباہ کر دیتا ہے، لہٰذا اس مرض کے لیے ہمیں بم ڈسپوزل اسکواڈ یعنی اللہ والوں کے پاس جانا چاہیے، جیسے جب دشمن بم رکھ دیتے ہیں تو بم ڈسپوزل اسکواڈ اس کو ناکارہ کر دیتا ہے، اسی طرح اللہ والوں کی صحبت سے تکبر کا ایٹم بم ناکارہ ہو جاتا ہے۔

تو تکبر اتنا خطرناک مرض ہے، مگر یہ کیسے معلوم ہو کہ ہمارے اندر تکبر کی بیماری ہے؟ اچھے جوتے اور اچھے کپڑے پہننے سے تکبر نہیں ہوتا، بعض لوگ مسکین ہوتے ہیں مگر نہایت متکبر ہوتے ہیں اور بعض مال دار ہوتے ہیں مگر بچھے جاتے ہیں، ان میں تواضع ہوتی ہے۔ تو صحابہ نے پوچھا کہ یارسول اللہ! ہم لوگ اس بات کو محبوب رکھتے ہیں کہ ہمارے اچھے جوتے ہوں، اچھے کپڑے ہوں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تکبر کی حقیقت سمجھ لو تاکہ تم کو اچھے کپڑے یا اچھے جوتے پہننے پر تکبر کا وسوسہ بھی نہ آئے۔

اور صحبتِ شیخ اس آیت سے ثابت ہے: وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَه۔

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ صحابہ کے درمیان بیٹھیے، تاکہ انہیں صحبتِ شیخ کامل نصیب ہو اور آپ اس کے لیے تکلیف اٹھائیے۔ اس لیے اللہ والوں کو تکلیف اٹھانی پڑتی ہے، جگہ جگہ جانا پڑتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے میرے رسول! میں آپ کو جن کے پاس بھیج رہا ہوں یہ کون لوگ ہیں؟ یہ غیر نہیں ہیں، یہ میرے عاشقین ہیں۔ اللہ پاک نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صبر کو لذیذ فرمادیا کہ آپ کو ان کے پاس بیٹھنے کا حکم دے رہا ہوں جو میرے عاشقین ہیں اور عاشقوں میں مرنا جینا یہ مرادِ نبوت اور مرادِ ولایت ہے، تو مَعَ الَّذِيْنَ کون لوگ ہیں؟ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ ہیں، یہ اپنے رب کو یاد کرنے والے ہیں، بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّيه صبح شام ہم کو یاد کرتے ہیں، تو میں آپ کو اپنے عاشقوں میں بھیج رہا ہوں، غیروں میں نہیں بھیج رہا ہوں، تاکہ ان کو آپ کے صبر کی برکت سے معیتِ رسول حاصل ہو اور قیامت تک اولیاء اللہ کی معیت اور صحبت نصیب ہو۔

تو ذکر کا دوام بھی چاہیے، اگر ذکر نہیں کرو گے تو خالی صحبت کافی نہیں ہے، کیوں کہ ذکر ذاکر کو مذکور تک پہنچا دیتا ہے، اور اللہ چوں کہ میگنٹ کا خالق ہے تو بندے کو اللہ کی طرف کشش ہو جائے گی، کیوں کہ جو میگنٹ پیدا کرسکتا ہے خود اس کی ذات میں کتنا میگنٹ ہوگا؟ تو اللہ کے نام میں مقناطیس ہے، جیسے جیسے اللہ کہتے جاؤ گے اللہ کی طرف کھنچتے چلے جاؤ گے۔

اللہ اللہ گو بہ روتا تخت عرش۔۔۔ یہ مولانا رومی ہیں کہ اللہ اللہ کہو تاکہ عرشِ اعظم تک پہنچ جاؤ۔

اللہ اللہ ایں چہ شیرین است نام

اور یہ عجیب میگنٹ ہے، اس میں مٹھاس بھی ہے۔ جو سارے عالم کی مٹھائی پیدا کرتا ہے اس کا نام ہے خالقِ لذاتِ شیرینی کائنات۔ تو اللہ کا نام لینے میں دو فائدے ہوئے، مزہ بھی آیا اور

کشش بھی ہوئی یعنی آپ کا نفس اور آپ کا دل اللہ کی طرف کھنچتا چلا جائے گا پھر آپ اور کسی کے نہیں ہوسکیں گے اور بزبانِ حال یہ شعر پڑھیں گے ؎

نہیں ہوں کسی کا تو کیوں ہوں کسی کا

اُنہی کا اُنہی کا ہوا جا رہا ہوں

تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے اندر سلوک وتصوف کے حسبِ ذیل مسائل ارشاد فرما دیے کہ اگر تمہیں اللہ والا اور ولی اللہ بننا ہے، اب نبی تو آپ نہیں بن سکتے مگر ولی اللہ کے آخری مقام تک پہنچ سکتے ہو، اولیائے صدیقین کی خط انتہا تک پہنچ سکتے ہو، جس کے آگے پھر نبوت ہے اور اب نبوت کے دروازے بند ہیں، اگر تمہیں اللہ والا بننا ہے تو تم شیخ کی صحبت میں رہو اور اللہ کا بھی کچھ ذکر کرو بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ، صَبَاحًا وَّمَسَاءً صبح وشام۔

مگر ایک شرط ہے، جو شرط بھی ہے اور جزا بھی ہے اور وہ شرط کیا ہے؟ وہ شرط یہ ہے کہ میں تمہارے دل میں مراد ہوں تب تو صحبتِ شیخ بھی مفید ہوگی اور ذکر اللہ بھی قبول ہوگا، اور اگر تمہارے دل میں غیر اللہ ہے تو نہ صحبتِ شیخ مفید ہوگی اور نہ تمہارا ذکر مقبول ہوگا، لہٰذا تم اللہ کے لیے اللہ والوں کے پاس بیٹھو، اللہ کے لیے اللہ کا ذکر کرو اور تمہارا وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِیْنَ بھی اللہ کے لیے ہو اور اس شرط کی جزا کیا ہے؟ جو شخص اللہ والوں کے ساتھ رہتا ہے، اللہ اللہ کرتا ہے تو اللہ اسے اخلاص عطا فرما دیتے ہیں، ان کے نام میں یہ خاصیت ہے، تو یہ جزا ہوگی، تو یُرِیْدُوْنَ‌ہٗ ہے یہ شرط بھی ہے اور جزا بھی ہے کہ اللہ کے نام کی برکت سے اور اللہ والوں کی صحبت کے صدقے میں غیر مرید اور غیر مخلص بھی مخلص ہوجاتا ہے۔

میرے شیخ نے فرمایا تھا کہ پارس پتھر سے جب لوہا ملتا ہے تو فوراً سونا بن جاتا ہے۔ ایک دن پارس پتھر سے لوہے نے پوچھا کہ آپ کے پاس اس کی کیا دلیل ہے کہ میں آپ سے ملاقات کروں

گا تو سونا بن جاؤں گا؟ تو اس نے کہا: آپ کو دلیل کی ضرورت نہیں ہے، بس مجھ سے مل جاؤ اور پھر دیکھو، جب سونا بن جاؤ گے تو بلا دلیل سمجھ میں آجائے گا۔ تو جو کوئی کہے کہ کیا دلیل ہے کہ اللہ والوں کے پاس رہنے سے ہم بھی اللہ والے بن جائیں گے؟ تو دلیل مت پیش کرو، بس اللہ والوں کے پاس رہو، جب سونا بن جاؤ گے تو بلا دلیل سمجھ میں آجائے گا کہ ہم کیا تھے اور کیا سے کیا ہو گئے ؎

تو نے مجھ کو کیا سے کیا شوقِ فراواں کر دیا

پہلے جاں پھر جانِ جاں پھر جانِ جاناں کر دیا

تو تجربہ یہی ہے کہ جو اللہ والوں کے پاس رہتے ہیں اور ذکر کرتے ہیں اللہ ان کو اخلاص دے دیتا ہے، اپنی محبت دے دیتا ہے، وہ اللہ کے مرید ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا یہ شرط بھی ہے جزا بھی ہے۔

تو بات ہو رہی تھی کہ تکبر کے دو جزء ہیں۔ دوسرا جزء یہ ہے کہ کسی ایک انسان کو بھی حقیر نہ سمجھو غَمْطُ النَّاسِ میں الف لام استغراق کا ہے، کافر کو بھی حقیر سمجھنا جائز نہیں ہے، اس کے کفر سے نفرت اور بغض رکھنا تو واجب مگر اس کی ذات کو حقیر سمجھنا حرام ہے، کیوں کہ وہ کافر کسی وقت بھی مسلمان ہو کر ولی اللہ ہو سکتا ہے کہ نہیں؟ کلمہ پڑھ کر کافرہ بھی ولی اللہ ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اسی لیے کرسچن لڑکے کے ساتھ یا لڑکی کے ساتھ بدفعلی کرنا یہ بھی اس لیے حرام ہے کہ اس کرسچن میں یہ صلاحیت ہے کہ کلمہ پڑھ کر ولی اللہ ہو جائے، آج نہ سہی تو کل سہی اور کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ تو ہے ہی، کہ اللہ نے انسان کو مکرم بنایا ہے، اس لیے اس کی کھوپڑی سے دوا بنانا جائز نہیں ہے۔

جب میں دواخانہ کر رہا تھا، تو مرگی کی ایک گولی تھی اس پر لکھا تھا کہ کھوپڑی کی ہڈی کا سفوف ملاؤ، تو میں نے اہلِ فتاویٰ سے پوچھا کہ کیا کافر کی کھوپڑی سے بھی سفوف بنانا جائز ہے یا نہیں؟ تو فرمایا کہ نہیں، کیوں کہ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ۔ میں ایمان کی شرط نہیں ہے، ہر انسان مکرم ہے۔

اور ایک بات اور بھی بتاتا ہوں کہ کیا تم کسی ولی اللہ کی اولاد کے ساتھ بدفعلی کر سکتے ہو؟

ڈرتے ہو یا نہیں؟ اسے بُری نظر سے دیکھ سکتے ہو کہ اس کا باپ بہت بڑا ولی اللہ ہے، اللہ ناراض ہوجائے گا۔ تو حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کو بُری نظر سے دیکھنا کیسے جائز ہوجائے گا؟ کرسچن ہو کوئی بھی ہو، لڑکا ہو یا لڑکی، حسین ہو یا حسینہ، یہ اولادِ آدم ہے یا نہیں؟ تو حضرت آدم علیہ السلام کو صدمہ وغم نہیں ہوگا کہ تم نے ہماری اولاد کے ساتھ کیوں بدفعلی کی اور یہ متوقع الولایت بھی ہے، ہر انسان ولی بن سکتا ہے۔

فرض کرو کہ کسی نے کسی لڑکے کے ساتھ بدفعلی کی، بعد میں وہ لڑکا بہت بڑا ولی اللہ بن گیا، بایزید بسطامی، جنید بغدادی سے زیادہ اونچا پہنچ گیا تو وہ فاعل ساری زندگی خون کے آنسو روئے پھر بھی اس کی تلافی نہیں ہوسکتی کہ آہ! دیکھو یہ وہی لڑکا ہے جو آج ولی اللہ ہو کر سجدے میں رو رہا ہے، اللہ سے اس کی نسبت، اس کا قُرب اتنا زیادہ ہے کہ اس وقت روئے زمین پر سب سے بڑا غوث اور قطب العالم ہے تو اس فاعل کو کتنا صدمہ وغم ہوگا کہ آہ میں نے اللہ کے دوستوں کو بھی نہیں چھوڑا۔ لڑکی ہو یا لڑکا دونوں پر یہ مضمون فٹ ہوا یا نہیں؟ اس لیے زِنا اور بدفعلی دونوں سے بچنا بہت ضروری ہے۔ اور جب وہ ولی اللہ حج کرکے آئے گا تو سب ایئرپورٹ پر جائیں گے، مگر فاعل نہیں جاسکتا کیوں کہ منہ کالا کرچکا ہے۔

تو تکبر کے دو اجزاء ہیں، نمبر ۱: حق بات کو قبول نہ کرنا، نمبر ۲: دنیا میں کسی انسان کو حقیر سمجھنا۔ اور تکبر کا علاج حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے دو جملوں میں فرمادیا اور فرمایا کہ میرا بھی اس پر عمل ہے، میں روزانہ اللہ تعالیٰ سے یہ کہتا ہوں کہ اے اللہ! اشرف علی ساری دنیا کے مسلمانوں سے کمتر ہے فی الحال اور ساری دنیا کے جانوروں سے اور کافروں سے کمتر ہے فی المآل کہ نہیں معلوم ہمارا خاتمہ کیسا ہوگا؟ اگر کسی کا خاتمہ خراب ہوجائے تو جانور اس سے اچھے ہیں، کیوں کہ جانور کا حساب نہیں ہوگا، جب اللہ قیامت کے دن ان جانوروں کو مٹی کردے گا تو کافر یہ کہے گا: یٰلَیۡتَنِیۡ کُنۡتُ تُرٰبًا۔ کاش کہ میں مٹی ہوجاتا۔ تو تکبر کا یہ علاج بہت عمدہ ہے۔

راہِ سلوک میں مجاہدہ

حکیم اختر صاحبؒ نے فرمایا: یہ راستہ مجاہدہ کا ہے، خدا گھر بیٹھے نہیں ملتا، اس کے لیے رگڑے کھانے پڑتے ہیں، مجاہدہ کرنا پڑتا ہے۔ میرے شیخ شاہ ابرارالحق صاحبؒ انڈیا سے کراچی ایئر پورٹ پر آئے، ہم لوگوں نے کوشش کی مگر کچھ قانونی پیچیدگیوں کی وجہ سے ان کو کراچی میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ملی، پھر دوسرے دن اجازت مل گئی مگر ایک رات حضرت کو ایئر پورٹ پر رہنا پڑا، سب لوگ میرے شیخ کو چھوڑ کر چلے گئے۔ مگر میں نے کہا کہ میرا شیخ تو بے گھر ہے اور تو اپنے گھر جا کر سوئے گا؟ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا کہ میرا شیخ تو اپنے بال بچوں سے دور میرے ملک میں آیا ہوا ہے اور میں گھر جا کر سو جاؤں، تو میں نے گھر پر فون کر دیا کہ جہاں میرا شیخ ہے میں اللہ کے راستے میں وہیں سوؤں گا۔ جس کی جتنی قربانی ہوتی ہے اتنی ہی اُس پر خدا کی مہربانی ہوتی ہے۔ پھر میں نے حضرت سے عرض کیا کہ ہوائی جہاز کی بار بار جو لینڈنگ ہو رہی ہے اس کے شور وغل کی وجہ سے مجھے نیند نہیں آ رہی، حضرت نے فوراً اپنا بکس کھولا، اس میں سے روئی نکالی اور کہا کہ روئی کان میں لگا لو۔ دیکھو! اللہ والے ہمیں دنیا کا آرام بھی سکھاتے ہیں ورنہ شیخ کے ذمہ یہ تھوڑی ہے کہ ہوائی جہاز کی آواز کو کمزور کر دے، اس کے ذمہ یہ فرض نہیں ہے کہ مریدوں کی نیند کا انتظام بھی کرے۔ تو حضرت نے روئی دی اور کہا کہ کان میں لگا لو، ہمارے تو ذہن میں بھی یہ بات نہیں تھی، پھر اس کے بعد ہم کو نیند آ گئی الحمد للہ! (استحضار عظمت الہیہ، ص/23)

حدیث پاک میں ہے: اَلَا اِنَّ سِلْعَةَ اللّٰهِ غَالِيَةٌ۔

اللہ کا سودا سستا نہیں ہے۔ تم جو یہ سمجھتے ہو کہ گھر بیٹھے خدا مل جائے گا تو اللہ کا سودا بہت مہنگا ہے، دونوں جہاں سے زیادہ قیمتی ہے، وہ اگر جان دینے پر بھی مل جائے تو بھی سستا سودا ہے۔

متاعِ جانِ جاناں جان دینے پر بھی سستی ہے

اللہ تعالیٰ کے قرب کی دولت جان دینے پر بھی ہمارے لیے ارزاں ہے۔ ایک غلام خالق پر فدا ہے، اس کے ساتھ اللہ ہے، جس کے ساتھ اللہ ہو اس کی قیمت کا کیا اندازہ کر سکتے ہو۔

اہل اللہ کی صحبت کے ثمرات

ایک ساعت اہل اللہ کے ساتھ رہنا ایک لاکھ سال کی عبادت سے افضل ہے اور اپنے شیخ اور مربی کے ساتھ ایک ساعت رہنا دس کروڑ سال سے بھی زیادہ افضل ہے کیوں کہ ساری دنیا کے اہل اللہ کی محبت اور عظمت سر آنکھوں پر مگر اپنے شیخ کی بات ہی کچھ اور ہے۔ جو اپنے شیخ کے ساتھ رہتا ہے وہ سنتِ صحابہ کا دور تازہ کرتا ہے۔ جب ہم لوگوں کا یہ حال ہے کہ اپنے دینی مربی کے ساتھ کس طرح بے وطن یہاں سمندر کے کنارے پر ہیں تو صحابہ کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا محبت رہی ہوگی، یہ تو اس کا معمولی سا نمونہ ہے۔ اس زمانے کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کا احسانِ عظیم ہے کہ ہم ان کی محبت میں در بدر پھرتے ہیں ؎

پھرتا ہوں دل میں درد کا نشتر لیے ہوئے
صحرا و چمن دونوں کو مضطر کیے ہوئے

اللہ والا چمن یعنی شہر میں رہے تب بھی اور جنگل میں سمندر کے کنارے رہے تب بھی اس کے دل میں اللہ کی محبت کا جو درد ہوتا ہے وہ اس درد کو سارے عالم میں تقسیم کرتا ہے مگر قسمت والے ہی اسے پاتے ہیں کیوں کہ بارش سے جب موتی بننا ہوتا ہے تو اس کے دو سبب ہوتے ہیں: نمبر ایک۔ اللہ کی مشیت و ارادہ اور نمبر دو۔ اس قطرہ میں بھی ارادہ ہو کہ مجھے موتی بننا ہے۔ آسمان سے جو بارش ہوتی ہے اس کے قطرات خالق آسمان کی مشیتِ الٰہیہ اور ارادۂ خداوندی کو ساتھ رکھتے ہیں، پھر سیپ کو حکم ہوتا ہے کہ تو منہ کھول دے میں تیرے اندر موتی پیدا کرنا چاہتا ہوں، سیپ کا منہ کھل جاتا ہے، قطرہ اس کے منہ

میں آتا ہے اور موتی بن جاتا ہے۔جس کے دل میں اللہ تعالیٰ اپنی محبت کا موتی پیدا کرنا چاہتے ہیں تو اس کے شیخ کے الفاظ میں تاثیر اور مشیتِ الٰہیہ اور ارادۂ خداوندی شامل رکھتے ہیں، پھر جس کے دل میں اللہ اپنی محبت کا موتی بنانا چاہتا ہے اس کے قلب کو الہام کرتا ہے کہ منہ کھول، پھر وہ الفاظ اس کے دل میں جا کر موتی بن جاتے ہیں۔اور یہ موتی کیا ہے؟ نسبت مع اللہ۔اللہ سے تعلق علی سطح الولایت، اولیاء اللہ والا ایمان، اللہ کے دوستوں والا ایمان اس کو نصیب ہو جاتا ہے۔(استحضار عظمت الٰہیہ ص/25)

سلطان ابراہیم ابنِ ادہم کی قربانی

حکیم اختر صاحبؒ نے فرمایا: جب سلطان ابراہیم ابن ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے سلطنتِ بلخ چھوڑی تو ان کے لیے جنت سے ایسا کھانا آیا کہ سارا جنگل اس کی خوشبو سے مہک گیا، اسی جنگل میں دس سال سے ایک مجذوب رہ رہا تھا، اس نے کہا تھا کہ اے خدا! چٹنی روٹی دے دیں تاکہ جنگل سے گھاس کھود کر بازار جا کر بیچنے میں جتنا وقت لگتا ہے اتنا وقت آپ کی یاد میں گزاروں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اچھا چٹنی روٹی ملتی رہے گی، وہ دس سال سے چٹنی روٹی کھا رہا تھا اور عبادت کر رہا تھا۔جب سلطان ابراہیم ابن ادہم رحمۃ اللہ علیہ اپنی سلطنت چھوڑ کر اس جنگل میں گئے تو جنگل میں جنت سے بریانی آئی اور اس کی خوشبو سے پورا جنگل مہک گیا۔میرے شیخ شاہ ابرار الحق صاحبؒ اس کے راوی ہیں کہ سلطان ابراہیم ابن ادہم اتنے بڑے شخص ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام کو گزرتے دیکھا تو پوچھا کہ اے جبرئیل تم کہاں جا رہے ہو؟ انہوں نے کہا کہ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ روئے زمین کے سب اولیاء اللہ کا نام ایک رجسٹر میں درج کرلوں، حضرت سلطان ابراہیم ابن ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا کہ اے جبرئیل! جب سارے اولیاء اللہ کے نام لکھ لینا تو آخر میں میرا نام بھی لکھ لینا۔حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ سلطان ابراہیم ابن ادہم کا نام سب سے پہلے لکھنا۔

تو اس مجذوب نے کہا کہ یا اللہ! میں دس سال سے آپ کا دیوانہ ہوں اور آپ مجھ کو چٹنی روٹی کھلا رہے ہیں اور ایک نیا دیوانہ آیا ہے اس کو آپ نے بریانی بھیج دی، وہ مجذوب سادہ آدمی تھا، اس

کا یہ مدعا سادگی کی وجہ سے تھا، بغاوت اور نافرمانی پر مبنی نہیں تھا، بھول پن اور سادہ پن تھا، مجذوب سیدھے سادے ہوتے ہیں، یہ سوال انکاریہ نہیں تھا، اقراریہ تھا یعنی ہمیں اقرار ہے کہ آپ کا جو حکم ہے وہ سب حکمت پر مبنی ہے، میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ میں دس سال سے آپ کا عاشق ہوں مجھے چٹنی روٹی دی اور یہ جنگل میں کل آیا ہے اور اس کو بریانی دی۔ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آئی کہ تم نے مجھ پر بارہ آنہ فدا کیے، چار آنے کا کھرپا اور آٹھ آنے کا گھاس رکھنے کا برتن، اور یہ جو کل جنگل میں آیا ہے اس نے مجھ پر سلطنت فدا کی ہے، وزیروں کی سلامی، فوج کا گارڈ آف آنر، بریانی، کباب، موبائل اور موبل آئل سب چھوڑ کر آیا ہے، جیسی جس کی قربانی ویسی اللہ کی مہربانی۔

نظر بچانے کے لیے لذّتِ بصارت کی قربانی

حضرت حکیم صاحبؒ نے فرمایا: جو لوگ غم اٹھاتے ہیں، ایئر ہوسٹسوں سے نظر بچاتے ہیں، سڑکوں پر ہر سانس اللہ کی نافرمانی سے بچنے میں جن کی ہر سانس غم زدہ ہے، حسرت زدہ ہے، زخم زدہ ہے۔ جو دریائے خون بہا رہا ہے اس کے دل میں معمولی مجاہدہ نہیں ہے، دریائے خون کا بہانا یہ معمولی مجاہدہ نہیں ہے، اس دریائے خون کو حاسد لاکھ چھپائے کہ اس پیر کے پاس مت جاؤ، اس کی اتنی غیبت کرو کہ اس پیر سے کوئی مرید ہی نہ ہو۔ اس پر میرا شعر سنو ؎

ایک قطرہ اگر ہوتا تو وہ چھپ بھی جاتا
کس طرح خاک چھپائے گی لہو کا دریا

دریائے خون کو مٹی کیسے چھپا سکتی ہے۔ اے حاسدین! تمہاری مٹیاں دریائے خون کو کیسے چھپا سکتی ہیں۔ کبھی تڑپتے ہوئے دل سے سجدہ میں اللہ سے رولو کہ یا اللہ! قیامت کے دن رُسوا نہ فرمانا، معافی مانگ لو، ان شاء اللہ دیکھو پھر کیا ملتا ہے، آپ کو دل میں پتا چل جائے گا کہ میری معافی ہوگئی، دل میں ٹھنڈک آجائے گی، دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آئے گی کہ میں نے تم کو

معاف کردیا مگر اس آواز میں حروف نہیں ہوں گے، اللہ کی آواز محتاجِ حروف نہیں ہے، بس دل میں ٹھنڈک آجائے گی اور اطمینان اور سکینہ نازل ہوجائے گا اور معلوم ہوجائے گا کہ واقعی اللہ تعالیٰ کو ہم پر رحم آگیا۔ اس پر میرا شعر دیکھو کتنا عمدہ ہے ؎

زمین سجدہ پر اُن کی نگاہ کا عالم
برس گیا جو برستا تھا مرا خونِ جگر

ایک جغرافیہ سوچو کہ ایک بندہ سمندر کے کنارے ہے، وہاں اور کوئی نہیں ہے، بس آسمان ہے اور وہ ہے، اس وقت وہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر پڑھے ؎

آہ را جز آسماں ہمدم نبود
راز را غیرِ خدا محرم نبود

میری آہ کا آسمان کے سوا کوئی ساتھی نہیں ہے اور میری محبت کے راز کا سوائے اللہ کے کسی کو علم نہیں ہے۔ وہ بندہ اکیلا رو رہا ہے اور اس زمین پر اُس کے آنسو گر رہے ہیں، تو اللہ کو اس پر کتنا پیار آئے گا۔ اگر بچہ رو رہا ہو تو باپ بچے کے آنسوؤں کو بھی پیار کرلیتا ہے۔

راہِ فنا میں صحبتِ شیخ کی اہمیت

اللہ تعالیٰ ملتا ہی راہِ فنا میں ہے، مولیٰ ملتا ہی راہِ فنا میں ہے، انسان اپنے آپ کو خود فنا نہیں کرسکتا، انسان کو اس کا مربی اور شیخ فنا کرتا ہے، جب تک مرشد نہ ہو نفس فنا نہیں ہوتا ؎

نفس نتوان کشت الاّ ظلِ پیر
دامن آں نفس کش را سخت گیر

نفس کو دنیا میں کوئی چیز نہیں مٹا سکتی مگر پیر کا سایہ، اس لیے جو لوگ پیر کرنے میں دیر کرتے ہیں تو سمجھ لو ان کا نفس کشتہ نہیں ہو رہا یعنی مٹ نہیں رہا ہے لہٰذا نفس کو مٹانے والے کا دامن مضبوط

پکڑلو۔ جب میرے شیخ نے یہ شعر پڑھایا تو فرمایا کہ مرشد کا دامن سخت پکڑنے کا حکم کیوں ہے، ڈھیلا ڈھالا تعلق کافی کیوں نہیں ہے؟ اس لیے کہ جب تک شیخ چائے پلائے گا، حلوہ کھلائے گا، انڈا کھلائے گا، تو کہے گا کہ ہمارا شیخ بڑا اچھا ہے اور جس دن کسی نامناسب بات پر ڈینٹ نکالنے کے لیے ڈانٹ لگائے تو کہے گا کہ یہ تو بہت ہی جلاّدی شیخ ہے، اس کو تو بات بات پر غصہ آتا ہے، بہت کڑوا شیخ ہے، چلو کوئی دوسرا نرم قسم کا پیر تلاش کیا جائے، یہ پیر تو بڑا گرم معلوم ہوتا ہے، بڑی اکڑفوں دکھاتا ہے، بہت ہی کڑیل ہے۔ لیکن سمجھ لو کہ شیخ اگر کڑیل ہے تو نفس بھی تو اڑیل ہے اور اڑیل نفس بغیر کڑیل شیخ کے ٹھیک نہیں ہوتا۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ لائق بیٹا وہ ہے کہ ابّا ڈانٹ بھی لگائے تو بھی ابّا کو پیار کرے اور نالائق لڑکا وہ ہے کہ جب ابّا جیب خرچ دیتا ہے، وظیفہ دیتا ہے، پیسہ دیتا ہے، حلوہ کھلاتا ہے تب تو کہتا ہے کہ میرے ابّا کا کیا ہی کہنا ہے، بڑا پیارا ابّا ہے اور ابّا نے کبھی ڈانٹ لگائی کہ خبردار! تم نالائق لڑکوں کے ساتھ مت رہو اور ایک طمانچہ بھی لگا دیا تب اپنے دوستوں سے کہتا ہے کہ یار ابّا کیا ہے، کتے کی طرح بھونکتا ہے اس کی شکل تو دیکھو کہ غصے میں کیسے منہ بنائے ہوئے ہے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کا مضمون ہے کہ یہ لائق بیٹا نہیں ہے۔ دنیاوی عشق میں تو غالب کہتا ہے کہ ؎

اُن کو آتا ہے پیار پہ غصہ
مجھ کو غصے پہ پیار آتا ہے

لیلیٰ والی محبت شیخ سے کیوں نہیں کرتے ہو؟ اس کے غصے پر بھی تم کو مزہ آنا چاہئے۔

اللہ والے کے پاس جاؤ خود بخود پاک ہونا شروع ہو جاؤ گے

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی دریا کے کنارے نجاست کی حالت میں کھڑا ہو اور یہ کہے کہ اے دریا! میں تیرے اندر نہیں آؤں گا، میں تو نجاست میں مبتلا ہوں، تو دریا ہنسے گا اور

کہے گا کہ اگر تو قیامت تک باہر کھڑا رہے گا تو ایسے ہی ناپاک رہے گا، میرے اندر کود بغیر تو پاک نہ ہوگا۔ اب اگر وہ کہے کہ میں تیرے اندر کیسے آؤں؟ مجھے شرم آتی ہے، کہیں تو بھی ناپاک نہ ہو جائے تو دریا کہے گا کہ یہ تیری جہالت ہے، میرے اندر رات دن لاکھوں لوگ کودتے رہتے ہیں اور پاک ہوتے رہتے ہیں، میرا پانی جاری ہے، میں پاک ہی رہتا ہوں لہٰذا تم میرے اندر آ جاؤ اور پاک ہو جاؤ گے۔ تو اللہ والوں کے پاس جاؤ خود بخود پاک ہونا شروع ہو جاؤ گے ان شاء اللہ۔

مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر گناہوں کے اندھیروں کے پہاڑ بھی ہوں تب بھی اہل اللہ کے پاس آتے جاتے رہو، وہ اندھیروں کے پہاڑ اڑا دیتے ہیں، ان کی آہوں میں وہ اثر ہے، ان کی نسبت مع اللہ میں اللہ نے وہ طاقت رکھی ہے کہ گناہوں کے اندھیروں کے پہاڑ بھی اُڑ جاتے ہیں۔ تو دیکھیے حضرت جلال الدین رومی نے فرمایا کہ جب ہوا آئی تو مچھر ٹھہر نہیں سکا، اسی طرح فرمایا۔

می گریزد ضد ہا از ضد ہا
شب گریزد چوں برافروز د ضیا

ہر ضد اپنی ضد سے بھاگتی ہے، اگر تم گناہوں کے اندھیرے بھگانا چاہتے ہو تو گناہوں کے اندھیرے گناہوں سے نہیں چھٹیں گے، پاخانہ کو پیشاب سے پاک نہیں کر سکتے، آگ کو آگ سے نہیں بجھا سکتے، گناہوں کو گناہ کر کے تسلی نہیں دے سکتے، گناہ سے سکون کب ملے گا؟ نجات کب ملے گی؟ جب تک گناہ نہیں چھوڑو گے۔ اسی لیے مولانا رومی فرماتے ہیں کہ رات جب بھاگے گی جب سورج نکلے گا، لہٰذا اللہ کے نور کا سورج دل میں طلوع کرو۔ جب اللہ کے نام کا سورج دل میں آئے گا گناہ کے اندھیرے خود بخود چھٹتے چلے جائیں گے۔ اسی لیے جو لوگ یہ تمنا لیے بیٹھے ہیں کہ گناہوں سے دل بہلا لوں، واللہ اختر قسم کھا کر کہتا ہے، اگر آپ میری قسم پر اعتبار کرتے ہیں تو میں واللہ کہتا ہوں کہ گناہوں سے دل کبھی نہیں بہلے گا، جیسے جیسے گناہوں کی عادت خراب ہوتی جائے گی دل کا سکون چھنتا جائے گا۔ (حصول ہدایت کے طریقے، ص/29)

حضرت حکیم الامت نے خلافت واپس لے لی

فرمایا: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ایک بڑے عالم دین کو خلافت دی وہ ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں آئے تو کہا کہ حضرت بچے کو آپ کی خدمت میں دعا کے لئے لے کر حاضر ہوا ہوں ،فرمایا خوشی کی بات ہے پھر دریافت فرمایا کہ اس کی عمر کیا ہے؟ عرض کیا حضرت اس کی عمر تو بارہ سال ہے فرمایا تم نے اس کا ٹکٹ بھی لیا ہے یا نہیں؟ ٹرین سے آئے عرض کیا کہ حضرت ٹکٹ تو اس کا اس لئے نہیں لیا کہ یہ گیارہ سال کا لگتا ہے اور گیارہ سال کے بچے کا ٹکٹ نہیں ہے۔ (اس زمانہ میں گیارہ سال تک کے بچے کا ٹکٹ نہیں تھا) تو حضرت نے فرمایا ''اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ'' مولانا آپ نے دین کو سمجھا ہی نہیں آپ نے چند پیسے کے فائدہ کی خاطر حکومت کا نقصان کیا ہے آپ جب بچے کو لا رہے ہیں تو بچے کا ٹکٹ آپ کو لینا چاہیے تھا آپ نے نہیں لیا، جب کہ بارہ سال کے بچے کا ٹکٹ لینا ضروری ہے جب آپ دو آنہ تین آنہ کے لئے بے ایمانہ کر سکتے ہیں تو بڑی بڑی چیزوں کے معاملے میں آپ کتنی بے ایمانی کرتے ہوں گے حضرت نے فرمایا کہ مجھ سے غلطی ہوگئی اللہ معاف فرمائے میں نے خلافت آپ کو دی تھی اسے واپس لیتا ہوں بس اتنی سی بات پر حضرت نے خلافت واپس لے لی، اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو آدمی دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ الامان والحفیظ۔ (ملفوظات حبیب الامت جلد دوم، ص/259)

نیکی کر کنوئیں میں ڈال

حبیب الامتؒ نے فرمایا: آج ہم لوگ ذرا ذرا سی بات پر دین میں خامیاں نکالتے ہیں، علماء کو برا کہتے ہیں، اکابر اور مشائخ کو بدنام کرتے یں، قرآن وسنت کا جنازہ نکالتے ہیں، کوئی معمولی سا کام دین واسلام کا کر دیا تو امید کرتے ہیں بلکہ مستحق سمجھتے ہیں کہ ہماری تعریف کی جائے ، گن گائے

جائیں، واہ صاحب کیا کام کیا، حالانکہ مخلصین کا قول ہے کہ ''نیکی کر کنوئیں میں ڈال''، یعنی نیکی کر کے بھول جا، اس کو یاد مت کر، ہاں گناہ چھوٹا سا بھی ہو جائے، تو اس کو بار بار یاد کر کے ندامت محسوس کرے آنسو بہائے۔ گڑگڑائے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے اے اللہ یہ آخری گناہ تھا آخری خطا تھی اب اس کے بعد دوبارہ ایسا گناہ نہیں کروں گا۔ تو اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دیتے ہیں۔

سید سلیمان ندویؒ پر رقت، حضرت تھانویؒ کی صحبت کا اثر

حضرت حاذق الامتؒ نے فرمایا کہ حضرت سلیمان ندویؒ بھی اتنے بڑے عالم اور صاحب قلم حضرت مولانا تھانویؒ کی خدمت میں حاضری سے کیا کچھ بن گئے۔ حضرت حکیم الامتؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضرت کچھ نصیحت فرمائیے۔ حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ آپ تو صاحب علم ہیں۔ آپ کو کیا نصیحت کروں پھر فرمایا کہ مولانا صاحب یہی سیکھا ہے کہ اپنے آپ کو مٹا دینا۔ یہی اس راستہ کی اصل ہے بس جس قدر ہو اپنے آپ کو مٹاؤ۔ فرمایا حضرت والا کے اس جملہ سے سید سلیمان صاحبؒ آبدیدہ ہو گئے رونے لگے۔ (سوانح حیات حضرت حاذق الامتؒ، ص/ 197)

مرنے کے بعد قبر سے بھی فیض پہنچتا ہے

ہمارے اکابر چشتیہ فرماتے ہیں اور ہمارا مسلک بھی یہی ہے کہ مرنے کے بعد بھی قبر سے فیض پہنچتا ہے بلکہ زندگی سے بھی زیادہ فیض پہنچتا ہے چونکہ قبر کے اندر صاحب قبر کو سکون و یکسوئی حاصل ہوتی ہے اور وہ پورے طور پر متوجہ ہوتے ہیں اور فیض پہنچتا ہے درمیان میں سوال کیا گیا کہ حضرت فیض پہنچنے کے لئے کیا شرط ہے؟ تو حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ نسبتِ صحیحہ شرط ہے ۔رذائل سے پاک ہو اور خصائل سے مزین ہو۔ فرمایا کہ دوسری شرط یہ ہے کہ صلاحیت بھی ہو۔ وہ بھی ضروری ہے۔ اگر صلاحیت نہیں ہے تو فیض نہیں پہنچ سکتا۔ وہ ظرف ہونا ورنہ خالی ہی لوٹنا پڑے گا۔ تو فیض پہنچتا ہے قبر سے لیکن وہ صلاحیت شرط ہے۔ اسی لئے حضرت گنگوہیؒ سے جب قبر سے

فیض کے متعلق استفسار کیا گیا تو حضرت والا نے پوچھا کہ فیض لینے والا کون ہے؟ مطلب یہ تھا اس درجہ کا آدمی ہو تو فیض بھی ہوتا ہے۔ (سوانح حیات حضرت حاذق الامتؒ ص/198)

مخالفین تو کانٹے ہیں ان سے دامن بچا کر نکل جاؤ

حضرت حاذق الامتؒ نے فرمایا کہ مخالفین کی پرواہ مت کرنا، مخالفین تو کانٹے ہیں وہ تو الجھانے کے لئے ہوتے ہیں ان کو چھوڑ کر نکل جاؤ اگر مخالفین کا جواب دینے میں لگ گئے تو پھر مقصد سے ہٹ جاؤ گے ہمت وحوصلہ سے کام میں لگے رہو۔ انشاء اللہ تعالیٰ حق ہی غالب رہے گا ''وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین'' اگر مومن ہو تو تم ہی غالب رہو گے۔

آج کے اللہ والے اگرچہ موم بتیاں ہیں ان سے ہی کام لے لو

حضرت والا نے فرمایا دو روز ہوئے ہیں احباب سے مخاطب تھا تو لائٹ چلی گئی تو موم بتی جلائی گئی میں نے کہا کہ ٹیوب اور بلب جانے کے بعد روشنی کے لئے موم بتی جلاتے ہیں، چراغ جلاتے ہیں۔ بہرحال ان کے ذریعہ اندھیرا دور کرتے ہیں اور روشنی کی جاتی ہے۔ اسی طرح پہلے کے اکابر ومشائخ ٹیوب اور بلب ہیں وہ چلے گئے ہیں اور آج اب جو مشائخ طریق ہیں وہ موم بتیاں ہیں ان سے ایمان ہی کی روشنی حاصل کرو اور اندھیرا (غفلت) دور کرو۔ ان موم بتیوں کو ہی کام میں لاؤ! اندھیرے کے اندر نہ بیٹھو۔ (سوانح حیات حضرت حاذق الامت)

دعا میں یاد رکھنا اور دعا کرنا دونوں میں فرق ہے

رخصت ہوتے وقت کسی نے حضرت والا کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت دعا میں یاد رکھنا، حضرت والا نے اصلاحاً فرمایا کہ دیکھو دعا کرنا اور دعا میں یاد رکھنا دونوں میں فرق ہے۔ فرمایا جب

بڑوں سے دعا کے لئے کہنا ہو تو اس وقت دعا فرمائیے یا دعا کریں کہنا چاہئے فوراً ہی دعا کرالیں اور اگر اپنے چھوٹوں سے (مثلاً شیخ مرید سے یا استاد شاگرد سے یا والد اولاد سے دعا کے لئے کہنا ہو تو یہ الفاظ استعمال کریں۔ ''دعا میں یاد رکھنا، دیکھو دعا میں یاد رکھو بھول نہ جانا! یہ حکم ہے چھوٹوں کو۔

اس کے خلاف اگر کوئی مرید یا شاگرد یا اولاد اپنے بڑوں سے کہنے لگیں کہ دعا میں یاد رکھنا تو یہ کتنی بے ادبی کی بات ہے کہ بڑوں کو یاد رکھنے کا حکم دیا جا رہا ہے ان کو دعا کرنے کا پابند بنایا جا رہا ہے۔ اپنے بڑوں کو مجبور کرنا اور حکم دینا اور تکلیف دینا کہ جب دعا کریں تو ہم کو یاد رکھنا یہ بے ادبی کی بات ہے بشرطیکہ آدمی غور کرے اور احساس کرے اور عمل کرے۔

دن بھر کے کاموں کا محاسبہ کرے

حضرت حاذق الامتؒ نے فرمایا ہمارے حضرت مسیح الامتؒ فرمایا کرتے تھے کہ محاسبہ کرے، محاسبہ کیا ہے؟ دن بھر میں جو کام ہوئے ہیں اچھے یا برے ان کے بارے میں سوچے کہ مجھ سے کتنی نیکی ہوئی اور کتنی برائی ہوئی، اگر تلاوت، نماز، ذکر وغیرہ کی پابندی ہے تو اللہ کا شکر بجالائے، خدانخواستہ کوئی گناہ ہو گیا تو اس پر توبہ کرلے، اسی طرح روزانہ آدمی اپنا محاسبہ کرے جیسے تاجر اپنے کاروبار کا حساب کئے بغیر سوتا نہیں ہے ٹھیک اسی طرح مومن اپنا محاسبہ روزانہ کرے کہ آج اس کی زندگی کیسے گزری، اللہ کے احکام کے مطابق گزری یا ویسے ہی، اطاعت الٰہی کے مطابق اگر گزر گیا تو اللہ کا شکر ادا کرے اور زیادہ توفیق کی دعا کرے، اگر مرضی الٰہی کے خلاف گزرا تو فوراً توبہ کرلے، روزانہ معمول بنالیں، اللہ مجھ سے گناہ ہو گیا خطا ہوگئی مجھے اے اللہ اپنے

فضل سے معاف کر دے، یہ عادت جب بنا لیتا ہے تو پھر اس سے گناہ سرزد نہیں ہوتے اگر ہو بھی گئے تو توبہ سے اس کی تلافی ہو جاتی ہے، جب پھر آدمی سوتا ہے تو بے گناہ ہو کر اس لئے اس نے سچی توبہ کر لی اور اس کو امید ہے کہ اللہ اس کی مغفرت ضرور کرے گا اور میں آئندہ گناہ نہیں کروں گا تو بلاشبہ اللہ معاف فرما دیتے ہیں، محاسبہ کے بعد بھی ہونا چاہئے کیا؟ یہ شرط آدمی کرے کہ آئندہ نہیں کروں گا اور اللہ سے توفیق مانگے کہ اللہ مجھ سے گناہ نہ ہونے پائے اللہ کی مدد جب ہوتی ہے تو گناہوں سے بچاؤ بھی اپنے آپ ہو جاتا ہے، اللہ کا ولی جو رہتا ہے وہ محفوظ رہتا ہے، ولی کا حکم ہے ''اللہ و لی الذین آمنوا'' ایمان لایا گناہوں سے بچتا رہا ہو اللہ کا ولی ہے، یہاں جتنے بیٹھے ہیں سب ولی ہیں اس میں کوئی بعید نہیں ہے، نبی تو اللہ کا دین ہے، مگر ولی بننا کوئی مشکل نہیں ہے۔

ہر آدمی ولی بن سکتا ہے۔

ہر آدمی ولی بن سکتا ہے بس محاسبہ کرے اور یہ شرط رکھے کہ آئندہ گناہ نہیں کروں گا۔ اور صبح قدم اٹھاتا ہے تو اپنے عہد کو یاد رکھکر پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس لئے کہ آدمی کے ساتھ نفس لگا ہوا ہے۔ اس میں آدمی بھٹک جاتا ہے پھسل جاتا ہے۔ لیکن جب ایسا عہد کر کے سوئے گا اور ایسی کوشش کرتا رہے گا محاسبہ کرتا ہے اور یہ شرط لگاتا ہے توفیق الٰہی کے ساتھ رہ کر میں کل کوئی گناہ نہیں کروں گا انشاء اللہ تو اس کے قدم برائی کی طرف نہیں اٹھیں گے چند دن کی مشق کے بعد پھر اس سے گناہ سرزد نہیں ہوتے آدمی بچ جاتا ہے۔ تو گناہوں سے بچنا عمل صالح کی طرف جلدی کرنا یہ وہ چیزیں ہیں جس سے حیات طیبہ حاصل کی جا سکتی ہے، حیات طیبہ کوئی

نئی چیز یا آسمان سے اتر کر آنے والی چیز نہیں ہے بلکہ گناہوں سے بچنے اور عمل صالح کی طرف جلدی کرنے کا عہد اس شرط کے ساتھ کہ آئندہ کوخطا نہیں ہوگی اور مداومت ہو تو ہر آدمی چاہے مرد ہو یا عورت ولی بھی ہے اور ولیہ بھی۔

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا عبرت انگیز واقعہ

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کو ایک جگہ وعظ کے لئے بلایا گیا، وعظ سے پہلے حضرت کو ایک خط موصول ہوا، جس میں لکھا تھا کہ ہم نے سنا ہے کہ ''آپ کافر ہیں اور جُلاہے ہیں'' اور یہ کہ اگر آپ نے یہاں وعظ میں اختلافی مسائل چھیڑے تو آپ کی خیر نہیں''۔ حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے اس خط پر بھڑکنے کے بجائے وعظ کے آغاز میں لوگوں کو وہ خط پڑھ کر سنایا اور اس کے بعد فرمایا: اس خط میں تین باتیں کہی گئی ہیں: ایک تو یہ کہ میں کافر ہوں اس کا جواب یہ ہے: ''اشہدان لا الہ الا اللہ واشہدان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' اب اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ میں کافر ہوں یا نہیں، آپ کو معلوم ہے کہ اس کلمہ کی بدولت ستر برس کا کافر بھی مسلمان ہوجاتا ہے۔ لہٰذا اگر بالفرض خدانخواستہ میں کبھی کافر تھا بھی تو اس کلمہ کے بعد مسلمان ہوگیا۔

دوسری بات یہ کہی گئی ہے کہ میں جُلاہا ہوں اس کا جواب یہ ہے کہ میں یہاں کوئی نکاح کا پیغام لے کر نہیں آیا جس کیلئے اس تحقیق کی ضرورت ہو، اگر بالفرض میں جُلاہا ہوں مگر دین کی کوئی صحیح بات بتاتا ہوں تو محض جُلاہا ہونے کی بنا پر اسے رد نہیں کرنا چاہئے، ویسے اگر کسی کو واقعی میرے نسب کی تحقیق مقصود ہو تو تھانہ بھون کے لوگوں سے خط لکھ کر تحقیق کرلے۔

تیسری بات یہ کہی گئی ہے کہ میں وعظ میں کوئی اختلافی مسئلہ بیان نہ کروں سو اس کا جواب یہ ہے کہ میں یہاں وعظ کہنے کیلئے خود نہیں آیا مجھے اس مقصد کیلئے بلایا گیا ہے اگر اس مجمع میں سے کوئی ایک صاحب بھی اٹھ کر مجھے وعظ کہنے سے منع فرما دیں گے تو میں وعظ نہیں کہوں گا اور وعظ میں میری عادت اختلافی مسائل کو موضوع بنانے کی نہیں ہے لیکن اگر وعظ کے درمیان میں کوئی اختلافی مسئلہ آجاتا ہے اور اس کی وضاحت ضروری ہوتی ہے تو پھر اس کے بیان سے میں رکتا بھی نہیں یہی عمل اس وقت بھی ہوگا اب اگر آپ بات سننا چاہیں تو میں شروع کروں ورنہ رک جاؤں، اس انداز کلام کا نتیجہ یہ نکلا کہ کسی ایک شخص نے بھی وعظ میں رکاوٹ نہ ڈالی اور پھر جب وعظ شروع ہوا تو اس میں اتفاق سے بہت سے اختلافی مسائل بھی وضاحت کے ساتھ بیان ہوئے اور بہت سے مخالفین اتنے متاثر ہوئے کہ ہم خیال بن گئے۔ (میرے والد میرے شیخ: ۱۱۲)

ان اکابر کے کردار کی روشنی میں آج ہمیں اپنے طرز عمل کا جائزہ لینا چاہئے کہ ان حضرات نے ذاتیات کے اختلاف پر کس طرح صبر وتحمل سے کام لیا اور آج ہم کس طرح اپنے مخالفوں سے انتقام لینے کی فکر میں پڑے رہتے ہیں۔

یاد رکھیں! جب تک انسان میں حلم وبردباری اور صبر وتحمل کی صلاحیت نہ ہو وہ کسی بھی اجتماعی ذمہ داری کو نہ نبھا سکتا ہے اور نہ ہی اپنے ماتحتوں کی نظر میں مقبولیت حاصل کرسکتا ہے۔

ہمارے بندے بن جاؤ

(حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ کتابوں میں لکھا ہے کہ فرماتے ہیں کہ)

میں ایک شب اپنے ورد سے سوگیا جس کی وجہ سے میری طبیعت بہت مکدر ہوئی کیونکہ میں ان دنوں ان لوگوں میں تھا جو اپنے اعمال پر اعتماد کرتے تھے، یعنی جن کی نظر اپنے عمل پر ہوتی ہے ۔ چنانچہ اس کی وجہ سے میں چند فرائض سے سوجانے کی سزا میں مبتلا کیا گیا۔ بہت پریشان ہوا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ یا الٰہی یہ کیا ماجریٰ ہے؟ اب تو نوافل سے گزر کر فرائض کی نوبت آنے لگی، اتنے میں باطن سے آواز آئی کہ اے ابراہیم! ہمارے بندے بن جاؤ۔ راحت پا جاؤ گے (یعنی اپنے ارادہ واختیار کو ختم کردو اور ہمارے ارادے اور اختیار سے کام کرو) ہم سلادیں تو سور ہو اور اٹھادیں تو اٹھ جاؤ۔ بس ان دونوں کے درمیان تمہارے اختیار میں کچھ نہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ ایک دشوار گزار گھاٹی ہے جس میں سالکین کا ابتلا ہوتا ہے اور مخلصین ہی محض اللہ کے فضل سے اس سے نکلتے ہیں۔

اسی رذیلہ سے نکلنے کا طریقہ نہایت آسان اور مختصر لفظوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمایا ہے۔ یعنی انسان اللہ تعالیٰ سے صالح اعمال اور حسن اخلاق کی دعا بھی کرے۔ اور اس کا بھی خیال رکھے کہ اگر ان میں سے کچھ حصہ حاصل ہو جائے تو اس کو بھی اللہ تعالیٰ کا فضل سمجھے، اور اپنا کوئی کمال نہ سمجھے۔۔۔۔۔۔۔۔ سبحان اللہ کیا پاکیزہ تعلیم ہے۔ (کنز العارفین، 161)

عالم برزخ کہاں ہے

حضرت خواجہ بزرگؒ نے مجملاً متن میں اشارے کے طور پر عالم برزخ کا ذکر فرمایا ہے۔ شیخ ابو محمد بن عبد اللہ بصری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں اس کا ذکر ہے۔ شیخ محی الدین ابن عربی نے

فتوحات مکیہ میں اجمالاً اور رسالہ برزخیہ میں تفصیلاً لکھا ہے کہ برزخ اس دنیا اور آخرت کے درمیان ایک مستقل عالم ہے جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے: ''وَمِنۡ وَّرَآئِهِمۡ بَرۡزَخٌ اِلٰى يَوۡمِ يُبۡعَثُوۡنَ''۔ (یعنی انسان کے علم ونظر سے دور عالم برزخ ہے اس دن تک جب کہ لوگ دوبارہ اٹھائے جائیں گے) اور یہ ارواح وملائکہ کا مقام ہے ابتدائے خلق سے قیامت تک۔ بس خالق مطلق نے وجود کو تین صورتوں میں ظاہر فرمایا ہے۔ (۱) دنیا (۲) برزخ (۳) آخرت۔ اور عالم موجودات کی تین قسمیں ہیں: (۱) ملک (۲) ملکوت (۳) جبروت۔

حق تعالیٰ نے انسان کو ان تین عالموں کے مجموعے سے پیدا کیا (یعنی جو کچھ ان تین عالموں میں تفصیلا موجود ہے وہ انسان میں اجمالاً موجود ہے) بالفاظ دیگر انسان مرکب ہے۔ (۱) جسم (۲) نفس (۳) روح سے۔ بس جسم کا تعلق اس دنیا سے ہے جو ملک کا مظہر ہے۔ نفس کا تعلق برزخ سے ہے جو مظہر ہے عالم ملکوت کا اور روح کا تعلق آخرت سے ہے جو عالم جبروت کا مظہر ہے اور عالم برزخ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ارواح خواہ سعید ہوں یا شقی ایک مدت مقررہ تک رہتے ہیں نہ کہ دائمی طور پر یعنی ''حضرات سعید'' جنت مثالی میں اور ''حضرات شقی'' جہنم مثالی میں قیامت تک رہیں گے۔ اس کے بعد حساب وکتاب ہوگا اور جہاں جہاں قرآن مجید اور احادیث میں سعید اور شقی لوگوں کا ذکر کسی قید یا شرط کے ساتھ ہوا ہے اس سے مراد حکام برزخ ہے نہ احکام آخرت۔ کیوں کہ آخرت کے لئے مدت شرط نہیں ہے مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''وَاَمَّا الَّذِيۡنَ سُعِدُوۡا فَفِى الۡجَـنَّةِ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالۡاَرۡضُ'' (ھود:۱۰۸)

(جو نیک بخت ہیں وہ جنت میں رہیں گے اور اس وقت تک کہ جب تک آسمان وزمین قائم ہیں) یعنی سعید لوگ جنت مثالی یا برزخی میں قیامت تک رہیں گے اور یہی حال شقیوں کا ہوگا یعنی وہ بھی جہنم مثالی میں قیامت تک رہیں گے، اس کے بعد حساب وکتاب ہوگا۔ یادرہے کہ آدم علیہ السلام جب جنت میں رکھے گئے تھے تو وہ جنت مثالی یا برزخی تھی اور اس جنت میں آپ اوامر ونواہی کے تابع تھے لیکن تقاضائے بشری کی وجہ سے آپ سے لغزش ہوگئی جس کی وجہ سے جنت مثالی سے دنیا میں بھیجے گئے۔ اسی طرح ابلیس بھی عالمِ مثال میں تھا تکبر کی وجہ سے مردود ہوا۔ آدم علیہ السلام کی جنت دائمی نہ تھی۔

(۲) بسط زمان: مولف مراۃ الاسرار شیخ موسیٰ سدرانی کے ذکر میں فرماتے ہیں: ''صاحب نفحات الانس قدیم مشائخ سے نقل کرتے ہیں شیخ عماد الدین محمد بن شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں کعبہ کا طواف کررہا تھا اور شیخ موسیٰ سدرانی مغربی بھی طواف میں مشغول تھے۔ لوگ آپ سے برکت حاصل کررہے تھے اور زیارت کی جستجو کررہے تھے۔ لوگوں نے آپ کے سامنے میری تعریف کی کہ یہ شیخ شہاب الدین سہروردی کے فرزند ہیں۔ آپ نے مجھے مرحبا کہا اور میرے سر پر بوسہ دے کر دعائے خیر دی۔ چنانچہ آپ کی دعا کی برکت کا میں اپنے اندر مشاہدہ کررہا ہوں اور اس بات کا امیدوار ہوں کہ آخرت میں بھی میرے ساتھ ہوں۔ طواف سے فارغ ہوکر میں اپنے والد کی خدمت میں گیا اور سارا ماجرا بیان کیا۔ میرے والد بہت خوش ہوئے۔ اس کے بعد حاضرین مجلس نے شیخ موسیٰ سدرانی مغربی کے مناقب بیان کرنا شروع

کئے۔ان میں سے ایک نے کہا کہ ہر شبانہ روز یعنی ایک دن رات میں ستر ہزار ختم قرآن کا ورد ہے۔ میرے والد خاموش تھے۔میرے والد کے اصحاب کبار میں سے ایک نے قسم کھا کر کہا کہ صحیح ہے۔ انہوں نے کہا پہلے میرے دل میں اس روایت کے متعلق کچھ شک تھا لیکن ایک دن میں نے شیخ موسیٰ کو طواف کرتے دیکھا۔انہوں نے حجر اسود کی زیارت کر کے سورہ فاتحہ شروع کی اور چلتے چلتے تلاوت کرتے رہے۔حتیٰ کہ خانہ کعبہ کے دروازہ تک جو حجر اسود سے چار قدم پر ہے پہنچتے ہی آپ نے قرآن ختم کرلیا اور میں نے سارا قرآن حرف بہ حرف سنا۔ یہ سن کر میرے والد نے اس کی تصدیق فرمائی۔اس کے بعد میں نے اس کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ ایک کرامت ہے جسے بسط زمان کہتے ہیں اور بعض اولیاء اللہ کو یہ کرامت حاصل ہوتی ہے۔اس کے بعد آپ نے ایک قصہ بیان فرمایا کہ شیخ الشیوخ ابن سکیہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مرید تھا جو صباغ یعنی رنگریز تھا۔اس کے ذمہ یہ کام تھا کہ صوفیوں کے لئے نماز کی صفیں خانقاہ سے اٹھا کر جامع مسجد میں لے جاتا اور نماز جمعہ کے بعد صفیں سمیٹ کر خانقاہ میں لے آتا۔ ایک جمعہ کے دن وہ صفیں ایک دوسرے پر باندھ کر دریائے دجلہ پر غسل کرنے چلا گیا۔اس نے کپڑے دریا کے کنارے پر رکھ دیئے اور غسل کرنے لگا۔غوطہ لگانے کے بعد جب باہر آیا تو دیکھتا ہے کہ دجلہ نہیں ہے کوئی اور مقام ہے۔اس نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کیا مقام ہے لوگوں نے کہا دریائے نیل ہے اور ملک جہاں تم کھڑے ہو مصر ہے۔بے چارہ سخت حیرانی کے عالم میں پانی سے باہر آیا اور شہر کی طرف روانہ ہوا۔ بازار میں اس نے ایک رنگریز کی دکان دیکھی اور اس کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔اس مصری رنگریز

نے قیافہ سے پہچان لیا کہ یہ رنگریز ہے۔ جب اس کی آزمائش کی تو معلوم ہوا کہ اپنے فن رنگریزی میں کمال رکھتا ہے چنانچہ اس کی عزت کی اور اپنے گھر لے گیا اور اپنی لڑکی کا اس کے ساتھ نکاح کر دیا۔ اس طرح سات برس گذر گئے اور اللہ نے اسے تین لڑکے عنایت فرمائے۔

ایک دن وہ دریائے نیل کے کنارے گیا اور غوطہ لگانے کے بعد جب باہر آیا تو دیکھا کہ کپڑے اسی طرح کنارے پر پڑے ہیں۔ کپڑے پہن کر وہ جلدی سے خانقاہ گیا۔ صفیں اسی طرح ایک دوسرے پر بندھی تھیں۔ اس کے ساتھیوں نے کہا جلدی کرو، اکثر صوفی مسجد کی طرف چلے گئے ہیں، صفیں جلدی لے جاؤ۔ نماز کے بعد وہ صفیں اٹھا کر خانقاہ لے گیا اور جلدی سے گھر گیا۔ اس کی بیوی نے کہا مہمانوں کے لئے جو مچھلی آپ نے تیار کرنے کا حکم دیا تھا تیار ہے، مہمان کہاں ہیں۔ الغرض وہ مہمانوں کو اپنے گھر لایا اور کھانا کھلانے کے بعد اپنے شیخ ابن سکیہ کی خدمت میں جا کر سارا ماجرا بیان کیا۔ شیخ نے فرمایا کہ اپنے بچوں کو مصر سے بغداد لے آؤ۔ چنانچہ وہ اپنے بال بچوں کو بغداد لایا اور جو کچھ بیان کیا تھا سچ کر دکھایا۔ شیخ ابن سکیہ نے پوچھا: کیا اس دن تیرے دل میں کوئی شک تھا۔ اس نے جواب دیا کہ پہلے دن سے میرے دل میں اس آیت قرآن کے متعلق شک تھا کَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ (یعنی اس کا ایک دن ہزار سال کے برابر ہوگا۔ شیخ نے فرمایا کہ یہ واقعی حق تعالیٰ کی طرف سے تجھ پر ایک رحمت ہے جس سے تیرا شک دور ہو گیا ہے اور ایمان صحیح ہوا ہے۔ حق تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ اپنے بعض بندوں کو بسط زمان کی کرامت عطا فرما دے اور تھوڑے وقت کو طویل کر دے۔'' وَاللّٰہُ

قَادِرٌ عَلٰی مَایَشَآءُ'' (اللہ تبارک وتعالیٰ اس بات پہ قادر ہے کہ جو چاہتا ہے کرسکتا ہے)۔ نفحات الانس میں شیخ موسیٰ سدرانی مغربی کے متعلق واقعات اسی ضمن میں نقل کئے گئے ہیں۔حق سبحانہ وتعالیٰ کے دوستوں کے کمالات اور احوال وہم وخیال سے برتر ہیں۔

(۳) سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ:

مولف مراۃ الاسرار شیخ عبدالرحمن چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ الاسلام امام محمد غزالی کے ذکر میں تصوف کی دو اصطلاحوں سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ کی تشریح کی ہے۔ چونکہ ہمارے بزرگوں کے طریقت کی درسگاہ میں بھی دوائر کی تعلیم کے بعد ان نسبتوں سے طالب کو سروکار ہوتا ہے۔اس لئے تشنگان سلوک وطریقت کی واقفیت اور دلچسپی کے لئے بیان کیا جاتا ہے۔

''سیر الی اللہ میں فنا ہونے سے سالک منتہی ہوجاتا ہے اور سیر فی اللہ کی تو کوئی انتہا ہی نہیں۔اس کی یوں مثال دی جاسکتی ہے کہ ایک شخص ایسے سمندر کا سفر کرنا چاہتا ہے جس کا دوسرا کنارہ نہیں۔ جب وہ اپنے گھر سے روانہ ہوکر سمندر کے کنارے تک پہنچا ہے تو اس سفر کو سیر الی اللہ سمندر کہا جاتا ہے اور جب سمندر کے اندر داخل ہوجاتا ہے تو اسے سیر فی اللہ سمندر کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔اس طرح چوں کہ حق تعالیٰ کی ذات کی کوئی انتہا نہیں۔جب آدمی روحانیت میں اس قدر ترقی کرلیتا ہے کہ ذات حق میں اسے فنا شروع ہوجاتی ہے تو اس مقام کو سیر الی اللہ یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ تک کا سفر کہتے ہیں، اس سے آگے کے سفر کو سیر فی اللہ یا فنا فی اللہ کہتے ہیں۔لیکن چونکہ ذات حق کی کوئی انتہا نہیں اس لئے اس کے سفر کی بھی کوئی انتہا نہیں لہٰذا سیر فی اللہ کی کوئی انتہا نہیں۔

(۴) قبض اور بسط: حوالہ: کتابچہ فائض البرکات (ملفوظات حضرت خواجہ سید شاہ ابوالبرکات ابوالعلائی قدس سرہ) (۱۱۵۹-۱۳۵۶ھ) جامع حضرت میر سید شاہ قمر الدین حسین منعمی ابوالعلائی قدس سرہ، ترتیب و ترجمہ سید شاہ شمیم الدین منعمی (۱۲۰۳-۱۲۵۵ھ) میتن گھاٹ، ص: ۲۸)

''قبض اور بسط سالک پر طاری ہونے والے دو حال ہیں جو ان پر بے اختیار طاری ہوتے ہیں۔ نہ کوشش سے آتے ہیں اور نہ کوشش سے جاتے ہیں۔ قبض سے مراد روحانی طور پر قلب پر حجاب کا طاری ہونا ہے۔ اور ''بسط'' کا مطلب ہے قلب سے حجاب کا رفع ہونا۔ یہ دونوں حال منجانب اللہ ہوتے ہیں۔ مبتدی پر جب پہلی حالت طاری ہوتی ہے تو اسے ''خوف'' کہا جاتا ہے اور جب خواص پر یہ حال طاری ہوتا ہے تو ''قبض'' کہلاتا ہے۔ اسی طرح سے مبتدی کے لئے کشادگی کی حالت ''رجا'' کہلاتی ہے اور خواص کے لئے ''بسط''۔

(۵) پاس انفاس: ''خواجہ ضیاء الدین ابونجیب سہروردی کے فرمودات میں مذکور ہے: ''صوفیوں کے نزدیک تمام چیزوں میں بہتر اور افضل چیز ''پاس انفاس'' ہے یعنی اپنی سانس کا نگہبان و پاسبان''۔

حضرت شاہ مجیب اللہ صاحب قادری پھلواروی مریدوں کی تربیت میں پاس انفاس اور ذکر جہری کو زیادہ اہمیت دیتے تھے، فرماتے تھے کہ انہیں کے ذریعے سے باطنی اصلاح و تربیت ممکن ہے۔ (سیرت پیر مجیبؒ از مولانا ہلال احمد قادری پھلواروی) حضرت نظام الدین اولیاء چشتی اورنگ آبادی کا بھی یہی طریقہ تھا۔ ''رات دن میں چوبیس ہزار سانسیں ہوتی ہیں۔ چونکہ طالب یہ جانتا ہے کہ حق سبحان و تعالیٰ کے ساتھ ایک سانس گزارنے کی کیا قیمت ہوتی ہے اس لئے حق سبحانہ تعالیٰ کی

یاد کے بغیر جو سانس گزرتی ہے اس کو (طالب) سمجھتا ہے کہ ایک بڑی دولت ہاتھ سے جاتی رہی۔ دونوں جہاں کے حصول کے باوجود وہ دولت حاصل نہیں ہوسکتی۔ ایسی صورت میں تمام تعلقات اور مخلوقات سے میل ملاپ رکھنے میں وحشت محسوس کرتا ہے اور اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ ایک سانس بھی حق سبحانہ وتعالیٰ کی یاد سے خالی نہ جائے۔ جب چوبیس ہزار سانسیں یادِ حق میں گزرتی ہیں تو اسی کو پاس انفاس کہتے ہیں"۔ (کتابچہ قائض البرکات۔ ملفوظات خواجہ سید شاہ ابوالبرکات ابوالعلائی قدس سرہ مرتبہ سید شاہ شمیم الدین احمد منعمی، سجادہ نشین خانقاہ منعمیہ قمریہ میتن گھاٹ پٹنہ صاحب، پٹنہ بہار، بحوالہ مکتوبات حسین نوشہ توحید بلخی مرید وخلیفہ حضرت مظفر بلخیؒ مذکورہ کتابچہ کا صفحہ نمبر ۳۱)

"وجود انسانی کا تعلق دو طرح کی سانسوں سے ہے۔ ایک وہ جو اندر جاتا ہے اور دوسرا وہ جو باہر آتا ہے۔ ان سانسوں پر موکل فرشتے معمور ہیں۔ جب انسان اندر کی جانب سانس لیتا ہے تو موکل فرشتے بارگاہِ الٰہی میں عرض پرداز ہوتے ہیں۔ اور وہ دم (سانس) جو اللہ کے نام کے تصور سے باہر نکلتا ہے وہ نورانی صورت میں بارگاہِ الٰہی میں چلا جاتا ہے۔ اور موتی کے مانند ہوجاتا ہے کہ جس کی قیمت کا مقابلہ دونوں جہان کے اسباب بھی نہیں کرسکتے اور وہ بے بہا موتی ہے۔ اس لئے فقراء کو خزائن الٰہی یعنی اللہ تعالیٰ کا خزانہ رکھنے والا کہتے ہیں"۔

(کتاب سراج السالکین، اردو ترجمہ شمس العارفین، ناشر ۱۵۶۱ ارگلی کوتانا سوئی والان، نئی دہلی: ۲، ص: ۷۵)

مرشد کامل کی جوتیوں کی قدردانی

ایک مرتبہ ایک پریشان حال شخص حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں حاضر ہوا۔ اس شخص کی چار لڑکیاں تھیں جن کی شادی کے لئے بظاہر اس کے پاس کوئی انتظام نہ تھا۔ یہ سوچ کر کہ حضرت کی بارگاہ سے کوئی انتظام ہوجائے گا بڑی امید کے ساتھ حاضر ہوا اور اپنا مقصد بیان کیا۔ حضرت کے پاس اس وقت کوئی مال وزر نہیں تھا جس سے اس کی مراد پوری ہوتی۔ اس

لئے اپنی جوتیاں اس کے حوالہ کر دیں۔ (جوتیوں کے حوالہ کرنے میں کیا راز تھا اور ان جوتیوں کے ذریعہ اسے کیا کچھ عطا کر رہے تھے اس باریکی کو تو اہل نظر ہی سمجھ سکتے ہیں) سائل نے اپنے دل میں سوچا کہ ان جوتیوں کا (خواہ وہ کتنی ہی قیمتی ہوں) میں کیا کروں گا، انہیں کون خریدے گا اور ان کے ذریعہ اتنی رقم کیوں کر حاصل ہوگی جن سے لڑکیوں کی شادی کے انتظامات ممکن ہوسکیں۔ بہر حال کچھ سوچ کر اور ''پھول نہیں تو پھول کی پنکھڑی'' سمجھ کر اپنے سامان کے ساتھ رکھ لیا اور مایوس ہو کر حضرت کی مجلس سے روانہ ہوا۔ راستے میں ایک سرائے میں قیام کیا۔ اسی سرائے میں امیر خسرو امارتِ دکن سے لوٹتے ہوئے مال و زر کے اک بڑے ذخیرے کے ساتھ قیام پذیر تھے۔ اچانک وہ کھڑے ہو گئے اور دیوانہ وار پورے سرائے میں کسی چیز کی تلاش کرنے لگے۔ بار بار فرماتے کہ مجھے میرے پیر کی خوشبو آ رہی ہے۔ مجھے یہ بتاؤ کہ دہلی سے کون سا قافلہ آیا ہے۔ اس پریشان حال شخص نے کہا: دہلی سے میں آیا ہوں۔ اور سارا ماجرا بیان کیا۔ امیر خسرو نے فرمایا کہ ان جوتیوں کو میرے ہاتھ اپنی منھ مانگی قیمت میں بیچ دو۔ اس شخص نے کہا کہ ان کی قیمت جو آپ مناسب سمجھیں دے دیں۔ چنانچہ امیر خسرو نے اپنا تمام مال و زر اس شخص کے حوالے کر دیا۔ اور اس کے بدلے ان جوتیوں کو اپنے دستار کی زینت بنا کر اسی دیوانگی کے عالم میں بارگاہِ محبوب الٰہی میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے: حضور! ہم غلامانِ دربار ایک مدت سے عنایت خاص کے منتظر ہیں۔ جب کہ نعلین مبارک اس شخص کو عنایت کی جا رہی ہے۔ جو اس کی قدر ہی نہیں جانتا۔ جواب میں ارشاد ہوا: ''جس کو جس چیز کی ضرورت تھی وہ اس کے پاس پہنچ گئی۔ اے خسرو! اسی لئے تو میں ساری دنیا سے تنگ آ جاتا ہوں لیکن میں تم سے تنگ نہیں آتا''۔

ہائے ہائے! جوتیوں کے عوض زر کثیر دے دینے کی بابت مخلوق کے استفسار پر کہ بے شمار دولت ایک جوڑی جوتیوں کے عوض دینے میں آخر کون سی مصلحت تھی؟ امیر خسرو نے فرمایا:

(مفہوم یہ تھا) اس ظاہر بین کو کیا معلوم کہ ان جوتیوں کی قیمت کیا ہے؟ (اگر جانتا تو اتنے کفایت داموں میں نہ دیتا) سچ تو یہ ہیکہ اگر وہ اس زر کثیر کے علاوہ مجھے بھی اپنی غلامی میں مانگتا تو میں وہ بھی کر گزرتا۔ (لیکن ہر قیمت پر اپنے شیخ کامل کی جوتیوں کو حاصل کر لیتا) کاش ایک سعادت مند مرید کی ایسی بے مثال عقیدت مندی وقدر دانی اور شیخ کامل کی ایسی نظرِ عنایت ہر طالب راہ سلوک کو نصیب ہو جائے۔ (محمد ادریس حبان رحیمی)

شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ احمد سرہندی کو اللہ تعالیٰ نے الہام فرمایا کہ ہم نے تجھے ہزار سالہ مجدد بنا دیا چنانچہ آپ حضرت مجدد الف ثانی کے نام سے مشہور ہو گئے۔

شمال ہندوستان میں معروف اولیاء کرام اور بزرگان دین کے نام بھی کچھ اسی طرح مشہور ہو گئے حضرت شاہ شرف الدین صاحب فاروقی پانی پت، کو بوعلی شاہ قلندر کہتے ہیں کیونکہ کہ انہوں نے دعا مانگی تھی اے اللہ مجھے علی جیسا بنا دے تو اللہ تعالیٰ نے الہام فرمایا علی تو ہم نے بنا دیا ہاں تجھے علی کی بو دے رہے ہیں چنانچہ بوعلی شاہ قلندر مشہور ہو گئے۔ اسی طرح حاجی امداد اللہ مہاجر مکّی رحمۃ اللہ علیہ تھانہ بھون سے مکہ ہجرت فرمائی تھی چنانچہ آپ حضرت مہاجر مکی کے نام سے مشہور ہو گئے۔

مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو عالمِ رویاء میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رشید احمد تو امام ربانی ہے چنانچہ مولانا گنگوہی امام ربانی کے نام سے مشہور ہو گئے۔

سالک چار چیزوں کا محتاج ہوتا ہے

وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (البقرہ ۱۰۵)

اور اللہ خاص فرما لیتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑا فضل

فرمانے والا ہے۔

روایت ہے کہ شیخ کبیر جن کا نام جوہر ہے اوران کی قبر عدن میں ہے غلام تھے۔آزاد ہونے کے بعد بازاروں میں خرید وفروخت کیا کرتے تھے اور فقراء کی مجلسوں میں آتے جاتے اوران سے اعتقادرکھتے تھے اور وہ ان پڑھ تھے۔ جب شیخ کبیر سعد حداد کی جو عدن میں مدفون ہیں وفات کا وقت قریب آیا تو ان سے دریافت کیا گیا کہ آپ کے بعد شیخ کون ہوں گے؟ فرمایا جس کے سر پر سبز پرندہ تیسرے دن گرے میری موت کے بعد جب سب فقراء جمع ہوں وہی شیخ ہوگا۔ جب تیسرا دن ہوااور لوگ قرأت وذکروغیرہ سے فارغ ہوکر شیخ کے ارشاد کے انتظار میں بیٹھے تھے کہ ایک سبز پرندہ ان کے قریب آگرا بڑے فقراءاس خواہش میں تھے کہ ہم پر گرے یہ لوگ اسی انتظاراور تمنا میں تھے کہ تقدیر سے کیا ظاہر ہو۔ ناگاہ وہ پرندہ آکر جوہر کے سر پر گرا حالانکہ نہ انہیں خیال تھا اور نہ فقراء کوگمان تھا فقراء ان کی طرف دوڑے تا کہ انہیں سجادہ نشین کریں اور شیخ بنائیں اوروہ روتے تھےاور کہتے تھے میں شیخ بننے کے قابل نہیں ہوں میں ایک بازاری آدمی ہوں اور ان پڑھ ہوں طریقہ فقراء کا جانتانہیں ہوں نہ ان کے آداب سے واقف ہوں اورلوگوں سے میرالین دین اور معاملہ ہے۔انہوں نے کہا یہ حکم آسمانی ہے جو نازل ہوا ہے حق تعالیٰ تیری تعلیم میں معاونت اور سرپرستی کریں گے۔ وہی بزرگوں کے سرپرست ہیں۔فرمایا تھوڑی دیر کیلئے مجھے چھوڑ دوتو جا کرلوگوں کے حقوق سے بری ہوآؤں۔انہوں نے چھوڑ دیا۔اسی وقت اپنے مکان پر جاکر قرض داروں کا حق ادا کیا پھر گوشہ نشین ہوگئے اوران کے پاس فقراء خدمت گزیں رہے حتیٰ کہ اپنے نام کے مثل جوہری ہوگئے۔ان کے بہت سے فضائل اور کرامات ہین جن کا ذکر طویل ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنا فضل جس کو چاہتا ہے عنایت فرماتا ہےاوروہ بڑے فضل والا ہے۔

بعض عارفین فرماتے ہیں کہ جس کی سرپرستی حق تعالیٰ کی مہربانی اورنظرالتفات فرمائے وہ اس سے بڑھ کر ہے جس کو سالک باادب بنائے اور یہ قول بہت ہی اچھا ہے اور بعض بزرگ کہتے ہیں

کہ سالک اپنے سلوک میں چار چیزوں کا محتاج ہوتا ہے۔ایک علم کا جو کہ اس کا حاکم بنے۔ایک ذکر کا جو انس پیدا کرتا ہے۔ایک پرہیز گاری کا جو اسے بچائے رکھتی ہے۔ایک یقین کا جو اسے اعلیٰ مرتبہ پر پہنچاتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ پہلے بزرگ کے قول کے موافق جسے رعایت حق حاصل ہو جائے وہ ان چار چیزوں سے مستغنی ہو جاتا ہے کیونکہ وہ اسی ایک رعایت حق سے صاحب علم و صاحب انس ہو کر بلند مقام کی طرف اٹھا لیا جاتا ہے۔(اعمال سالکین خصائل عارفین،ص/177)

حقیقت کے راستے

شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ اپنے مکتوبات میں تحریر فرماتے ہیں:

''اس راہ کو طے کرنے کے لئے تین ذریعے ہیں شریعت،طریقت،اور حقیقت۔آدمی تین چیزوں کا مجموعہ ہے نفس،دل اور روح ہر ایک کے لئے ایک راستہ مقرر کر دیا گیا ہے۔نفس شریعت کے راستے سے عالم ملکوت میں داخل ہوتا ہے اور دل کی صفتیں اختیار کر کے اس کا ہم رنگ ہو جاتا ہے دل طریقت کی راہ سے عالم جبروت میں پہنچتا ہے اور روح کی صفات اختیار کر کے اس کا ہم رنگ ہو جاتا ہے اور پھر روح حقیقت کے راستے سے اپنی منزل مقصود کو پہنچ جاتی ہے اور اس طرح کا بنتا ہے کہ نفس دل کی طرح ہو جاتا ہے اور دل روح کی طرح اور اس طرح تینوں ایک ہو جاتے ہیں۔(مکتوبات صدی،آئینہ سلوک ر۷۷)

کیا شریعت کے ظاہری احکام پر چلنے والا سالک نہیں ہے؟

اصل سالک تو وہی ہے جو شریعت مقدسہ کا کامل اتباع کرے۔ظاہر میں بھی اور باطن میں بھی،کیونکہ شریعت مقدسہ کا ایک ظاہر ہے اور دوسرا باطن،مثلاً شریعت کا ایک حکم نماز ہے اور اس کا ظاہر وہ ارکان نماز ہیں جو سب ادا کرتے ہیں اور باطن اس کا خشوع و خضوع اور دھیان کا اللہ تعالیٰ

کی طرف لگنا اور اس کے دربار میں اپنی حاضری کا احساس ہے یا جیسے ایک حکم طہارت ہے اس کا ظاہر تو کپڑے، جسم اور جگہ کی پاکی ہے اور باطن اس کا قلب وروح کی طہارت یعنی حسد، تکبر، طمع، بخل اور غصہ وشہوت وغیرہ کی گندگی سے اپنے قلب کو پاک کرنا ہے تو اگر کوئی شخص اپنے عمل میں شریعت کے دونوں ظاہری اور باطنی تقاضوں کو پورا کرر ہا ہے اور اس محنت سے نیت بھی اس کی حق تعالیٰ کی رضاء ہے تو یقیناً وہ شخص سالک ہے اور مقربان الٰہی کے راستے پر گامزن ہے اور اگر وہ صرف ظاہری اعمال پر اکتفاء کرتا ہے اور باطن شریعت سے اس کو کوئی حصہ نہیں ملا اور طلب بھی نہیں ہے تو پھر وہ سالک نہیں ہے بلکہ عام مومنین کے زمرے میں شامل ہے۔ (آئینہ سلوک)

نفس کو رب کے حوالے کردو

صاحبزادہ! اپنے دل سے اللہ عزوجل کی طرف رجوع کر اللہ سے توبہ کرنے والا ہی اس کی طرف رجوع کرنے والا ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ رجوع کرو اپنے رب کی طرف یعنی ہر چیز کو اس کے حوالہ کردو اپنے نفس کو اس کے سپرد کردو اور ان کو اس کی قضاء وقدر اور امر ونہی اور تصرفات کے سامنے ڈال دو (کہ جس طرح چاہے تصرف فرمادے) اور اپنے قلوب کو اس کے آگے پھینک دو کہ نہ زبانیں ہوں نہ ہاتھ نہ پاؤں ہوں، نہ آنکھیں، نہ چوں ہو نہ چرا، نہ سماعت ہو نہ مخالفت بلکہ ہر امر میں موافقت ہو۔ (مواعظ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ۹۴)

اصلاح کی ضرورت مشائخ کو بھی ہے

ایک فاضل صاحب کے خط کے سلسلہ میں فرمایا میرے مرشدی ومولائی حاذق الامت حضرت مولانا حکیم زکی الدین احمدؒ نے کہ مجاز وخلیفہ تو اس لئے ہوتا ہی ہے کہ اگر کوئی صدق دل سے اصلاح کی نیت سے آئے تو ضرور اس کی خدمت کرنا چاہیئے ورنہ دیانت داری اور ذمہ داری

کے خلاف ہوگا فرمایا کہ اصلاح کی ضرورت تو مشائخ کو بھی رہتی ہے وہ بھی اصلاح سے بے فکر نہیں ہو سکتے ہیں اپنے سے بڑوں سے اصلاح کراتا رہے ہر ایک کو اصلاح کی ضرورت ہے۔فرمایا کہ اگر کوئی رجوع ہوتا ہے تو یہ منجانب اللہ ہے اور مرید کے حق میں یہ توفیق بہت بڑی نعمت ہے اور فضل خداوندی ہے اس کی قدر کرنا چاہئے۔

اچھے مرید کو دیکھ کر پیر کی حالت کیسی ہو؟

صاحبزادے! تو ہی میری مراد ہے میں خود نہیں ہوں اگر تیری حالت میں تغیر آئے اور میں بدستور رہوں تو رو پڑتا ہوں اور میں اپنے آپ کو جو محبوب سمجھتا ہوں تو صرف تیری ہی وجہ سے پس میرے ساتھ علاقہ رکھ کہ جلد عبور کر سکے۔

صاحبو! چھوڑ دو تکبر کرنا اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق پر اپنی حقیقت کو پہچانو اور تواضع کرو اپنے نفس میں تمہاری ابتداء ایک نطفہ سے ہے جس سے گھن آئے ذلیل پانی (یعنی منی) ہے اور تمہاری انتہا مردار ہے جس کو پھینک دیا جائے گا ان میں سے مت بنو جن کو حرص کھینچے لئے جاتی ہے خواہش ان کا شکار کرتی ہے اور ان کو ذلت وخواری کے ساتھ لادے ہوئے پھرتی ہے بادشاہوں کے دروازوں پر کہ ان سے ایسی شئے طلب کریں جو ان کی تقدیر میں نہیں یا ایسی چیز مانگیں جو ان کے نصیب میں لکھی جا چکی ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ اللہ کا سخت ترین عذاب بندہ کیلئے یہ ہے کہ وہ مانگتا پھرے ایسی چیزیں جو اس کی قسمت میں نہ ہو تجھ پر افسوس اے تقدیر اور مقسوم سے ناواقف۔(مواعظ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ)

تم مزے اڑانے کیلئے نہیں پیدا ہوئے

صاحبزادے! تم دنیا میں رہنے اور یہاں کے مزے اڑانے کے لئے نہیں پیدا ہوئے ہو حق تعالی

کی ناراضیوں کی جس حالت میں تو مبتلا ہے اس کو بدلو تو نے اللہ کی اطاعت میں صرف لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہہ لینے پر قناعت کر لی ہے حالانکہ جب تک اس کے ساتھ دوسری چیز (یعنی عمل کو) نہ ملائے گا یہ تجھ کو نافع نہ ہوگا ایمان مجموعہ ہے قول اور عمل۔

سالک کا پہلا قدم توبہ

جب کسی اللہ کے بندے کو اللہ تعالیٰ اس راستہ کی طرف رہنمائی فرمائیں اور اس کے دل میں اس کا جذبہ پیدا فرمائیں تو سب سے پہلے اس کو اپنی پچھلی زندگی سے توبہ کرنا چاہئے، توبہ سالکین کے منازل میں سے اول منزل اور طالبین کے مقامات میں سے اولین مقام ہے۔

توبہ کی فضیلت وضرورت بے شمار آیات واحادیث سے ثابت ہے: قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے: وَتُوْبُوْا اِلَى اللهِ جَمِيْعاً اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ (نور:۳۱)

تم سب کے سب اللہ کی جناب میں توبہ کرو، اے مومنو! تاکہ تم کامیاب ہوسکو۔

اور حدیث میں ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے لوگو! تم اللہ کی جناب میں توبہ کرو اور اس سے گناہوں کی معافی چاہو کہ میں بھی دن میں سو دفعہ توبہ کرتا ہوں۔ (مسلم: ۴۸۷۱، احمد: ۱۷۱۷۳)

ایک اور حدیث میں ہے: اِنَّ اللهَ تَعَالٰى يَبْسُطُ يَدَهُ بِاللَّيْلِ لِيَتُوْبَ مُسِيْئُ النَّهَارِ، وَيَبْسُطُ يَدَهُ بِالنَّهَارِ لِيَتُوْبَ مُسِيْئُ اللَّيْلِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا۔

اللہ تعالیٰ رات میں (اپنی رحمت کا ہاتھ) پھیلاتے ہیں تاکہ دن کا گنہ گار توبہ کرلے اور دن میں ہاتھ پھیلاتے ہیں تاکہ رات کا گنہ گار توبہ کرلے (یہ توبہ کا سلسلہ چلتا رہے گا) یہاں تک کہ سورج مغرب کی طرف سے طلوع ہو۔ (مسلم: ۴۹۵۴، احمد: ۱۸۷۰۸)

لہٰذا سب سے پہلے آدمی کو اپنے تمام صغیرہ وکبیرہ کھلے وچھپے ظاہری وباطنی گناہوں سے توبہ

کرنا چاہئے، توبہ کی حقیقت تین چیزیں ہیں:

(۱) اپنے گناہوں پر ندامت وپشیمانی کا احساس۔

(۲) تمام گناہوں سے فی الفور وفی الحال دوری وعلاحدگی۔

(۳) آئندہ گناہ نہ کرنے کا عزم اور پختہ ارادہ۔ (ریاض الصالحین: ۱۱، رسالہ قشیریہ: ۱۲۸)

جب آدمی سچے دل سے اس طریقہ پر توبہ کرتا ہے تو حق تعالیٰ اس بندہ کو معافی وبخشش عطا فرماتے ہیں اور اس سے راضی وخوش ہوجاتے ہیں، چناں چہ حدیث میں ہے کہ:

اللہ تعالیٰ بندہ کی توبہ پر جب کہ وہ اللہ کی طرف رجوع کرے، اس آدمی سے زیادہ خوش ہوتے ہیں جو جنگل میں اپنی سواری پر تھا اور اس پر اس کا کھانا پینا بھی تھا پس وہ سواری گم ہوگئی، وہ آدمی مایوس ہوکر ایک درخت کے سایہ میں لیٹ گیا۔ اسی درمیان اس نے دیکھا کہ اس کی وہ سواری اس کے پاس کھڑی ہے۔ اور خوشی میں اس اونٹنی کو پکڑا اور خوشی کے غلبہ میں غلطی سے کہنے لگا کہ اے اللہ! تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب۔

اس بندے کی خوشی سے زیادہ اللہ کو توبہ پر خوشی ہوتی ہے۔

(مسلم: ۴۹۲۹، بخاری: ۶۳۰۸، ترمذی: ۶۴۲۲)

ایک حدیث میں ہے: اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لاَ ذَنْبَ لَهُ۔ (ابن ماجہ: ۴۲۴۰)

(کہ گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے کہ اس کا کوئی گناہ ہی نہ ہو۔)

غرض سچے دل سے توبہ کرنے کی ضرورت ہے بغیر اس کے آگے بڑھنا ممکن نہیں؛ بعض لوگ صحیح طریقہ سے توبہ کئے بغیر آگے بڑھنا چاہتے ہیں جو ممکن نہیں پھر جب ترقی نہیں دیکھتے تو مایوسی کا شکار ہو جاتے ہیں؛ لہٰذا ہر سالک کو چاہیے کہ وہ سب سے اول قدم وسیڑھی سمجھ کر صحیح طور پر توبہ کرے۔

توبہ کے بارے میں علما فرماتے ہیں:

’’گناہ دو قسم کے ہیں، ایک وہ جن سے حقوق اللہ میں فتور و خلل پڑ جاتا ہے دوسرے وہ جن سے حقوق العباد میں خلل ہو جاتا ہے، جہاں تک حقوق اللہ سے متعلق گناہوں سے توبہ ہے تو وہ اللہ سے ندامت کے ساتھ سچے دل سے معافی مانگنے سے ہو جائے گی اور ان میں سے نماز، روزہ، زکوٰۃ و حج کے ادا کرنے میں جو کوتاہیاں ہوئی ہیں ان کو اب ادا کر دینا چاہئے، نمازوں کا حساب لگا کر روزانہ کچھ نہ کچھ نمازیں قضاء پڑھ لے اسی طرح روزے جو چھوٹ گئے ہوں ان کی قضا کرے اور زکوٰۃ ادا کرنے میں غفلت ہوئی ہو تو جتنے سالوں کی زکوٰۃ ادا نہ کی ہو جلد اس کو ادا کر دے، حج فرض ہونے کے باوجود ادا نہ کیا ہو تو جلد سے جلد اس کو بھی ادا کر دے۔ اسی طرح تمام عبادات کا جائزہ لیکر ان کی کوتاہیوں کا تدارک کرے۔‘‘

اور رہے وہ حقوق جن کا تعلق بندوں سے ہے ان کی کوتاہیوں سے توبہ کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے معافی کے ساتھ ان لوگوں سے بھی معافی مانگنا چاہیے جن کی حق تلفی کی ہے۔ مثلاً کسی کی غیبت کی تھی تو اس سے بھی معافی مانگے جس کی غیبت کی ہے؛ اسی طرح اگر کسی کی کوئی چیز غصب یا چوری کی ہو تو اس کو معافی کے ساتھ واپس کرے، یہ ہے توبہ کا مکمل طریقہ جس کو حضرات علماء نے بیان کیا ہے۔

توبہ کرنے کے بعد (جیسا کہ اوپر حدیث کی روشنی میں بتایا گیا) آدمی گناہوں سے پاک وصاف ہو جاتا ہے؛ لیکن اس کے بعد اگر پھر کچھ گناہ ہو جائے تو سالک کو چاہئے کہ فوراً توبہ واستغفار کرے۔ مایوس ہو کر تعطلی کا شکار نہ ہو جائے۔ بعض سالکین توبہ کر کے کام شروع کرتے ہیں اور دوبارہ یا سہ بارہ گناہوں کا صدور ہو گیا تو شیطان ان کو اللہ کی رحمت سے مایوس کر دیتا ہے وہ یوں سمجھا تا ہے کہ تو نے توبہ کی پھر توبہ کو توڑ دیا۔ اب پھر کس منہ سے اللہ کی جناب میں جائے گا؟ اور کیسے تیری معافی ہوگی؟

غالب کو شیطان نے یہی پٹی پڑھائی تھی، چنانچہ غالبؔ نے کہا تھا ؎

کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالبؔ
شرم تم کو مگر نہیں آتی

یہ شعر مایوسی بلکہ تعطلی پیدا کرتا ہے اور دراصل شیطانی وسوسہ ہے اس کے مقابلہ میں حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڑھی رحمہ اللہ کے یہ اشعار سالک کو مشعل راہ بنانا چاہئے فرماتے ہیں ۔

میں اسی منہ سے کعبہ جاؤں گا
شرم کو خاک میں ملاؤں گا
ان کو رو رو کے میں مناؤں گا
اپنی قسمت کو یوں بناؤں گا

لہٰذا سالک کو مایوس نہ ہونا چاہئے ؛ بلکہ گناہ کے بعد پھر اسی در پر آنا اور گڑگڑانا اور معافی مانگ کر اس اللہ کو منانا چاہئے اور رورو کر منانا چاہئے اور شرم کو خاک میں ملانا چاہئے ۔

ابوعلی دقّاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک مرید نے توبہ کی پھر چند دنوں بعد برائی کی طرف لوٹ گیا۔ اس کے بعد ایک دن غور کرنے لگا کہ اگر میں پھر توبہ کروں تو کیا ہوگا ؟ اس پر غیب سے آواز آئی کہ: یافلاں ! ’’ اَطَعۡتَنَا فَشَكَرۡنَاكَ، ثُمَّ تَرَكۡتَنَا فَأَمۡهَلۡنَاكَ، وَإِنۡ عُدۡتَّ إِلَيۡنَا قَبِلۡنَاكَ ‘‘ ۔

اے فلاں ! تو نے ہماری اطاعت کی تو ہم نے تجھے جزاء دی پھر تو نے ہم کو چھوڑ دیا تو ہم نے تجھ کو مہلت دی اور اگر تو پھر ہماری طرف لوٹ آئے گا تو ہم تجھے قبول کر لیں گے ۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمہ اللہ نے اللہ سے یوں عرض کیا:

’’ اے اللہ ! میں یہ نہیں کہتا کہ میں نے توبہ کی اور پھر گناہ نہ کروں گا کیوں کہ میں میری فطرت کو جانتا ہوں اور نہ میں اس بات کی ضمانت دیتا ہوں کہ گناہ چھوڑ دوں گا ؛ کیوں کہ میں میرے ضعف و کمزوری کو جانتا ہوں ؛ لیکن میں پھر بھی کہتا ہوں کہ میں پھر گناہ نہیں کروں گا کہ ہوسکتا ہے کہ دوبارہ گناہ سے پہلے میں مر جاؤں ۔ (اور وعدہ پر قائم رہ جاؤں ۔) (رسالہ قشیریہ: ۱۳۱)

غرض یہ کہ اگر سالک سے گناہ ہو جائے تو مایوس نہ ہو اور اپنی عاجزی اور ضعف و کمزوری کو اللہ

کے سامنے پیش کرے کہ اے اللہ میں اتنا کمزور ہوں اور بد خلقی و بداطواری کا شکار ہوں کہ بار بار توبہ توڑ رہا ہوں اور پھر بھی وعدہ تو نہیں کر سکتا کہ پھر گناہ نہ کروں گا مگر عزم کئے لیتا ہوں کہ نہ کروں گا۔

بہ ہر حال! اللہ کے دربار کو چھوڑا نہیں جا سکتا بے شرم بن کر پھر وہیں آنا ہے اور اللہ کو یہ ادا پسند آتی ہے۔

سالک کے لیے علم دین ضروری ہے

اس راہ کے سالک کو علم شریعت کے حاصل کیے بغیر چارہ نہیں کیوں کہ وہ جس راہ پر چلنے کے ارادہ وعزم سے قدم بڑھا رہا ہے وہ راستہ شریعت و دین ہی کا راستہ ہے اور وہ قرآن و حدیث ہی سے ماخوذ ہے لہٰذا دین و شریعت کا علم جب تک نہ ہوگا کوئی اس راہ کو طے نہیں کر سکتا۔

جاہل صوفیوں نے اپنی جہالت سے یہ سمجھا اور سمجھایا ہے کہ یہ راہ سلوک وتصوف قرآن و حدیث سے ہٹ کر کوئی اور علم ہے اور وہ سینہ بسینہ آتا ہے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ قرآن پاک کے چالیس پارہ ہیں اور دس پارے تصوف ومعرفت کی باتوں پر مشتمل ہیں اور وہ عام لوگوں کو نہیں دئے گئے اور یہ تیس پارے شریعت کے علم پر مشتمل ہیں؛ مگر یاد رکھو یہ باتیں کافرانہ وجاہلانہ ہیں اور یہ لوگ دراصل صوفی نہیں شیطانی ہیں جو اولیائے اللہ اور صوفیائے کرام کے بھیس میں لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں جو اصلی و حقیقی صوفیاء کرام ہیں ان کے نزدیک قرآن وحدیث اور شرع شریف اصل ہے جس سے دین کے سارے امور نکلتے ہیں حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ہمارا یہ راستہ وطریقہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے اصولوں سے مقید ہے۔

نیز فرمایا کہ ''جس نے قرآن پاک حفظ نہ کیا اور حدیث نہ لکھا اس کی اس راستہ میں اقتداء نہیں کی جائے گی۔ کیوں کہ ہمارا یہ (تصوف کا) علم کتاب وسنت سے مقید ہے۔ (رسالہ قشیریہ: ۵۱)

اور حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے فرمایا:

''شریعت کے تین جزء ہیں۔علم،عمل،اخلاص،جب تک یہ تینوں جزء نہ پائے جائیں شریعت متحقق نہیں ہوتی اور جب شریعت متحقق ہوگئی تو حق تعالیٰ سبحانہ کی رضا جو تمام دنیوی واخروی سعادتوں سے فائق واعلی ہے وہ بھی متحقق ہوگئی یعنی حاصل ہوگئی اس لیے کہ شریعت تمام دنیوی و اخروی سعادتوں کی ضامن وکفیل ہے۔اور کوئی مطلب ومقصود ایسا نہیں جو شریعت سے الگ ہو اور انسان اس کا محتاج ہو طریقت وحقیقت جس سے صوفیہ ممتاز ہیں دونوں شریعت کی خادم ہیں ان دونوں سے شریعت کے تیسرے جزء اخلاص کی تکمیل ہوتی ہے لہٰذا ان دونوں سے بھی مقصود شریعت کی تکمیل ہے۔نہ کوئی اور امر جو شریعت کے علاوہ ہو۔'' (مکتوبات:۱/۳۶)

معلوم ہوا کہ علم شریعت اصل ہے اور اسی سے حقیقت وطریقت کے اسرار ورموز بھی معلوم ہو تے ہیں اور علم شریعت کے بغیر کوئی شخص اس راہ کو قطعا طے نہیں کر سکتا۔مشہور صوفی و بزرگ حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ اپنی کتاب ''کشف المحجوب''میں فرماتے ہیں:

''علم وعمل دونوں لازم وملزوم ہیں لہٰذا علم کے ساتھ عمل ہمیشہ پیوست رہنا چاہیے۔اسی طرح بغیر علم کے عمل رائیگاں ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

أَلْمُتَعَبِّدُ بِلاَ فِقْهٍ كَالْحِمَارِ فِي طَاحُوْنَةٍ۔ بے علم عبادت گذار اس گدھے کی مانند ہے جو آٹے کی چکی سے بندھا ہوا ہو) چکی سے بندھا ہوا گدھا اگر چہ دوڑتا ہے؛مگر وہ اپنے محور ہی میں گھومتا رہتا ہے اور کوئی مسافت طے نہیں کر پاتا۔ (کشف المحجوب:۳۷)

اسی طرح ایک اور بزرگ اور صوفی حضرت احمد کبیر رفاعی رحمہ اللہ نے بھی فرمایا ہے ایک جگہ وہ فرماتے ہیں:''جو عمل وکوشش شریعت کے خلاف کسی اور طریقے پر ہو اس سے کچھ بھی فائدہ نہیں اگر کوئی عابد پانچ سو برس تک خلاف شریعت عبادت کرتا رہا تو یہ عبادت اسی کے منہ پر ماری جائے گی ا ور اس کی گردن پر گناہ الگ ہوگا،جس شخص کو احکام دین کی سمجھ حاصل ہو اس کی دو رکعتیں اللہ کے

نزدیک جاہل درویش کی دو ہزار رکعتوں سے افضل ہیں۔'' (ارشادات حضرت رفاعی:۶۷)

معلوم ہوا کہ حضرات صوفیا کے نزدیک بھی بغیر علم شریعت کے کوئی اس راستہ کو طے نہیں کرسکتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ۔

علم کا طلب کرنا ہر مسلم پر فرض ہے۔(ابن ماجہ:۲۲۰،مشکوۃ:۳۴)

اور علم کا حاصل کرنا مختلف صورتوں سے ہوتا ہے کسی عالم سے سبقاً سبقاً کوئی دینی کتاب پڑھے یا اس کی مجلس میں پابندی سے بیٹھ کر بغیر کتاب کے سن سن کر حاصل کرے یا کسی عالم سے پوچھ پوچھ کر حاصل کرے وغیرہ۔غرض کسی بھی صورت سے علم دین ضرور حاصل کرے۔

حضرت احمد کبیر رفاعی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

''اللہ تعالیٰ نے کسی جاہل کو ولی نہیں بنایا ہے اور اگر کسی جاہل کو ولی بناتے ہیں تو اس کو عالم بنادیتے ہیں؛ ولی، دین کے علم سے جاہل نہیں ہوسکتا۔ بلکہ وہ خوب جانتا ہے کہ نماز کس طرح پڑھنا چاہیئے، زکوٰۃ کس طرح دینا چاہیئے، حج کس طرح کرنا چاہیئے۔'' (ارشادات رفاعی:۷۰)

اور جو بعض جاہل صوفی شریعت اور طریقت کو الگ الگ قرار دے کر دھوکہ دیتے ہیں؛ اس کے بارے میں بھی حضرت رفاعی رحمہ اللہ کا ارشاد سُن رکھو کہ:

''طریقت'' شریعت کا عین ہے؛ مگر بعض لوگ اولیائے اللہ پر تہمت لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ طریقت اور شریعت الگ الگ ہیں۔'' (رموز رفاعیہ:۳)

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

تم ایسا مت کہو جیسا بعض جاہل صوفی کہا کرتے ہیں کہ ہم اہل باطن ہیں اور علما اہل ظاہر ہیں۔ یہ بات غلط ہے، کیوں کہ دین ظاہر و باطن دونوں کا جامع ہے اس کا باطن، ظاہر کا مغز ہے۔اور ظاہر، باطن کا ظرف ہے یعنی اس کا محافظ ہے۔(ارشادرفاعی:۶۷)

اوپر کی تفصیل سے یہ واضح ہو گیا کہ اس راہِ سلوک میں کتاب وسنت ہی کا علم رہبری کرے گا اور یہ کہ شریعت وطریقت آپس میں متخالف ومتضاد نہیں ہیں؛ بلکہ شریعت کے ایک جزء کا نام طریقت ہے، لہٰذا اے سالک ان جاہل صوفیا کی باتوں سے ہرگز دھوکہ نہ کھانا جو شریعت کو چھوڑ کر زندگی گزارتے اور احوال وکوائف اور وجد واستغراق کے دعوے کرتے اور کرتب دکھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم کو نماز ودیگر عبادات معاف ہو گئیں ہم معرفت والے ہیں، حضرات صوفیا نے بار بار اس پر تنبیہ کر دی ہے، کہ اس سلوک سے سوائے اتباع شریعت وحصول رضا کچھ مطلب نہیں ہے اور جو لوگ مذکورہ دعوے کرتے ہیں ان کی باتوں میں نہ آنے کی تلقین وہدایت کی ہے۔

حضرت ابوالحسین نوری رحمہ اللہ نے فرمایا:

''جو شخص اللہ کے ساتھ ایسے حال وتعلق کا دعویٰ کرے جو اس کو علم شرعی کی حدود سے باہر کر دیتا ہے تو تو اس کے قریب بھی ہرگز نہ جانا۔'' (الرسالۃ القشیریہ:۵۳)

معلوم ہوا کہ شریعت کے خلاف کوئی حال وکیفیت کا دعویٰ کرے تو وہ صوفی نہیں ہے؛ بلکہ شیطانی ہے۔ لہٰذا اس کے قریب بھی نہ جانا چاہیے۔

حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ کے سامنے ایک شخص نے معرفت کی بات چھیڑی اور کہا کہ اہل معرفت اس حالت کو پہنچ جاتے ہیں کہ وہ نیکی وعبادت اور قرب خداوندی کے کاموں (نماز، ذکر، وغیرہ) کو ترک کر دیتے ہیں۔ یعنی وہ عبادات ان سے ساقط ہو جاتے ہیں۔ حضرت جنید رحمہ اللہ نے فرمایا: ''یہ ان لوگوں کا کہنا ہے جو اعمال وعبادات کے ساقط ہونے کی بات کرتے ہیں۔ اور میرے نزدیک یہ بڑا گناہ ہے اور جو شخص چوری کرتا اور زنا کرتا ہے وہ اس کہنے والے سے اچھا ہے۔

نیز آپ نے فرمایا کہ یہ راہ سلوک مخلوق پر بند ہے۔ سوائے اس شخص کے جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم کی اتباع کرتا ہو۔ (الرسالۃ القشیریہ:۵۰)

غرض یہ کہ اصل چیز اتباع سنت وشریعت ہے، جو کچھ ملے گا، اسی سے ملے گا اوراس کے بغیر کچھ بھی حاصل نہ ہوگا؛ لہٰذا سالک کو علم شریعت سے سستی وغفلت ہرگز نہ کرنا چاہیے۔

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ مدرسہ میں داخلہ لے کر مکمل مولوی وعالم بننا ضروری ہے بلکہ مراد ضروری امور کی تحصیل ہے، جس کی تفصیل یہ ہے:

عقائد سے متعلق توحید وصفات باری تعالیٰ آخرت، تقدیر، رسالت ونبوت کے مسائل جاننا ضروری ہے؛ پھر نماز وروزہ کے احکام اور اگر مالدار ہوتو زکوٰۃ کے مسائل واحکام اور جس پر حج فرض ہو، اس کو حج کے احکام اور جو تاجر ہوتو خرید وفروخت کے مسائل جاننا لازم ہے، اسی طرح صنعت پیشہ وملازمت پیشہ لوگوں پر اس کام سے متعلق احکام کا جاننا ضروری ہے، اسی طرح نکاح، طلاق کے مسائل جاننا اس پر ضروری ہے۔ جو نکاح کرنا چاہتا ہو، نیز اخلاق سے متعلق علم ضروری ہے جیسے اخلاص، تواضع، وغیرہ تاکہ تکبر وریا سے بچ سکے، اسی طرح حسد، کینہ بغض وغیرہ کا جاننا بھی ضروری ہے تاکہ ان اخلاقی برائیوں سے بچ سکے۔ (الشامی:۱/۴۲)

ان باتوں کی تفصیل علما سے پوچھ لینا چاہیے تاکہ بات اچھی طرح سمجھ میں آجائے اور آدمی جاہل نہ رہے اور عبادت رائیگاں نہ جائے۔

دنیا کماؤ مگر خدا کو نہ بھولو!

حضرت حکیم اختر صاحبؒ نے فرمایا: آہ! مرنے کے وقت پچھتاؤ گے۔ جو بھی اللہ کو نہیں پائے گا تو جب روح نکل جائے گی تو کاروبار، مرسڈیز، قالین اور موبائل سب یہیں رہ جائیں گے، تو اس وقت جس نے دل میں مولیٰ کو نہیں پایا وہ اللہ کے پاس دنیا سے حسرت زدہ اور غم زدہ جائے گا کہ آہ! دنیا پر مرے تھے اور دنیا چھوٹ گئی۔ لہٰذا دنیا کماؤ، مگر اللہ والوں کے پاس بھی آؤ تاکہ مولیٰ کو پاؤ اور

مرتے وقت جب دنیا چھوٹ جائے اور تم کو ٹھینگا دِکھائے تو تم بھی دنیا پر تھوک دو کہ جاؤ مجھے تمہارے چھوٹنے کا کوئی غم نہیں ہے، میں اپنے دل میں اپنے مولیٰ کو لے کر جا رہا ہوں، آج مجھ سے بڑا کوئی مال دار نہیں ہے، بادشاہ بھی کوئی چیز نہیں ہے اور بادشاہ کیا چیز ہے؟ بادمعنیٰ ہوا، اس کی ہوا اس کے موافق چل گئی تو بادشاہ بن گیا۔

حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک بادشاہ کے پیٹ میں گیس بھر گئی، تو لوگوں نے اس سے کہا کہ فلاں بزرگ کے پاس چلیں وہ دعا کریں گے تو آپ کو صحت ہو جائے گی۔ اس نے کہا کہ بزرگ کو ہمارے پاس لے آؤ، ہم بادشاہ ہیں ہم کیوں جائیں؟ بزرگ بے چارے نرم آدمی تھے، وہ بادشاہ کے پاس آ گئے اور کچھ پڑھ کر بادشاہ پر پھونکا تو بادشاہ کی پھونک نکل گئی۔ اس نے کہا کہ بھئی! یہ کتنا بڑا بزرگ ہے جو بادشاہوں کی پھونک نکال دیتا ہے۔ اس نے بزرگ سے کہا کہ مولانا مجھے مرید کر لیں، لہٰذا انہوں نے اسے مرید کر لیا۔

ایک مرتبہ وہ بزرگ عید کی نماز پڑھا رہے تھے، بیچارے بوڑھے آدمی جب رکوع میں گئے تو ان کی ہوا نکل گئی، اب جتنے حاسدین تھے سب نے بادشاہ سے جا کر شکایت کر دی کہ آپ نے کیسا پیر بنایا ہے جس کی رکوع کی حالت میں ہوا نکل گئی۔ تو بادشاہ نے کہا کہ میں اعلان کرتا ہوں کہ اب اس کا مرید نہیں رہا، یہ کیسا پیر ہے جس نے ہم کو بھی بدنام کیا کہ بادشاہ کا پیر ایسا ہے۔ اب حسد کرنے والوں نے آ کر ان بزرگ سے کہا کہ بادشاہ نے آپ کی مریدی توڑ دی، وہ سچے اللہ والے تھے، انہوں نے کہا کہ جب بادشاہ مرید ہوا تھا تو ہم کو کوئی خوشی نہیں ہوئی تھی اور جب بادشاہ نے بدعقیدہ ہو کر مریدی توڑ دی تب بھی کوئی غم نہیں ہوا۔ حاسدین نے کہا کہ آپ تو بڑے ہائی پاور بزرگ ہیں، انہوں نے کہا کہ اس میں ہائی پاور کی کون سی بات ہے؟ ارے جب اس کی بدبودار ہوا نکلی تو میرا معتقد ہو گیا اور جب میری بدبودار ہوا نکلی تو غیر معتقد ہو گیا، تو جس کا عقیدہ دو بدبودار ہواؤں کے درمیان میں ہو تو ایسے مرید کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ (آفتاب نسبت مع اللہ، ص/279)

اہل اللہ کی غلامی کی برکات

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مواعظ دیکھ کر فرمایا تھا کہ یہ میرا علم اور میرا کمال نہیں ہے بلکہ میرے مرشد حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فیض ہے، حضرت حاجی صاحب کی جوتیوں کا صدقہ ہے، ورنہ کوئی شخص نہ مجھ کو پوچھتا نہ مولانا قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو پوچھتا اور نہ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو پوچھتا۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہونے کے بعد ہم کو حاجی صاحب کی غلامی نصیب ہوئی تو ہم لوگوں کی عزت اللہ تعالیٰ نے بڑھادی اور ہم سب کو حضرت حاجی صاحب کے فیض سے چمکا دیا۔

ایک مرتبہ مدرسہ جامع العلوم کانپور میں حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہوا۔ میرے شیخ حضرت مولانا عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ بھی حاضرین میں سے تھے، انہوں نے یہ چشم دید واقعہ مجھے سنایا کہ حضرت والا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ پر بیان کرتے کرتے غلبۂ حال طاری ہوگیا اور زور سے نعرہ مارا ''ہائے امداد اللہ'' پھر بیٹھ گئے اور خاموش ہوگئے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ اس وقت سارا مجمع رو رہا تھا۔ کسی صاحبِ دل نے کہا کہ اب مولانا سے دوبارہ تقریر کی درخواست نہ کرنا کیوں کہ اس وقت یہ مقامِ منصوریت سے گزر رہے ہیں۔ اگر اب تقریر کے لیے کہو گے تو ان کی زبان سے اَنَا الْحَقُّ نکلنے کا خطرہ ہے۔ اس لیے ان کا خاموش رہنا ہی ٹھیک ہے۔ بعد میں کسی نے حضرت والا سے پوچھا کہ آج کیا ہوگیا تھا؟ اس سے پہلے تو ایسا کبھی نہیں ہوا۔ جواب میں فرمایا کہ آج مجھ پر علوم اس قدر وارد ہو رہے تھے کہ میں پریشان ہوگیا کہ کس کو بیان کروں اور کس کو بیان نہ کروں۔ حاجی صاحب کے فیض سے مجھ پر علوم کی بارش ہو رہی تھی۔ اس لیے وارداتِ علوم کے انتخاب میں مجھ پر حال طاری ہوگیا کہ یہ علوم ہم پہلے بھی پڑھتے

آئے تھے لیکن جب حضرت حاجی صاحب سے تعلق ہوا تو نئے نئے علوم وارد ہونے لگے۔ یہ سب شیخ کی جوتیوں کا صدقہ ہے اس لیے میری زبان سے نکلا ’’ہائے امداد اللہ‘‘۔

ایک مرتبہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جمعہ کی نماز پڑھ کر مسجد سے باہر نکلے تو کانپور شہر کا ایک بہت بڑا بیرسٹر (وکیل) جو لندن سے وکالت کی ڈگریاں لے کر آیا تھا حضرت تھانوی سے مِلا، دیکھیے! ایک تو وکیل ہوتا ہے جو ایل ایل بی کی ڈگری حاصل کر لیتا ہے اور ایک بیرسٹر ہوتا ہے جو باہر کی ڈگریاں بھی لاتا ہے۔ وہ بیرسٹر فارسی بھی جانتا تھا اس لیے کہ پہلے زمانے میں اسکولوں اور کالجوں میں فارسی لازم تھی، علی گڑھ یونیورسٹی میں بھی فارسی لازم تھی۔ وہاں کے طلبہ نے مجھے فارسی اپنے نصاب میں دکھائی تھی۔ بہر حال اس بیرسٹر نے حضرت مولانا سے فارسی میں پوچھا ؎

تو مکمل از کمالِ کیستی
تو مجمل از جمالِ کیستی

اے مولانا اشرف علی! تو کس کے کمال سے مکمل ہوا؟ اور عشقِ الٰہیہ کا جمال تجھے کہاں سے حاصل ہوا؟ حضرت والا نے بھی اس بیرسٹر کو فارسی میں جواب دیا ؎

من مکمل از کمالِ حاجیم
من مجمل از جمالِ حاجیم

میں اپنے حاجی کے کمال سے مکمل ہوں اور میں اپنے حاجی کے جمال سے مجمل ہوں۔ اس کے بعد اس بیرسٹر نے کہا کہ کاش! آپ بیرسٹر ہوتے تو عدالت کو ہلا دیتے کیوں کہ آپ نے صغریٰ اور کبریٰ ملا کر جس طرح اپنا مضمون ثابت کیا ہے اس پر ہم حیران ہیں کیوں کہ یہ بحث و مباحثہ ہماری عدالت کی چیز ہے۔ بعد میں حضرت والا نے فرمایا کہ اس بے چارے کی پہنچ یہیں تک تھی۔ اس کو کیا معلوم کہ علمِ دین کے سامنے بیرسٹری کی کیا حقیقت ہے۔

سب سے حسین کام دعوت الی اللہ ہے

دنیا میں سب سے بڑا کام اللہ کے بندوں کو اللہ کی طرف دعوت دینا ہے۔ دنیا میں اس سے زیادہ حسین کام کوئی نہیں ہے۔ کوئی شخص جاپان اور جرمن سے بزنس کر کے کروڑوں روپے کما رہا ہے اور کوئی میزائل بنا رہا ہے۔ دنیا میں جتنے ہنر ہیں ان سب کو ایک ترازو میں رکھ دو اور دوسری طرف ایک بندہ جو دوسرے بندوں کو اللہ کی طرف بلا رہا ہے اس کا عمل رکھ دو تو اس کا عمل سب سے بڑھ جائے گا۔ اس کا کلام تمام لوگوں کے کلاموں سے احسن ہے، کیوں کہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمادیا:

وَمَنۡ اَحۡسَنُ قَوۡلًا مِّمَّنۡ دَعَاۤ اِلَی اللّٰہِ۔

یعنی اس کے کلام سے بہتر کس کا کلام ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی طرف بلا رہا ہے۔ لفظ احسن اسمِ تفضیل ہے یعنی اس کا کلام تمام کلاموں سے زیادہ حسین ہوگا۔

یہی معاملہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے محبت تمام محبتوں سے زیادہ اشد ہونی چاہیے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شدید محبت دوسروں کے ساتھ جائز ہے۔ لیکن اشد محبت جائز نہیں۔ جیسے بیوی بچوں کی محبت، مکان کی محبت، تجارت کی محبت شدید ہو، شیخ کی محبت بھی شدید ہو لیکن اللہ تعالیٰ کی محبت اشد ہو لہٰذا اگر کوئی شیخ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف کوئی بات کر رہا ہے تو اس کی توجہ نہایت ادب سے اس جانب کرا دیں کہ آپ اس بات سے رجوع کریں ورنہ میں آپ سے رجوع کرتا ہوں۔ شیخ کی محبت اللہ تعالیٰ کی محبت سے زیادہ نہیں ہونی چاہیے کیوں کہ شیخ سے محبت بھی تو اللہ ہی کے لیے ہوتی ہے۔ شیخ سے اللہ کی محبت حاصل کرنے کے طریقے پوچھو۔

کس طرح فریاد کرتے ہیں بتا دو قاعدہ
اے اسیرانِ قفس میں نوگرفتاروں میں ہوں

لہٰذا شیخ سے کہو کہ ہم نوگرفتاروں میں سے ہیں، ہم راہِ محبت کے سفر میں ابھی نئے ہیں لہٰذا

ہمیں بتائیے کہ کس طرح نظر بچانی چاہیے اور کس طرح اللہ تعالیٰ سے فریاد کرنی چاہیے۔ شیخ سے استقامت سیکھو تاکہ کسی قدوقامت کو دیکھ کر تم پر قیامت برپا نہ ہوجائے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ مَنۡ اَحۡسَنُ قَوۡلًا مِّمَّنۡ دَعَاۤ اِلَی اللّٰہِ۔ یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف بلا رہا ہے اس سے بہتر کسی کا کلام نہیں ہے۔ ساری کائنات کے اقوال میں سب سے بہتر اس کا قول ہے جو اللہ کے بندوں کو اللہ کی طرف بلا رہا ہے، اس قول کے احسن ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ احسن ہیں، ان سے بڑا کوئی حسین نہیں ہے، بلکہ وہ حسین ساز ہیں، وہ حسینوں کے خالق ہیں لہٰذا جو شخص بندوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلا رہا ہے وہ دنیا و آخرت دونوں سنوار رہا ہے۔ وہ دنیا بھی بنا رہا ہے آخرت بھی بنا رہا ہے۔

اللہ والے تاجر اور دنیادار تاجر کا فرق

کوئی شخص تجارت میں کتنا ہی کامیاب ہوجائے وہ اللہ کے تعلق کے بغیر چین اور سکون سے نہ رہے گا۔ اگر تاجر بھی اللہ والا ہوجائے تو تجارت کے ساتھ اسے ولایت بھی حاصل ہوجائے گی، وہ ولی اللہ بھی بن جائے گا اور نسبت مع اللہ کی برکت سے اس کے قلب کو سکون بھی رہے گا۔ کاروبار بھی رہے گا، کار بھی رہے گی اور دل میں یار بھی رہے گا۔ وہ کار میں بیٹھ کر بھی اللہ کا شکر ادا کرے گا کہ یا اللہ! آپ کا شکر ہے کہ آپ نے کار دے دی ورنہ ہم تو گدھا گاڑی کے قابل بھی نہیں ہیں۔ میرا ایک شعر ہے ؎

آپ چاہیں ہمیں یہ کرم آپ کا
ورنہ ہم چاہنے کے تو قابل نہیں

اللہ والے تاجر کا حال یہ ہوتا ہے کہ نوٹ کی گڈیاں بھی گن رہا ہوتا ہے اور ساتھ میں اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ادا کرتا رہتا ہے، اور دنیادار تاجر کہتا ہے کہ جو مال مجھے دیا گیا ہے وہ اپنے علم کی وجہ سے دیا گیا ہے۔ وہ قارون کی طرح متکبرانہ بات کرتا ہے۔ اللہ والوں کی گفتگوئے مال، گفتگوئے جمال سب متشکرانہ ہوتی ہے۔

اہل اللہ کی مجالس کے آداب

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو لوگ دعوت الی اللہ کا کام کررہے ہیں، ملفوظ نوٹ کررہے ہیں، تقریر سن رہے ہیں (حضرت حکیم اختر صاحبؒ کے بعض متعلقین نظر نیچی کر کے تقریر سن رہے تھے، ان سے خطاب کر کے فرمایا) شتر مرغ کی طرح سرمت جھکاؤ، جہاں سر جھکانا چاہیے وہاں جھکاؤ۔ کچھ مواقع ایسے ہیں جہاں سر جھکانا فرض ہے، لیکن شیخ کے سامنے سرمت جھکاؤ۔ للچائی ہوئی نظر سے دیکھتے ہوئے غور سے بات سنتے رہو۔

مے کشو یہ تو مے کشی رندی ہے مے کشی نہیں
آنکھوں سے تم نے پی نہیں آنکھوں کی تم نے پی نہیں

آنکھوں سے پینا سیکھو، آنکھوں کی پینا سیکھو۔ جب کوئی میرے شیخ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم کے سامنے بیٹھ کر اِدھر اُدھر دیکھتا ہے تو حضرت یہ شعر پڑھتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اندر سے بہت زیادہ چشتی ہیں۔ عشق کی آگ بھری ہوئی ہے مگر انتظاماً ظاہر نہیں کرتے کیوں کہ حضرت والا کئی سو مدرسوں کے منتظم ہیں۔ اس لیے انتظام کی شان کو غالب رکھتے ہیں۔

حضرت والا ہردوئی کی انتظامی شان

ایک مرتبہ میرے شیخِ ثانی حضرت والا ہردوئی مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم کے ہم سبق اور بے تکلف دوست کو حضرت والا نے اپنے مدرسے میں مدرس بنایا، انہوں نے حسبِ معمول حضرت والا سے بے تکلف طالب علمانہ گفتگو شروع کر دی، جیسے سہارنپور میں حضرت والا سے طالبِ علمی کے زمانے میں گفتگو کیا کرتے تھے۔ حضرت والا نے ان سے فرمایا کہ اس وقت آپ جو بے تکلفی کی گفتگو کررہے ہیں تو دیکھیے! آپ اس وقت سہارنپور کے طالب علم نہیں ہیں بلکہ

میرے ملازم ہیں اور میں آپ کا ناظم ہوں، آیندہ سے اس بے تکلفی سے بات مت کیجیے گا ورنہ انتظام مشکل ہوجائے گا اور دوسرے ملازموں کا بھی دماغ خراب ہوجائے گا۔ (از: حکیم اختر صاحبؒ)

وقت اور حالات کے ساتھ احکام بدل جاتے ہیں

میں اپنے شیخِ اوّل حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پھولپور میں رہتا تھا۔ میرے موجودہ شیخ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب دامت برکاتہم بھی حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے اور حضرت کی خدمت میں حاضری کے لیے اکثر پھولپور آتے رہتے تھے۔ میں اُس زمانے میں حضرت والا مولانا شاہ ابرارالحق صاحب دامت برکاتہم سے اتنا بے تکلف تھا کہ ان کے ساتھ لاٹھی سے کھیلتا تھا۔ لاٹھی کھیلنے میں لاٹھی ماری بھی جاتی ہے، لاٹھی کو روکا بھی جاتا ہے اور اپنا دفاع بھی کیا جاتا ہے۔ حضرت بھی مجھ سے زیادہ تکلف نہیں فرماتے تھے۔ حضرت کی مجھ سے اتنی بے تکلفی تھی کہ ایک مرتبہ حضرت پھولپور حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے تشریف لائے تو وہاں سے فوراً ہی میرے پاس کوٹلہ پہنچ گئے۔ میں اپنے گاؤں کوٹلہ میں مطب کیا کرتا تھا۔ میں نے کہا حضرت! آپ یہاں پھولپور سے اٹھارہ بیس میل دور کیسے تشریف لائے؟ جواب میں فرمایا کہ میں آیا تو پھولپور کے لیے تھا مگر حضرت سو رہے ہیں اور تمہارے بغیر دل گھبرا رہا تھا اس لیے میں تمہارے گاؤں ''کوٹلہ'' کے لیے اپنا پوٹلہ لے کر آیا ہوں۔ حضرت نے اپنا جھولہ دکھایا جس میں لنگی وغیرہ ضروری سامان تھا پھر فرمایا کہ اب تم میرے ساتھ چلو، تمہارے بغیر مزہ نہیں آ رہا ہے۔ میں فوراً تیار ہوگیا حالاں کہ وہ وقت ہمارے مطب کا تھا۔ مگر ہم نے مطب کا خیال بھی نہیں کیا۔ اس کی برکت سے میں آج زیرِ مطب نہیں ہوں۔ میں تیار ہو کر فوراً ان کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ گیا اور ہم پھولپور پہنچ گئے۔

بہر حال حضرت سے میری بے تکلفی تھی کیوں کہ حضرت اس وقت میرے پاس ہی زیادہ رہتے تھے۔ انہوں نے شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو شیخ بنایا تھا، لیکن جب میں حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم سے مرید ہوا تو میں نے اپنے آپ سے خطاب کر کے کہا دیکھو بھئی اختر! ہوشیار ہو جاؤ، اب وہ بے تکلفی کی داستان بھول جاؤ۔ واقعہ لکھا ہے کہ ایک لڑکا اپنی خالہ زاد بہن سے مار پٹائی کرتا تھا۔ دونوں ہم عمر تھے کبھی اس نے چپت مار دیا کبھی اس نے مار دیا۔ جب بالغ ہونے کے بعد دونوں کی شادی ہو گئی تو خالہ زاد بھائی نے کہا کہ اب میں تمہارا شوہر ہوں اور تم میری بیوی ہو، اگر اب بچپن والی چپت بازی کی تو سوچ لو کہ پھر تمہارا ٹھکانہ کیا ہوگا۔

وقت اور حالات کے ساتھ احکامات بدل جاتے ہیں، جیسے چھوٹے بچے بچپن میں آپس میں کھیلتے ہیں، مار پیٹ کرتے ہیں لیکن جب بڑے ہو کر ان کی آپس میں شادی ہوتی ہے تو بیوی شوہر سے ادب سے پیش آتی ہے اور بچپن کے لڑائی جھگڑے سب ختم ہو جاتے ہیں۔ بعض عورتیں کہتی ہیں کہ ہمارے گھر میں جو نوکر ہے وہ بچپن سے ہمارے پاس ہے ہمیں اس سے پردہ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس نوکر کو تو بچپن سے میں نے پالا ہے۔ میں نے کہا کہ جب بچہ چھوٹا ہوتا ہے تو ماں اس کو ننگا کر کے سرسوں کے تیل سے اس کی مالش کرتی ہے تا کہ اس کے اعضا مضبوط ہو جائیں لیکن وہی بچہ جب بڑا ہو جاتا ہے تو کیا پھر بھی ماں اس کو ننگا کر کے مالش کرے گی؟ اور کیا بالغ ہونے کے بعد اس کے ناف کے نیچے کے اعضا ماں دیکھ سکتی ہے؟ اور دلیل میں کہہ سکتی ہے کہ ہم سے کیا چھپانا، ہم نے تو اس کو ہگایا، متایا ہے۔ یہاں یہ دلیل نہیں چلے گی کیوں کہ اصول یہ ہے کہ یَتَبَدَّلُ الْاَحْکَامُ بِتَبَدُّلِ الزَّمَانِ وَالْمَکَانِ یعنی زمان اور مکان بدلنے سے احکام بدل جاتے ہیں۔ (از: حکیم اختر صاحبؒ)

گناہ کی حالت میں خدا کیوں یاد نہیں آتا؟

ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو لوگ میری نافرمانی کرتے ہیں تو دراصل اس کے نتیجے میں وہ اپنے نفس پر ظلم کرتے ہیں لیکن جو میرے عاشق ہیں اگر ان سے کبھی خطا ہو بھی

جائے تو ان کو فوراً اللہ یاد آجاتا ہے، لیکن حالتِ معصیت میں ان کو خدا کیوں یاد نہیں آتا؟ اس لیے کہ شہوت اللہ کی یاد میں آگ لگا دیتی ہے، شہوت نار ہے اور اللہ نور ہے، نار اور نور میں تضاد ہے اور اجتماعِ ضدین محال ہے، اس لیے عین معصیت کے وقت نورِ خدا دِل میں نہیں رہتا چناں چہ مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

نارِ شہوت چہ کُشَد نورِ خدا

شہوت کی آگ کیسے بجھے گی؟ کیا گناہ کو گناہ سے بجھاؤ گے؟ کیا پاخانہ کو پیشاب سے دھوؤ گے؟ اس کے نتیجے میں تو نجاست اور زیادہ بڑھ جائے گی۔ جو شخص تقاضے کو ختم کرنے کے لیے گناہ کرتا ہے یہ ظالم اپنے آپ کو گناہوں کی آگ میں ڈال رہا ہے اور پاخانہ کو پیشاب سے دھو رہا ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ تقاضائے معصیت کو روکو، صبر کرو اور گناہ مت کرو۔ تقاضے کو دبانے کا غم اُٹھالو مگر اللہ کے قانون کو مت توڑو، خونِ آرزو کرلو لیکن اللہ کے قانون میں دخل اندازی مت کرو۔ اگر تم نے خدا کے قانون کو توڑ کر اپنے دل کو حرام عیش دیا تو واللہ! میں کہتا ہوں کہ خدا جب انتقام لے گا تو تمہاری طاقت کی دھجیاں بکھر جائیں گی، پورے عالم میں تمہیں کوئی بھی حضرت اور صوفی کہنے والا نہیں ملے گا، ایک وقت کی روٹی تک کو کوئی نہیں پوچھے گا۔ اللہ تعالیٰ کے قانون کو توڑ کر دل کو خوش کرنا یہ شریف اور لائق اور اللہ کے پیاروں کا مشغلہ نہیں ہے، یہ غذائے فاسقاں ہے۔ غذائے اولیاء یہ ہے کہ وہ اپنے دل کی حرام آرزوؤں کا خون کرتے ہیں اور خونِ آرزو کے دریا کو عبور کر کے اپنے مولیٰ کو پا جاتے ہیں ؎

عارفاں زانند ہر دم آمِنوں

یعنی عارفین جو اللہ کو پہچاننے والے ہیں ہر وقت امن اور سکون میں رہتے ہیں اور جو لوگ گناہ کی لذت لینے والے ہیں ان کے چہرے پر لعنت ہوتی ہے، دل میں سخت بے کیفی اور

گھبراہٹ اور پریشانی ہوتی ہے۔ گناہ کرنے والے نالائقوں سے دین کا کام بھی چھین لیا جاتا ہے۔ یہ تو ان کا کرم ہے کہ توبہ کو قبول کر لیتے ہیں جس کے نتیجے میں دوبارہ دین کی خدمت کی توفیق دے دیتے ہیں مگر ایسے کریم مالک کی بار بار نافرمانی کرنا نالائقی کی بات ہے۔ جتنا کریم ابا ہوا تنا ہی زیادہ اس کی فرماں برداری کرو۔ (عاشقان حق کی خصوصیات، ص/29)

مجھے بچانے والا اللہ ہے

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ پیران پیر دستگیر فرماتے ہیں، اپنی اولاد کے بندے اور اپنے بیوی اور بچوں کے بندے اور اپنے مال اور اپنی خواہشات کے بندے تو اپنی خواہشات سے نکل کر دیکھ اور اللہ سے محبت اور عشق کر کے دیکھ تجھے اللہ تعالیٰ کس مقام پر پہنچا ئیں گے۔ تمہیں معلوم نہیں جو بندہ اللہ سے محبت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرنے لگتے ہیں لفظ اللہ میں کتنی تاثیر ہے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سو رہے ہیں جانی دشمن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچ جاتا ہے اور آپ کی تلوار جو درخت پر لٹکی ہوئی تھی قبضے میں کر کے کہتا ہے قُمْ یَا مُحَمَّدُ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اٹھو آپ اٹھ جاتے ہیں وہ شخص سوال کرتا ہے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اب آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ میرے ہاتھ میں تلوار ہے اور آپ کے ہاتھ ہتھیار سے خالی ہیں، مجھے اور آپ کو ایسا موقع مل جائے تو خوشامد شروع کر دیں، بھاگنے کا موقع تلاش کرنے لگیں قربان جایئے، پیارے آقا مدنی صلی اللہ علیہ وسلم مسکرانے لگے فرمایا مجھے بچانے والی ذات اللہ ہے، اللہ ایسے انداز سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دشمن کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ گئی وہ تھر تھر کانپنے لگا، اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار اٹھالی اور فرمایا کہ بتا اب تجھے کون بچائیگا؟ اس کا ایمان اللہ پر نہیں تھا، خوشامد کرنے لگا کہ آپ بہت معزز خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، آپ کے بارے میں سنا ہے کہ آپ معاف کرنے والے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا میں نے تجھے معاف کر دیا، یہ کون سی تاثیر تھی لفظ اللہ میں کہ دشمن کے ہاتھ پاؤں بے جان ہو گئے؟ ایسی روایتیں بعد میں بھی ملی ہیں۔ (خطبات رحیمی جلد ششم،ص/ 177)

ایک چور کا واقعہ

اللہ تعالیٰ نے ایسا ذوق اور جذبہ ہمارے اکابر کو عطا فرمایا تھا۔ انہوں نے عمل کر کے دکھلا دیا وہ اللہ سے محبت کرتے تو اللہ تعالیٰ نے ہر موقع پر ان کی مدد فرمائی، ایک شخص چوری کیا کرتا تھا لیکن ذکر بھی کیا کرتا تھا، ایک مرتبہ پکڑا گیا اور جیل میں ڈال دیا گیا، جب ذکر کا وقت آیا نماز بھی پڑھی، نماز کے بعد ذکر کیا، اس کے بعد ہاتھ اٹھا کر کہا کہ اے اللہ روزانہ تو میں تجھے یاد کرتا تھا، آج تو مجھے یاد کرلے تو خود بخود جیل کا قفل ٹوٹا دروازہ کھلا اور یہ نکل کر بھاگ گیا، جنگل میں جا کر توبہ کی اے اللہ میں کتنا بڑا نافرمان ہوں کہ میں چوری بھی کرتا اور تیری نافرمانی بھی کرتا، اے اللہ آپ کتنے مہربان ہیں کہ آپ نے ایسی حالت سے مجھے نکالا۔ اب میں توبہ کرتا ہوں کہ کبھی ایسا کام نہیں کروں گا۔ تو اللہ تعالیٰ سے جو محبت کرتا ہے اللہ کا ذکر کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو کبھی رائیگاں نہیں کرتے۔

مرید کی تربیت

انسان کردار اور رویہ سے متاثر ہوتا ہے۔ تصوف میں شیخ کامل کی ذات شخصیت ہی دوسرے فرد کی زندگی میں تبدیلی لا سکتی ہے۔ شیخ اپنے قول وفعل سے ایک ایسا نمونہ پیش کرتا ہے جو قرآن وسنت کا پابند ہوتا ہے۔ اس کی صحبت میں بیٹھنے والا اپنے نقائص دیکھ کر اپنے کو بدلنے پر آمادہ کر لیتا ہے۔ شیخ اس کی تربیت اس طرح کرتا ہے کہ اس کی شخصیت، کردار اور رویہ مثالی اور قابل قدر بن جاتا ہے۔

اولیاء اور صوفیائے عظام نفس کو کنٹرول کرنا سکھاتے ہیں۔ فرد نفس کا غلام نہ بنے کیونکہ شر اور برے اعمال اس سے پیدا ہوتے ہیں۔ خیر کا منبع نفس بن سکتا ہے۔ خیر وشر کی جنگ انسان میں ہر

وقت جاری رہتی ہے۔شر کے مقابلہ میں تصوف فرد کو تیار کرتا ہے۔خیر وشر کی یہ کشمکش قرآن حکیم یوں بیان کرتا ہے۔نفس جب شر پر اکساتا ہے اس کی حالت فرد کے لئے انتہائی خطرناک ہے: وما ابری نفسی ان النفس لامارة (یوسف) اور خیر کی طاقت اسے برائی اور شر سے بچنے کی تلقین کرتی ہے۔ اس حالت کو یوں بیان کیا گیا ہے۔ لَا أُقۡسِمُ بِيَوۡمِ الۡقِيَامَةِ۔ وَلَا أُقۡسِمُ بِالنَّفۡسِ اللَّوَّامَةِ۔ (القیامۃ) انسان کے اندر یہ شر و خیر کی کشمکش اور کھینچا تانی ہر وقت ہوتی رہتی ہے۔اب یہ انسان کی مرضی وہ کس راہ کو اپناتا ہے۔اگر نیکی کی راہ کو اپناتا ہے اور خیر کو نفس پر غالب کرتا ہے۔ احکام الٰہی پر انسان عمل کرتا ہے۔تو انعام ملتا ہے۔ يَا أَيَّتُهَا النَّفۡسُ الۡمُطۡمَئِنَّةُ۔ ارۡجِعِيۤ إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرۡضِيَّةً۔(الفجر)

نیت کی اصلاح

تصوف کردار کے اس اعلیٰ مقام کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔انسان کے بنانے میں صوفیاء اور اولیاء پہلے نیت کی اصلاح کرتے ہیں کیونکہ ''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے''۔ بہت درست ہوئی تو اخلاص اور تقویٰ جنم لیں گے۔یہی چیز فرد کو حب دنیا اور حب مال سے بے نیاز کردینے والے مال ومنال اور شہرت واقتدار کیلئے صبر وشکر، اخلاق، صدق وصفا، خوف ورجا اور تسلیم ورضا جیسے اعلیٰ اوصاف کو اپنانا اور رذائل اعمال یعنی بغض، انا پرستی، غرور، ریاکاری، حسد، بخل، تکبر ونخوت اور حب مال سے دور بھاگنا ہوتا ہے۔وظائف اور اورادواوراد اور عملی تربیت سے تصوف فرد میں اوصاف حمیدہ کو پختہ کرتا ہے۔فرد اس تعلیم اور عملی تربیت سے کندن بن کر نکلتا ہے۔یہ اسکی دنیا اور آخرت کو سنوار دیتی ہے اور ایسا فرد معاشرہ اور انسانیت کے لئے رحمت ہوتا ہے۔

تصوف محض چلہ کشی اور مراقبوں کا نام نہیں یہ اخلاق اور اعمال کی درستگی کا نام ہے۔اسی سے

فرد کا اعلیٰ کردار تشکیل پاتا ہے۔ ہر فرد کو اس کے ظرف کے مطابق فیض ملتا ہے۔ بعض صوفیاء کی باتوں اور عبادتوں پر گرفت کی گئی ہے۔ اس سے انکار نہیں کہ دین کے صحیح تصور کو مسخ کرتی ہیں۔ لیکن مجموعی طور پر دیکھا جائے تو تصوف دینی تعلیمات پر عمل کا نام ہے۔ اور یہ تصوف کا انسانیت پر احسان ہے کہ فرد اپنے ذہن وقلب اور فکر وعمل سے ایک پاکباز اور پاک دل مسلمان بنتا ہے۔ تصوف نے اصلاح کے لئے بہت سے طریقے اور انداز اپنائے ہیں۔ جنہیں شیخ حسب موقعہ اور حسب ضرورت اختیار کر کے فرد کی اصلاح کرتا ہے۔ (از شمس الاسلام، دسمبر ۲۰۱۲ء)

شیخ مرید کے اطوار کی اصلاح کرتا ہے

جس طرح شیخ لباس کے معاملہ میں مرید کی اصلاح کرتا ہے اسی طرح وہ مرید کے کھانے پینے، روزہ رکھنے نہ رکھنے اور دوسرے دینی کاموں میں تصرف کرتا ہے اور ایسا طریقہ اختیار کرتا ہے جس میں مرید کی بھلائی ہو چنانچہ کبھی وہ اس کو ہر وقت ذکر میں مشغول رکھتا ہے، نماز (فرائض) کے ساتھ نفلوں کا پڑھنا ضروری کر دیتا ہے، تلاوت کلام اللہ میں مصروف رکھتا ہے یا دوسروں کی خدمت میں لگا دیتا ہے، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس کو کسب معاش میں لگا دیتا ہے، یا کبھی فتوحات کے ذریعے گزر بسر کرنے کا حکم دیدیا جاتا ہے۔ غرضیکہ شیخ کو انشراح باطن ہوتا ہے اور مختلف مریدوں کی مختلف استعدادات پر اس کو اطلاع ہوتی ہے (جو مرید جیسی اصلاح وتربیت کا اہل ہوتا ہے ویسی ہی اس کی اصلاح اور تربیت کی جاتی ہے اور مرید کو معاد ومعاش میں اس کی استعداد کے مطابق حکم دیتا ہے کہ اسی میں اس کی اصلاح حال پنہاں ہوتی ہے، چونکہ مریدوں کی استعداد وصلاحیت مختلف ہوتی ہے اس لئے ان کی معاد ومعاش کے سلسلہ میں احکام بھی مختلف ہوتے ہیں۔ (فیضان گنگوہی، ص/ 271)

وہ گھر جن میں اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ يُسَبِّحُ لَهٗ

فِیۡهَا بِالۡغُدُوِّ وَالۡاٰصَالِ۔ رِجَالٌ لَّا تُلۡهِیۡهِمۡ تِجَارَةٌ وَّلَا بَیۡعٌ عَنۡ ذِکۡرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِیۡتَآءِ الزَّکٰوةِ یَخَافُوۡنَ یَوۡمًا تَتَقَلَّبُ فِیۡهِ الۡقُلُوۡبُ وَالۡاَبۡصَارُ۔

''یہ وہ گھر ہیں جن کے لئے اللہ نے حکم دیا ہے کہ وہاں خدا کا ذکر بلند کیا جائے وہاں وہ لوگ صبح وشام خداوند تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں اور اسی کا نام لیتے ہیں جنہیں خدا کے ذکر نماز ادا کرنے اور زکوٰۃ دینے سے نہ تجارت غافل کرتی ہے اور نہ خرید وفروخت یہ لوگ اس دن سے ڈرتے ہیں جس دن دل اور آنکھیں الٹ پلٹ ہو جائیں گی''۔

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ''فی بیوتٍ'' یہ وہ گھر ہیں سے مراد مسجد ہیں بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اس سے مراد مدینۃ الرسول کے مکانات ہیں، بعض مفسرین کا خیال ہے کہ اس سے مراد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکانات ہیں اور کہتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ان گھروں میں علی رضی اللہ عنہ اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کا گھر بھی شامل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ہاں'' وہ ان میں بڑھ کر ہے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ زمین کے تمام گھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سجدہ گاہ بنا دیئے گئے ہیں اس اعتبار سے ذکر کرنے والے لوگوں کی تخصیص کی گئی ہے نہ کہ جگہوں کی چہار دیواری کی۔ یعنی آیت مندرجہ بالا میں اہمیت ذاکرین کی ہے نہ کسی مخصوص چہار دیواری یا گھر کی۔ پس جس جگہ اور جس مقام پر بھی ذاکرین جمع ہوں گے وہی مقامات ایسے گھر مراد لئے جائیں گے جن میں خدا کے حکم سے اس کا ذکر صبح وشام بلند کیا جاتا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی صراحت

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کوئی ایسی صبح اور شام نہیں گزرتی کہ زمین کے بعض حصے دوسرے حصوں سے یہ نہ پوچھتے ہوں کہ ''آج تم پر کوئی ایسا شخص گزرا ہے جس نے تم

پر تمہاری جگہ پر نماز پڑھی ہو یا اللہ کا ذکر کیا ہو، پس بعض مقامات اثبات میں اور بعض نفی میں جواب دیتے ہیں جو اجزاء اثبات میں جواب دیتے ہیں ان کو دوسرے اجزاء زمین پر فوقیت وفضیلت دی جاتی ہے اور جو بندہ کسی خطہ زمین پر اللہ کا ذکر کرتا ہے یا نماز ادا کرتا ہے تو وہ خطہ زمین خداوند تعالیٰ کے حضور میں اس بات کی شہادت دیتا ہے اور اس عبادت گزار بندے کے مرنے پر روتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد موجود ہے۔ فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ۔ اور ان (کافروں کے مرنے) پر آسمان اور زمین نہیں روتے۔ اس ارشاد ربانی سے یہ نکتہ ظاہر ہوتا ہے کہ اہل طاعت کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ آسمان اور زمین ان (کی موت) پر گریہ کناں ہوتے ہیں اور ان پر نہیں روتے جو دنیا کی طرف مائل اور خواہشات نفسانی کے پابند ہوتے ہیں۔ پس ساکنان خانقاہ وہ لوگ ہیں جن کے نفوس طاعت الٰہی میں مشغول ہیں اور اس سے ان کا ارتباط ہے اور دنیا کو چھوڑ کر اللہ کی طرف ہمہ تن مشغول ہیں (اس جزا میں) اللہ تعالیٰ نے دنیا کو ان کا خادم بنا دیا ہے (وہ دنیا کے خادم نہیں ہیں)۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ کا ہو جاتا ہے (سب کچھ اللہ کے لئے چھوڑ دیتا ہے) تو اللہ تعالیٰ اس کی روزی اور رزق ایسی جگہ سے دیدیتا ہے جو اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوتا، اور جو کوئی دنیا کا ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو ہمہ تن دنیا کے سپرد کر دیتا ہے۔

مرید کے اوصاف

خواجہ مختار دینوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”مرید ادب میں اس وقت کامل ہوتا ہے جب اس کے اندر مندرجہ ذیل اوصاف پیدا ہو جائیں“۔

۱- مشائخ کی تعظیم وتکریم اپنے اوپر لازم کر لے۔ ۲- اپنے ساتھیوں اور بھائیوں کی خدمت

کواختیار کر لے۔ ۳-اسباب وعلاقہ (یعنی دنیاوی تعلقات) کوترک کر لے۔ ۴-توکل کا راستہ اختیار کر لے۔ ۵-ان سب کے ساتھ ساتھ شریعت کے آداب اصول وضابطہ کو ہر وقت پیش نظر رکھے۔

حضرت حبیب الامتؒ نے فرمایا: ''میں جب بھی کسی پیر کی خدمت میں حاضر ہوا تو حاضری سے پہلے اپنی تمام آرزوؤں اور تمناؤں کوختم کر کے حاضر ہوا۔ تمام مرادوں سے اپنے دل کو خالی کرلیا، اپنی کوئی خواہش کوئی تمنا کوئی مراد لے کر کسی شیخ کی خدمت میں کبھی نہیں گیا۔ جب اس حال میں ان کے سامنے گیا تو اس انتظار میں رہتا کہ دیکھئے ان کی نگاہ کرم سے مجھ کو کیا ملتا ہے۔ ان کی مجلس اور ان کے کلام کی برکت سے مجھے کیا نصیب ہوتا ہے۔ اس لئے کہ جو شخص اپنی تمنا اور مراد یں لے کر پیر کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے وہ پیر کے مشاہدہ کی دولت سے محروم رہتا ہے۔ پیر کی مجلس اور ان کے کلام کی برکتیں اس کے حصہ میں نہیں آتیں۔ (اسرار طریقت، ص/273)

دنیا سے محبت کا انجام تباہی

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہیں تشریف لے جارہے تھے ان کے ساتھ ایک شخص اور تھا بھوک لگی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کچھ روپئے دیکر قریب کی بستی سے روٹی لانے کے لئے بھیجا اور خود نماز میں مشغول ہو گئے وہ گیا اور تین روٹیاں لایا بیٹھ کر انتظار کرنے لگا اور پھر چپ کے سے ایک روٹی کھا گیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نماز سے فارغ ہوئے اس کے پاس پہنچے تو اس نے دو ہی روٹیاں سامنے رکھیں آپ نے پوچھا ارے بھائی ایک روٹی اور تھی ناں! وہ کیا ہوئی، اس نے کہا نہیں دو ہی روٹیاں تو تھیں۔ خیر دونوں نے ایک ایک روٹی تناول کی اور چلتے بنے ایک جگہ پہنچے تو دیکھا کہ کچھ ہرنیں چر رہی ہیں آپ نے ان میں سے ایک کو بلایا وہ حاضر خدمت ہوئی اور پھر دونوں حضرات نے مل کر اسے ذبح کیا اور بھون کر تناول کیا پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے کہا میں اس ذات کی

قسم دے کر تجھ سے پوچھتا ہوں جس نے تجھ کو یہ معجزہ دکھایا ہے بتاؤ کہ تیسری روٹی کس نے کھائی؟ اس نے کہا دو ہی روٹیاں تو تھیں، پھر آگے بڑھے تو ایک بستی کے قریب پہنچے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعا کی اے پالنہار کسی چیز سے اس بستی کے احوال مجھے بتلا دے، چنانچہ ایک اینٹ کو اللہ رب العزت نے قوت گویائی عطا کی اور حضرت نے اس بستی کی تفصیلات دریافت کیں اور پھر اس ساتھی سے فرمایا میں تمہیں اس ذات کی قسم دیکھ کر پوچھتا ہوں جس نے تمہیں یہ معجزہ دکھلایا بتاؤ کہ تیسری روٹی کس نے کھائی؟ پھر اس نے جھٹ سے کہا دو ہی روٹیاں تو تھیں، پھر آگے بڑھے تو ٹھاٹھیں مارتی ہوئی ایک ندی سامنے آئی حضرت نے اس کا ہاتھ پکڑا اور پانی کے اوپر سے چل کر اس کو پار کر لیا، اور پھر فرمایا میں تمہیں اس ذات کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس نے تمہیں یہ معجزہ دکھلایا ہے اچھا بتاؤ کہ تیسری روٹی کیا ہوئی؟ اس نے کہا دو ہی روٹیاں تو تھیں، پھر آگے بڑھے ایک بہت بڑی ویران بستی کے پاس پہنچے قریب ہی میں تین بڑی بڑی پتھر کی سلیں تھیں (یا تین ریت کے تودے تھے) آپ نے ان سے مخاطب ہو کر کہا اللہ کے حکم سے تم سونا بن جاؤ وہ سونا بن گئیں آپ نے کہا کہ ایک تو میری ہے اور ایک تمہاری ہے اور ایک اس کی ہے جس نے تیسری روٹی کھائی ہے اس نے کہا میں نے ہی تو کھائی ہے' دنیا کی لالچ نے سچ بلا ہی دیا'' آپ نے فرمایا اچھا تم سب لے لو اور اس کو وہیں چھوڑ کر چل دیئے اب اس کے لئے مشکل پیش آئی کہ اسے کیسے اٹھا کر لے جائے وہیں پڑا رہا کہ اتنے میں تین ڈاکوؤں کا ادھر سے گذر ہوا اور اسے جان سے مار ڈالا اور سونے کی سلوں کو لے لیا پھر جب انہیں بھوک لگی تو اپنے ایک ساتھی سے کہا ذرا تم اس گاؤں میں جا کر کچھ کھانے کی چیز لیتے آؤ ادھر ان دونوں نے یہ طے کیا کہ جب وہ کھانا لے کر آئے گا تو اسے مار ڈالا جائے گا اور سارا مال ہم دونوں آدھا آدھا بانٹ لیں گے اور اس نے بھی ایک الگ چال چلی کہ کھانے میں زہر ملا دیا یہ سوچ کر کہ جب وہ زہر آلود کھانا کھائیں گے تو وہیں تھوڑی دیر میں ڈھیر ہو جائیں گے اور سارا سونا میرا

ہوجائے گا خیر جب وہ کھانا لے کر حاضر ہوا تو ان دونوں نے مل کر اسے قتل کردیا اور پھر کھانا کھایا اور زہر کا اثر ہوا اور یہ بھی مر گئے پھر جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اس طرف سے واپسی ہوئی تو دیکھا کہ میرا ہمراہی اور تین آدمی اور یہاں پڑے ہوئے ہیں اور سونے کی سلیں موجود ہیں تو فرمایا کہ دنیا اپنے دلدادوں کا یہی حشر کرتی ہے۔ (المستطرف، ج:۲،ص:۳۱۴)

دنیا کی محبت سے دل مرجاتا ہے

حضرت حبیب الامتؒ نے ارشاد فرمایا اگر دل میں دنیا کی محبت ہوتو دل دنیا میں ہی پھنسا رہتا ہے دنیا کی چیزوں کو اکٹھا کرنے کی دھن لگ جائے تو دل مرجاتا ہے۔ آج کسی کے دل پر تو عورت نے قبضہ کیا ہوا ہے کسی کے دل پر دنیا کی محبت نے قبضہ کیا ہوا ہے، کسی کا دل بیوی بچوں میں اٹکا ہوا ہے، کاش کہ اس دل پر اللہ تعالیٰ کی محبت چھائی ہوئی ہوتی۔ سچا مسلمان وہی ہے جسے سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے محبت ہو۔

’’وَالَّذِيْنَ آمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ‘‘ اور جو ایمان والے ہوتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے شدید ترین محبت رکھتے ہیں۔ (اقتباس مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ)

دل مردہ دل نہیں ہے اسے زندہ کردوبارہ
کہ یہی ہے اُمتوں کے مرضِ کہن کا چارہ

جانوروں پر بزرگوں کے اثرات

مصلح الامت حضرت شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار ارشاد فرمایا کہ تھانہ بھون میں ایک بزرگ شاہ محمد صاحب تھے جن کے یہاں بکریاں پلی ہوئی تھیں وہ بکریاں مسجد میں بیٹھتی تھیں مگر کبھی اس کے اندر مینگنی یا پیشاب نہیں کرتی تھیں۔ یہ بات حضرت کی کرامت میں کی جاتی تھی۔

دیکھئے بکریاں بھی یہ سمجھتی تھیں کہ جب ہمارے بزرگ مسجد کی تعظیم کرتے ہیں تو ہم کو بھی اس کی تعظیم کرنی چاہئے۔ جب جانوروں کا یہ حال تھا تو آدمیوں کا کیا پوچھنا۔ ہمارے بزرگان دین ایسے ہی تھے۔

ایک بزرگ تھے جو اصلاحی عالم نہیں تھے۔ پنجاب کے مستقل بزرگ تھے لیکن حضرت حاجی صاحب سے بھی مراسلت رکھتے تھے۔ ان کے پاس ایک کتا رہتا تھا۔ کسی عالم نے ایک مرتبہ ان سے کہا کہ حضرت کتا پالنا منع ہے۔

انہوں نے مطلقاً کہہ دیا حالانکہ اس میں تفصیل ہے وہ یہ کہ حراست اور حفاظت کے لئے کتا پالنا جائز ہے ورنہ منع ہے۔ لیکن جب ایک عالم یہ کہہ دیا کہ کتا پالنا منع ہے تو ان بزرگ نے ان کے جواب میں یہ نہیں فرمایا کہ حراست کے لئے پالنا جائز ہے بلکہ اس کتے سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ بھیا یہ مولوی صاحب کہتے ہیں کہ حضرت صاحب نے کتا پالنے کو منع فرمایا ہے اس لئے تم چلے جاؤ۔ ان کا یہ کہنا تھا کہ اٹھا اور ایک طرف کو روانہ ہو گیا پھر وہ کتا دیکھا نہیں گیا کہ کس طرف گیا او رکہاں جا کر ٹھہرا یا کہیں جا کر مر ہی گیا۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ؎

سگ اصحاب کہف روزے چند
پئے نیکاں گرفت مردم شد

یعنی اصاحب کہف کا کتا چند روز نیکو نکی صحبت میں رہا تو آدمی ہو گیا اس لئے اصحاب کہف کا کتا انہیں میں شمار کیا جاتا ہے اور انہیں لوگوں کے ساتھ اس کا حشر ہوگا۔

اسی طرح ایک بزرگ گھوڑا پالے ہوئے تھے جب کبھی وہ چھوٹ جاتا تو انہیں بزرگ کے کھیت میں سیدھا چلا جاتا اور وہیں جا کر کھاتا اور کسی دوسرے کے کھیت کبھی منہ نہیں ڈالتا تھا۔ جانتا تھا کہ یہ ہمارے حضرت کا کھیت ہے۔ دیکھئے وہ اتنا متقی تھا کہ سمجھتا تھا کہ ہم کو کھلانا پلانا ہمارے مالک کے ذمہ

ہے اور یہ کھیت بھی انہیں کا ہے دوسرے کے کھیت میں کبھی نہیں جاتا تھا۔ یہ بات مشہور ہوگئی تھی تب تو ہم تک پہونچی۔ یہ واقعات اس لئے سنا رہا ہوں کہ ہمارے بزرگوں نے جب اپنا معاملہ خدا کے ساتھ درست کرلیا تھا اور ہر چیز سے منقطع ہو گئے تھے تو ہر چیز ان کی مطیع اور منقاد تھی حتیٰ کہ ان کے تقویٰ کا اثر ان سے قریب رہنے والے جانوروں میں بھی تھی۔ (ماخوذ از ماہنامہ وصیۃ العرفان، الہٰ آباد)

صبح کی نماز حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھائی اور سورہ واقعہ اور سورہ حاقہ پڑھی بعد نماز فجر ہواخوری کے لئے بجانب شمال راستہ چھوڑ کر مزرعہ زمین میں تشریف لے گئے۔ راستہ میں کسی نے دائم المرض شخص کے لئے عمل پوچھا تو فرمایا بعد نماز فجر گیارہ بار الحمد پڑھ کر پانی پر دم کر کے پیا کریں۔

خواجہ صاحب نے عرض کیا صرف گیارہ بار؟ فرمایا تو اصل عمل میں اکتالیس بار مگر میں نے آسانی کے لئے اتنا کم کر دیا۔ (ماخوذ: وصیۃ العرفان، آلہٰ باد)

سبحان اللہ کیسی ہماری اور آسان تدبیر ہے کہ کام بھی ہوجائے اور ذکر بھی ہوجائے۔ او ربیزاری سے بھی بچ جائے کیوں کہ لمبے لمبے وظائف سے دل اکتا جاتا ہے تو فائدہ بھی نہیں ہوتا۔

خانقاہ والوں کیلئے جنت میں یاقوت کے ستون، زمرد کے بالاخانے

حدیث پاک میں ہے کہ جنت میں یاقوت کے ستون ہوں گے جن پر زبرجد (زمرد) کے بالاخانے ہوں گے ان میں چاروں طرف دروازے کھلے ہوئے ہوں گے وہ ایسے چمکتے ہوں گے جیسے کہ نہایت روشن ستارہ چمکتا ہے ان بالاخانوں میں وہ لوگ رہیں گے جو اللہ تعالیٰ کے واسطے آپس میں محبت رکھتے ہوں اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ ہی کے واسطے ایک جگہ اکٹھے ہوں اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ ہی کے واسطے آپس میں ملتے جلتے ہوں۔

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں آج خانقاہوں کے بیٹھنے والوں پر ہر طرح

الزام ہے ہر طرف سے فقرے کسے جاتے ہیں آج انہیں جتنا دل چاہے برا کہہ لیں۔کل جب آنکھ کھلے گی اس وقت حقیقت معلوم ہوگی کہ یہ بوریوں پر بیٹھنے والے کیا کچھ کر لے گئے جب وہ ان منبروں اور بالا خانوں پر ہوں گے اور یہ ہنسنے والے اور گالیاں دینے والے کیا کما کر لے گئے۔

فَسَوْفَ تَرٰی اِذَا انْکَشَفَ الْغَبَارُ
اَفَرَسٌ تَحْتَ رِجْلِكَ اَمْ حِمَارُ

''عنقریب جب غبار ہٹ جائے گا تو معلوم ہوگا کہ گھوڑے پر سوار تھے یا گدھے پر''۔

ان خانقاہوں کی اللہ کے یہاں کیا قدر ہے جن پر آج چاروں طرف سے گالیاں پڑتی ہیں (یہ کئی سال پہلے کی حالت لکھی ہے لیکن اب کچھ خانقاہیں تو ہوگئیں اور کچھ تباہ ہوگئیں کہ خانقاہ ہی اعمال ومقاصد سے خالی ہوگئیں یہ ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے جن میں ان کی فضیلتیں ذکر کی گئی ہیں۔

ایک حدیث میں وارد ہے کہ جس گھر میں اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے وہ آسمان والوں کے لئے ایسا چمکتا ہے جیسے زمین والوں کے لئے ستارے چمکتے ہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ ذکر کی مجالس پر سکینہ (ایک خاص نعمت) نازل ہوتی ہے فرشتے اس کو گھیر لیتے ہیں رحمت الٰہی ان کو ڈھانپ لیتی ہے اور اللہ جل شانہ عرش پر ان کا ذکر فرماتے ہیں۔

ابورزیں رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تجھے دین کی تقویت کی چیز بتاؤں جس سے تو دونوں جہاں کی بھلائی کو پہنچے وہ اللہ کا ذکر کرنے والوں کی مجلسیں ہیں۔ان کو مضبوط پکڑ اور جب تنہا ہوا کرے تو جتنی بھی قدرت ہو اللہ کا ذکر کرتا رہ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آسمان والے ان گھروں کو جن میں اللہ کا ذکر ہوتا ہے ایسا چمکدار دیکھتے ہیں حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ آسمان والے ان گھروں کو جن میں اللہ کا ذکر ہوتا ہے ایسا چمکدار دیکھتے ہیں جیسا کہ زمین والے ستاروں کو چمکدار دیکھتے ہیں۔حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ یہ گھر جن میں اللہ کا ذکر ہوتا ہے ایسے روشن اور منور ہوتے ہیں کہ اپنے نور کی وجہ

سے ستاروں کی طرح چمکتے ہیں اور جن کو اللہ جل شانہ نور کے دیکھنے کی آنکھیں عطا فرماتے ہیں وہ یہاں بھی ان کی چمک دیکھ لیتے ہیں بہت سے اللہ کے بندے ایسے ہیں جو بزرگوں کا نوران کے گھروں کا نور اپنی آنکھوں سے چمکتا ہوا دیکھتے ہیں (اسی طرح گناہوں اور نافرمانیوں سے جو ظلمت برستی ہے اس کا بھی ادراک ہوجاتا ہے)۔

ایک حدیث میں وارد ہے کہ افضل ترین رباط نماز ہے اور ذکر کی مجالس کو رباط کہتے ہیں دارالسلام کی سرحد کی حفاظت کرنے کو تا کہ کفار اسطرف سے داخلہ نہ کریں۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ میں ایسی جماعت کے ساتھ بیٹھوں جو صبح کی نماز کے بعد آفتاب نکلنے تک اللہ کے ذکر میں مشغول ہو رہے۔ مجھے زیادہ پسند ہے اس سے کہ چار عرب غلام آزاد کروں اسی طرح ایسی جماعت کے ساتھ بیٹھوں جو عصر کی نماز کے بعد سے غروب تک اللہ کے ذکر میں مشغول رہے یہ زیادہ پسند ہے چار غلام آزاد کرنے سے۔

ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں ایک جماعت کے ساتھ صبح کی نماز کے بعد آفتاب نکلنے تک ذکر میں مشغول رہوں یہ مجھے دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے اس طرح عصر کی نماز کے بعد اور عصر کی نماز کے بعد اوراد کا معمول ہے اور حضرات صوفیاء کے یہاں ان دونوں وقتوں کا خاص اہتمام ہے کہ صبح کی نماز کے بعد عموماً اشغال میں اہتمام فرماتے ہیں اور عصر کے بعد اوراد کا اہتمام کرتے ہیں۔ (اسرار طریقت، ص/286)

مجالس ذکر سے گناہ نیکیوں میں بدل جاتے ہیں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو بھی لوگ اللہ کے ذکر کے لئے مجتمع ہوں اور ان کا مقصود صرف اللہ ہی کی رضا ہو تو آسمان سے ایک فرشتہ ندا کرتا ہے کہ تم لوگ بخش دیئے گئے اور تمہاری برائیاں نیکیوں سے بدل دی گئیں۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ بعض آدمی ذکر کی کنجیاں ہیں کہ جب ان کی صورت دیکھی جائے تو اللہ کا ذکر کیا جائے یعنی ان کی صورت دیکھ کر ہی اللہ کا ذکر یاد آئے۔

ایک حدیث میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ولی ہیں وہ لوگ جن کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ یاد آتے ہیں (مجلس ذکر میں کچھ لوگ مذکورہ بالا صفت کے بھی ہوتے ہیں ان کو دیکھ کر عامی شرکاء بھی متوجہ الی اللہ ہو جاتے ہیں۔ اس پر مومن اور مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ پنج وقتہ نماز اور تلاوت کے علاوہ ذکر واذکار کے لئے بھی تھوڑا سا وقت متعین کر لے۔ یہی عمل خانقاہوں اور بزرگوں کی صحبتوں میں سکھایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

مرید کو اپنے پاس قیام کی اجازت دینا شیخ کا احسانِ عظیم ہے

کیا اس شخص کو ولایتِ علیا کا خواب بھی نظر آئے گا جس کے اندر فنائے نفس کا اتنا مادّہ بھی نہ ہو کہ شیخ کے پاس رہتے ہوئے غصہ گرمی نہ دکھائے اور شیخ کی ذرا سی ڈانٹ کو برداشت کر لے، بس شیخ اپنے مقام سے نزول کر کے اجازت دے دیتا ہے کہ چلو! ہمارے پاس پڑے رہو، اس طرح سے گناہِ کبیرہ سے تو بچے رہو گے۔ بعض کو فسق وفجور، نافرمانی اور گناہِ کبیرہ سے بچانے کے لیے خانقاہ میں رہنے کی اجازت دی جاتی ہے، کیونکہ وہ بدنظری اور عشقِ مجازی کے کینسر کے مریض ہیں، جو آئی سی یو (I.C.U) میں رکھے جاتے ہیں، اور ان کی انتہائی نگہداشت کی جاتی ہے، اگر وہ باہر رہیں اور ان کو انتہائی نگہداشت کے کمرے میں نہ رکھا جائے تو وہ پہلوان نہیں بنیں گے بلکہ ان کا کینسر بڑھتے بڑھتے ان کو روحانی موت کے گھاٹ اتار دے گا، اس لیے ان کو رکھ لیا جاتا ہے تا کہ روحانی موت سے اور ہلاکت سے بچ جائیں۔ (حقوق الوالدین، ص/19)

شیخِ کامل اپنے مرید کو اچھی طرح جانتا ہے

لیکن جو لوگ اللہ تعالیٰ کو مراد بناتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں جانبازی دکھاتے ہیں اور

اپنے فہم کی سلامتی پیش کرتے ہیں تو شیخ کو بھی پتہ چل جاتا ہے کہ وہ کس مقام پر ہیں، اور جن کو اللہ کی طلب نہیں ہوتی شیخ کو ان کا بھی اندازہ ہو جاتا ہے، جیسے قصائی اپنے بچھڑے کو جانتا ہے کہ اب اس کے دو دانت آ گئے ہیں، اب تین دانت آ گئے ہیں، اب چار دانت آ گئے ہیں۔ اسی طرح شیخ بھی اپنے مریدوں کو جانتا ہے کہ اب اس کے کتنے دانت آ گئے ہیں، کتنی ترقی کر گیا ہے۔ کوئی لاکھ اشکبار آنکھوں سے روئے، رات بھر تہجد میں گزارے لیکن شیخ کسی کے آنسوؤں سے، اس کی نفلی عبادات سے دھوکا نہیں کھا سکتا۔ شیخ تو یہ دیکھتا ہے کہ جب کوئی حسین اس کے پاس آ کر بیٹھتا ہے پھر اس کے نفس کی بلی اس چوہے کو دیکھ کر کتنا قابو میں رہتی ہے۔ اگر بلی لاکھ دعویٰ کرے کہ میں نے ستر حج کیے ہیں، اس کی پارسائی کا اعتبار نہیں، لیکن جب اس کے پاس چوہا آ جائے تو پھر غرغرائے نہیں اور مونچھوں کو کھڑی نہ کرے اور اس پر جھپٹ نہ مارے تب سمجھ لو کہ اب بلی صاحبہ بھگت بن گئی ہیں، کچھ بن گئی ہیں۔ تو جیسے قصائی اپنے بچھڑے کو پہچانتا ہے ایسے ہی بزرگوں کا، اللہ والوں کے غلاموں کا بھی معاملہ ہے، وہ پہچانتے ہیں کہ اس مرید کے اندر کتنا تقویٰ ہے۔ لہٰذا مریدوں کی تعریفوں سے، اپنے پیر بھائیوں کی تعریفوں سے اپنے کو کچھ نہ سمجھو، شیخ سمجھتا ہے کہ مرید کس مقام پر ہے۔ (حقوق الوالدین، ص/ 21)

حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور لالچی مرید

حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک مرید صاحب الٰہ آباد گئے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے کہنے لگے کہ میں آپ کے ساتھ کچھ دن رہنا چاہتا ہوں اور آپ سے فیض لینا چاہتا ہوں۔ اللہ والوں کو بعض اوقات انکشاف ہو جاتا ہے کہ کون کس نیت سے آیا ہے، لہٰذا حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو کشف ہو گیا کہ یہ زبان کی لذتوں کا غلام ہے، مرغن کھانے اور بریانیاں کھانے آیا ہے۔ لہٰذا جہاں جہاں حضرت رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے گئے اپنے میزبانوں سے فرما دیا

کہ جو کی روٹیاں اور ارہر کی دال پکاؤ۔ لہٰذا ایسا ہی ہوا، ایک وقت تو اس نے کھالیا لیکن دل میں بہت غصہ ہوا کہ یہ کیسا پیر ہے جو جو کی روٹی کھاتا ہے، اس نے تو مار ڈالا، ہم تو سمجھتے تھے کہ بریانی ملے گی۔ پھر دوسرے وقت بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے وہی کھایا اور تیسرے وقت بھی وہی کھایا تو وہ مرید آدھی رات کو بستر لے کر ایک دو تین ہو گیا۔ یہ بات حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے خود مجھ سے فرمائی۔

مربی کے حقوق

آج جو یہ کہتے ہیں کہ مجھے بڑا غصہ ہے، اگر میں ان کو جو کی روٹی ارہر کی دال کے ساتھ، زیادہ نہیں، چالیس دن کھلا دوں اور گوشت بند کر دوں تو آپ دیکھنا کہ ان کے غصے کہاں جاتے ہیں؟ لیکن کوئی کہے تو سہی کہ آپ جس غذا سے اور جس طریقے سے چاہیں میری اصلاح کر دیں، مجھے اختیار تو کوئی دے۔ اب کوئی مریض اچھا بھی ہونا چاہے اور ڈاکٹر کو آپریشن کا اختیار بھی نہ دے، ڈاکٹر صاحب سے کہے ڈاکٹر صاحب! السلام علیکم، میرے گردے میں پتھری ہے، بہت تکلیف میں ہوں، اور ڈاکٹر صاحب کہیں: فلاں کمرے میں لیٹ جاؤ، اس کے بعد ڈاکٹر چاقو لے کر آپریشن کے لیے آیا تو کہنے لگا کہ ٹھہرو! ٹھہرو! چاقو سے میرا پیٹ مت چیرنا، ڈاکٹر نے کہا آپ کے گردے میں پتھری ہے، اسے نکالنے کے لیے آپریشن تو کرنا ہی پڑے گا، تو فوراً بولا توبہ! توبہ! میں تو آپ سے ملنے کے لیے آیا تھا، پیٹ پھڑوانے کے لیے تھوڑی آیا تھا، تو بتاؤ اس کا علاج ہو سکے گا؟ تو بھئی! دوستی کے راستے سے جو آتے ہیں ان کا آپریشن تھوڑی کیا جاتا ہے۔ جو اصلاح کے لیے نہیں آتا، میں بھی اس سے کہتا ہوں چلو ٹھیک ہے، لیکن جو اصلاح چاہتا ہے اس کو تو کہنا چاہیے کہ آپ کے نزدیک جس طریقے سے میری اصلاح ہو، جو دل میں بات آتی ہو، حکم فرمائیں، میں آپ کے حکم کی تعمیل کروں گا، تو اس کے ساتھ شفقت و محبت بھی ہو گی اور وقت پڑنے پر آپریشن بھی کروں گا لیکن اف نہ کرنا، یہ نہ کہنا کہ جو کی روٹی تو مجھ سے نہیں چلے گی، میرا تو بلڈ پریشر ہائی رہتا ہے، میں گوشت، اور دو پیازے اور اِسٹو کو کیسے چھوڑ سکتا

ہوں۔جس کو طلب ہوتی ہے وہ ہر طرح کے مجاہدے کو تیار رہتا ہے۔کاش! اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں اپنی طلب و پیاس عطا فرمادیں۔ جب خدائے تعالیٰ کی پیاس اور طلب ہوتی ہے تو انسان اللہ کو پانے کے لیے جان کی بازی لگا دیتا ہے، پھر یہ نہیں سوچتا کہ میرا کیا ہوگا، وہ تو کہتا ہے ؎

جان دے دی میں نے ان کے نام پر
عشق نے سوچا نہ کچھ انجام پر

یہ راستہ ڈھیلوں کا نہیں ہے اور ڈِھیلوں کا بھی نہیں ہے، یہ شیروں کا راستہ ہے، جان دینے کا راستہ ہے، جس کو خدائے تعالیٰ توفیق دے وہی طے کرتا ہے۔

شیخ سے محبت

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیخ کی محبت میں تملّق (چاپلوسی) بھی جائز ہے۔اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ملتا ہے اللہ والوں کی جوتیاں اٹھانے سے۔اس لیے شیخ سے ناز ونخرہ حرام ہے۔اپنی معلومات کو مجہولات کی تھیلی میں ڈال کر شیخ کے پاس آؤ کیونکہ پستی ہی میں پانی آتا ہے۔مولانا رومی فرماتے ہیں ؎

ہر کجا پستی آب آں جارود

شیخ اور مرید کی مثال

ارشاد فرمایا کہ اپنے شیخ کو یوسفِ روحانی سمجھو اور خود کو یعقوبِ روحانی سمجھو اور آہ وزاری کرو اور شیخ کے سامنے اپنا وجود ختم کردو۔حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتا۔ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام نہیں لیا۔اس لیے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تب بناتے جب ان کا وجود ہوتا، بَعْدِیْ تب ہوتا ہے جب وجود الگ ہو۔اور شیخ جوں جوں بوڑھا ہوتا ہے اس کی شراب اور تیز ہوجاتی ہے۔پھر حضرت والا رونے لگ

گئے۔فرمایا کہ مجھے اپنے شیخ یاد آ گئے تھے اس لیے رونا آ گیا۔(صحبت اہل اللہ کی اہمیت اور اس کے فوائد،ص/283)

تکبر کا علاج صحبتِ اہل اللہ ہے

یہ بڑائی بہت دن کے بعد دل سے نکلتی ہے،تکبر کا مرض بہت مشکل سے جاتا ہے۔اسی بڑائی کو نکالنے کے لیے بزرگانِ دین، مشائخ اور اللہ والوں کی صحبت اُٹھانی پڑتی ہے۔شیخ کے ساتھ ایک زمانہ گزارا جاتا ہے، پھر وہ رگڑ رگڑ کر بڑائی نکال دیتا ہے اور خصوصاً وہ شیخ جو ذرا تڑ ابھی ہو یعنی ڈانٹ ڈپٹ بھی کرتا ہو، پھر تو وہاں بہت جلد بڑائی نکل جاتی ہے۔جیسے ہمارے میر صاحب کا شعر ہوا ہے۔میر صاحب کو پچھلے جمعہ کو بھرے مجمع میں جو ڈانٹ پڑی تو انہوں نے ایک شعر کہا ؎

ہائے وہ خشمگیں نگاہ قاتلِ کبر و عجب و جاہ

بھرے مجمع میں جب شیخ ڈانٹ دیتا ہے، استاد ڈانٹ دیتا ہے تو کیسی اصلاح ہوتی ہے جس کو بہت عمدہ تعبیر کیا ہے ماشاء اللہ! نظر نہ لگے ان کو ؎

ہائے وہ خشمگیں نگاہ قاتلِ کبر و عجب و جاہ
اس کے عوض دلِ تباہ میں تو کوئی خوشی نہ لوں

شیخ کی غضب ناک نگاہیں قاتلِ کبر و عجب و جاہ ہیں، وہ عجب و کبر اور جاہ کو قتل کر دیتی ہیں، اس کے عوض دلِ تباہ یعنی اے دلِ تباہ! اس کے بدلے میں مجھے دنیا کی کوئی خوشی نہیں چاہیے۔یہ بڑی عظیم الشان نعمت ہے کہ جس کا نفس مٹ جائے۔حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حکیم الامت مجدد الملت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جب حاضر ہوئے، تو ایک پرچہ پر اپنی حاضری کا مقصد ایک شعر میں لکھ کر بھیج دیا، وہ شعر یہ تھا ؎

نہیں کچھ اور خواہش آپ کے در پر میں لایا ہوں
مٹا دیجیے مٹا دیجیے میں مٹنے ہی کو آیا ہوں

عاملوں کے بجائے کاملوں کو تلاش کیجیے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں ہمارے لیے سب وظیفے موجود ہیں، اس کو پڑھتے رہیں پھر کسی عامل کی ضرورت نہیں، البتہ کامل کی ضرورت ہے یعنی شیخِ کامل کی، اللہ والوں کی، جن کی صحبتوں سے اللہ کی محبت عطا ہوتی ہے، دین کی دولت ملتی ہے۔ اس لیے عامل کو نہ تلاش کرو، کامل کو تلاش کرو۔ (صحبت اہل اللہ کی اہمیت اور اس کے فوائد، ص/ 37)

شیخ کی صحبت میں کتنا عرصہ رہنا چاہیے؟

شیخ کے پاس سے جلدی نہ بھاگنا چاہیے، کیوں کہ ایک رنگریز سے ایک آدمی نے کہا کہ میری چادر رنگ دو، تو اس نے کہا کہ رنگنے کے لیے بہتّر (۷۲) گھنٹے چاہئیں۔ کہا کہ نہیں، ہماری تو کل شام کو ریل ہے، تم ہمیں کل دے دو، رنگریز نے کہا کہ کل میں دے تو دوں گا، لیکن ضمانت نہیں دے سکتا کہ اس کا رنگ پکا رہے گا۔ اسی طرح جو لوگ قبل از وقت شیخ کی صحبت سے بھاگ جاتے ہیں ان کا رنگ بھی کچا رہتا ہے دوسرے ماحول سے متأثر ہو جاتے ہیں۔ اور اگر نسبت مع اللہ پختہ ہو جائے تو وہ لوگ ماحول کو بدل دیتے ہیں ؎

جہاں جاتے ہیں ہم تیرا فسانہ چھیڑ دیتے ہیں
کوئی محفل ہو تیرا رنگِ محفل دیکھ لیتے ہیں

صحبتِ اہل اللہ کے بغیر علم نافع نہیں ہو سکتا

اب دوسرا واقعہ سنیے! جب مکہ شریف تین میل رہ گیا تو وہی موٹر جس میں، میں شیخ کے ساتھ سفر کر رہا تھا ایک پیٹرول پمپ پر پیٹرول لینے کے لیے صاحبِ کار نے روکی۔ اتنے میں ایک ٹینکر آیا جس پر دس، بارہ ہزار گیلن پیٹرول لدا ہوا تھا۔ اس کے ڈرائیور نے بھی کہا کہ میرے ٹینکر میں

پیٹرول ڈال دو کیوں کہ انجن میں پیٹرول نہیں جارہا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ ایک دوسرا سبق حاصل کرو۔ جو علماء اپنے باطن کو منور نہیں کرتے اللہ والوں کی صحبت سے، اللہ تعالیٰ کا خوف، اللہ کی خشیت، اللہ تعالیٰ کی محبت کا پیٹرول اپنے قلب کے انجن میں حاصل نہیں کرتے، ان کا علم ان کی پیٹھ کے اوپر رکھا ہوا ہے۔ چاہے دس ہزار گیلن ہو، نہ خود اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں، نہ دوسروں کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔ جس طرح ٹرک اور ٹینکر چل ہی نہیں سکتا جب انجن ہی میں پیٹرول نہ ہو۔ اسی طرح اپنے علم پر عمل کی توفیق نہیں ہوسکتی اگر دل میں اللہ کی محبت وخشیت نہیں۔

دوسرے واقعہ سے کیا سبق ملا کہ دل کے انجن میں محبت وخشیت کا پیٹرول ہونا چاہیے، تب علم کا نفع پہنچتا ہے، لازمی بھی اور متعدی بھی۔ اور خشیت ومحبت کے پیٹرول پمپ کہاں ہیں؟ اللہ والے ہیں۔ (صحبت شیخ، ص/34)

صحبتِ اہل اللہ چین وسکون کی ضمانت

حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر اس آیت پر یقین نہ آئے:

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔ اللہ کی یاد ہی سے دلوں کو چین ملتا ہے۔

تو دس دن بادشاہوں کے پاس رہ لو، دس دن رومانٹک دنیا والوں کے پاس رہ لو، جو ہر وقت حسینوں اور ٹیڈیوں اور فلمی گانوں کے چکر میں رہتے ہیں، اور دس دن تاجروں کے پاس بھی رہ لو، ان کو ڈالروں کی گڈّیاں گنتے ہوئے دیکھ لو، اور دس دن کسی اللہ والے کے پاس بھی رہ لو، تمہارا دل خود فیصلہ کرلے گا کہ سکون اور چین تو اللہ والوں کے پاس ہے۔ (صحبت صالحین، ص/87)

کون سے بزرگ کی صحبت میں رہنا چاہیے؟

بزرگوں نے ہمیشہ مشورہ دیا ہے کہ اللہ والوں کے پاس، درویشوں کے پاس، ان فقیروں

کے پاس آتے جاتے رہو جو سنت اور شریعت پر چلتے ہوں۔ ان سٹّہ کے نمبر بتانے والوں سے ہو شیار رہو جو دریاؤں کے کنارے اور جنگلوں میں بیٹھے ہوئے ہیں، لنگوٹی باندھے ہوئے۔ نہ نماز ہے نہ روزہ۔ سٹّہ کا نمبر بتا رہے ہیں، اور ولی اللہ بھی بن رہے ہیں۔ بتائیے! جوّا حرام ہے، سٹّہ حرام ہے۔ جو اس کا نمبر بتائے یہ فقیر و درویش ہے یا شیطان ہے؟ ایسا شخص ہرگز ولی اللہ نہیں ہوسکتا جو حرام کام کرتا ہو۔ اللہ کا ولی وہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلتا ہے۔ میرا ایک مشہور شعر ہے، جو اس وقت پوری دنیا میں نشر ہو رہا ہے ؎

نقشِ قدم نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہیں جنت کے راستے

اللہ دسے ملاتے ہیں سنت کے راستے

اور ایک بزرگ فرماتے ہیں ؎

گر ہَوا پہ اڑتا ہو وہ رات دن

ترکِ سنت جو کرے شیطان گن

جس نے سنت کی زندگی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ چھوڑا ہوا ہے یاد رکھو! وہ شیطان ہے۔ اس کا اڑنا وغیرہ سب استدراج ہے۔ مکھی بھی تو اڑتی ہے تو بیعت ہو جاؤ مکھی سے! اور دریا میں تنکا بھی بہتا ہے بغیر کشتی کے، تو اس تنکے کے مرید ہو جاؤ! بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان کو حال بہت آتا ہے تو سانپ کو بھی بہت حال آتا ہے۔ جب تو مڑی بجاؤ تو دیکھو کس طرح جھومتا ہے۔ لہٰذا اگر حال بزرگی کی دلیل ہے تو سانپ سے بیعت ہو جاؤ! بہت جلدی پہنچا دیتا ہے۔ اس لیے ایک بہت بڑے بزرگ مولانا شاہ محمد احمد صاحب نے فرمایا کہ جس کے راستے کی بنیاد مدینہ پاک سے نہ ہو، درمیان میں وائرنگ نہ ملتی ہو، تو سمجھ لو وہ بجلی، وہ نور، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نہیں ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ کسی کے ظاہر سے دھوکا مت کھاؤ صورت بھی ملاؤ، سیرت بھی ملاؤ۔ اس کو لاکھوں حال آتا ہو لیکن اگر صورت یا سیرت نبی کے طریقے سے ہٹی ہوئی ہو تو یہ شعر پڑھو ؎

حال تیرا جال ہے مقصود تیرا مال ہے
کیا خوب تیری چال ہے لاکھوں کو اندھا کردیا

جس کو اللہ والوں کی صحبت حاصل نہیں وہ دنیا کے حَسَنَہ سے محروم ہے

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً کی تفسیر میں لکھا ہے کہ دنیا میں کیا کیا چیزیں حسنہ ہیں جن کو اللہ نے مانگنے کو سکھایا ہے کہ تم ہم سے یہ مانگو کہ یا اللہ! ہم کو دنیا میں حسنہ دے اور آخرت کی بھی بھلائی اور حسنہ دے، تو دنیا کی حسنہ میں یہ چیزیں من جملہ حسنات شامل ہیں:

۱۔ اَلْعَافِیَۃُ وَالْکَفَافُ۔ عافیت وغیر محتاجی۔

۲۔ اَلْمَرْاَۃُ الصَّالِحَۃُ نیک بیوی۔

۳۔ اَلْاَوْلَادُ الْاَبْرَارُ نیک اولاد۔

۴۔ اَلْمَالُ الصَّالِحُ حلال روزی، حلال مال۔

۵۔ ثَنَاءُ الْخَلْقِ مخلوق میں تعریف و نیک نامی۔

۶۔ اَلْعِلْمُ وَالْعِبَادَۃُ دین کا علم حاصل ہونا اور اس پر عمل یعنی توفیقِ عبادت۔

۷۔ اَلصِّحَّۃُ وَالْکِفَایَۃُ صحت و کفایت۔

۸۔ اَلنُّصْرَۃُ عَلَی الْاَعْدَاءِ دشمنوں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کی مدد۔

۹۔ اَلْفَھْمُ فِیْ کِتَابِ اللہِ کتاب اللہ کی فہم۔

۱۰۔ صُحْبَۃُ الصَّالِحِیْنَ۔ اللہ والوں کی صحبت۔

جس کو اللہ والوں کی صحبت حاصل نہیں وہ دنیا کے حسنہ سے محروم ہے۔ میرے شیخ شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ پنجرے میں جو نئی چڑیا پھنس کر آتی ہے، اور چمن اور گلشن سے محروم

کر دی جاتی ہے۔ شکاری دھوکا دینے کے لیے پنجرے کی تیلیوں کو رنگین کر دیتا ہے، اور دانوں کو بھی رنگین کر دیتا ہے۔ تاکہ اس کو چمن یاد نہ آئے، اور پھڑ پھڑانا بھی بھول جائے اس کے پر اور بازو مفلوج ہوجائیں۔ اسی طرح یہ شیطان کی بہت بڑی چال ہے کہ مؤمن سموسہ اور پاپڑ، کھچڑی اور کڑھی وغیرہ کے رنگین دانوں میں ایسا مشغول ہوجائے کہ اس کی طبیعت میں شوق ہی نہ رہے کہ آخرت کی طرف بڑھنے کی کوشش کرے۔ تو شیخ فرماتے تھے کہ نئی چڑیا پر فرض ہے کہ پُرانی چڑیوں سے رابطہ کرے کہ تم لوگ چمن سے جدا ہو کر کس طرح فریاد کرتی ہوا ے چڑیو! پھر یہ شعر پڑھتے تھے ؎

کس طرح فریاد کرتے ہیں بتادو قاعدہ

اے اسیرانِ قفس میں نوگرفتاروں میں ہوں تو جو لوگ پردیس کی رنگینیوں میں مبتلا ہوگئے، ان کو چاہیے کہ اللہ والوں کی صحبت میں رہیں۔ اور ان سے پوچھیں کہ کس طریقے سے آپ اللہ سے دعا مانگتے ہیں، اور کس طریقے سے اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ بھئی! وہ یاد کرنا ہمیں بھی سکھادو۔

صحبتِ شیخ ظہورِ صلاحیت کا ذریعہ ہے اور اس کی مثال

حضرت حکیم الامتؒ فرماتے ہیں کہ مرغی کے پروں میں بطخ کا انڈہ رکھ دیجیے۔ بتایئے! بطخ مرغی سے افضل ہے یا نہیں؟ افضل ہے۔ اس لیے کہ دریا میں بطخ تیرتی ہے اور مرغی نہیں تیر سکتی۔ لیکن مرغی کے پروں میں بطخ کے انڈے سے بطخ ہی نکلے گا۔ حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مجدد ہونے کی صلاحیت اندر موجود تھی۔ لیکن حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت سے وہ مجدد ہوئے کہ نہیں؟ اگر آپ اپنے کو کچھ سمجھتے ہیں تو سخت غلطی پر ہیں۔ اوّل تو یہ کہ آپ اپنے کو افضل کیوں سمجھیں؟ لیکن میں کہتا ہوں کہ آپ کے اندر جو بھی صلاحیت ہے، جتنی صلاحیتیں ہوں گی ان شاء اللہ تعالیٰ! ان ہی بزرگوں کی برکت سے ظاہر ہوجائیں گی۔

اولیاء اللہ کی صفتِ ولی سازی

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس طرح سورج میں گرمی اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے، اور چاند کو ٹھنڈک اللہ نے بخشی ہے، اسی طرح اللہ والوں کے اندر اللہ نے ولی سازی کی خاصیت عطا فرمائی ہے یعنی ان کی برکت سے دوسرے لوگ بھی اللہ کے ولی بنتے ہیں۔ یہ خاصیت ان کو اللہ تعالیٰ نے دی ہے۔ یہ ان کی ذاتی صفت نہیں ہے۔ جب خود ان کا ولی بننا اللہ کی عطا ہے، تو ولی سازی کیسے ان کی ذاتی خاصیت ہو سکتی ہے؟ جس طرح مشہور ہے کہ ؎

آ ہن کہ بہ پا رس آ شنا شد
فی ا لفو ر بصو ر تِ طلا شد

جو لوہا پارس پتھر کے ساتھ مل جائے، متصل ہو جائے، Touch ہو جائے، چھو جائے تو وہ لوہا فوراً سونا بن جاتا ہے۔ تو پارس پتھر میں لوہے کو سونا بنانے کی جو خاصیت ہے، وہ پارس پتھر کی ذاتی نہیں ہے، اس کو دی گئی ہے۔ اسی طرح اللہ والوں کے اندر ولی سازی یعنی ولی اللہ بنانے کی خاصیت ان کی ذاتی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمائی ہے۔

حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا کہ میں تمہارے پیر و مرشد حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب کی ایک بات سناتا ہوں، جو حضرت نے مجھ سے جون پور میں فرمائی تھی، اور اب میں کراچی میں تمہیں پیش کر رہا ہوں کہ ایک لوہے نے پارس پتھر سے پوچھا کہ اگر میں تم سے چھو جاؤں، ٹچ (Touch) ہو جاؤں، ملاقات کر لوں تو کیا میں سونا بن جاؤں گا؟ تو پارس پتھر نے کہا بے شک، لَاشَکَّ فِیْہِ اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ لوہے نے کہا کہ اس کی کیا دلیل ہے؟ بلا دلیل ہم نہیں مانیں گے، تو پارس پتھر نے کہا کہ دلیل کیا مانگتا ہے؟ بس میرے

ساتھ مل جا، مجھ سے ٹچ (Touch) ہو جا، پھر دیکھ کہ تو سونا بنا یا نہیں۔ پس اللہ والوں کے پاس جانے کی، ان کی صحبت میں رہنے کی دلیل مت مانگو بلکہ ان کے پاس رہ کر دیکھو تو پتا چل جائے گا کہ ولی اللہ بنے یا نہیں یا جو ان کے پاس گئے ہوئے ہیں، اور ان سے ملے ہوئے ہیں ان کو دیکھو، ان کے چہروں کو دیکھو، ان کے اعمال کو دیکھو، تو آپ کو معلوم ہوگا کہ وہ کتنے بڑے ولی اللہ ہو چکے ہیں۔ اور جو لوگ اللہ والوں سے جڑے ہوئے نہیں ہیں ان کے اعمال واخلاق میں آپ کو بہت فرق محسوس ہوگا۔ (صحبت اہل اللہ کی اہمیت اور اس کے فوائد، ص/ 44)

انسانوں کو شیطان کے دوسبق

مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب جلال آبادیؒ نے بڑی عمدہ بات فرمائی کہ شیطان نے دوسبق دے دیے، شیطان مردود تو ہوا لیکن قیامت تک کے انسانوں کو دوسبق دے گیا۔ اور یہ سبق بھی قصداً نہیں دیے، ورنہ جو خود سراپا شر ہو اس سے خیر کی توقع کہاں مگر اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ تکوینی طور پر اس کا شر انسانوں کے لیے خیر بن جائے۔ جیسے کوئی آدمی سنکھیا کھا کر مر جائے تو دوسروں کو سبق مل جاتا ہے کہ بھئی! ہم سنکھیا نہ کھائیں گے۔ حالاں کہ کھایا اس نے، مرا وہ، لیکن جب وہ سنکھیا سے مر گیا تو سبق ملا کہ سنکھیا کھانا اچھا نہیں ہے، بُرا ہے، اسی طرح شیطان خود تو مردود ہوا لیکن اس سے انسانوں کو دوسبق مل گئے: ایک تو عبادت کرنے والوں کو سبق ملا کہ شیطان بہ زبانِ حال کہہ رہا ہے کہ دیکھو! عبادت کا نشہ اگر تمہیں آ گیا تو مجھ سے زیادہ عبادت تمہاری نہیں ہو سکتی۔

شیطان نے لاکھوں سال عبادت کی ہے۔ ہزاروں سال تو آپ سنتے ہی رہتے ہیں ؎

ہزاروں سال گر سجدے میں سر مارا تو کیا مارا

لیکن لاکھوں کا لفظ مولانا کے منہ سے نکلا ہے کہ اے عبادت کرنے والو! اشراق، اوّابین اور تہجد پڑھ کر اور زیادہ تسبیح پڑھ کر اپنے کو بڑا نہ سمجھ لینا۔ میں نے بڑی عبادت کی تھی لیکن تکبر کے نشہ سے مردود ہوا ہوں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے سب کو سکھا دیا کہ پڑھو: اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پناہ مانگتا ہوں میں اللہ کی شیطان مردود سے۔ تو شیطان کا مردود ہونا ایک سبق تو عابدوں اور صوفیوں کو دے گیا، جو بڑی ضربیں لگاتے ہیں کہ اے عابدو! میں نے بڑی عبادت کی ہے لیکن مجھے مربّی و مزکّی اور شیخ نہیں ملا اس لیے میں مردود ہو چکا ہوں۔ اور اے مولویو! تمہارے علم سے میرا علم زیادہ تھا لیکن میرے سر پر مربّی نہیں تھا اس لیے میں مردود ہو گیا ہوں۔ فرمایا کہ عابدوں کو بھی سبق دے دیا، اور مولویوں کو بھی سبق دے دیا۔ مولانا مسیح اللہ خان صاحب جلال آبادی نے یہ دو جملے فرمائے کہ شیطان عالم بھی تھا، عابد بھی تھا، اس کا علم بہت زیادہ تھا۔ ہم لوگوں کو تو اپنے ایک نبی ہی کا علم پورا حاصل نہیں ہے۔ اور اس کو تو تمام نبیوں کی شریعت کا علم ہے۔ پرانا پاپی ہے۔ بابا آدم سے لے کر آج بھی موجود ہے، اور قیامت تک کی چھٹی لی ہوئی ہے۔ اس کو تو تمام نبیوں کی کلیّات اور جزئیات سب زبانی یاد ہیں۔ لیکن اس کے باوجود مربّی و مزکّی نہ ہونے سے ''اَنَا'' نہیں گئی۔ تو فرمایا: نفس مٹتا ہے کسی شیخِ کامل کی صحبت سے، ورنہ عبادت سے اور نشہ آتا ہے۔ اور فرمایا کہ شراب کا نشہ تو حرام ہے ہی، لیکن تکبر کا نشہ اس سے زیادہ حرام ہے۔ کیوں کہ شراب کا نشہ چُھوٹ جاتا ہے۔ اس کو بُرا کہنے والے بہت لوگ ہوتے ہیں کہ بھئی! کیا کر رہے ہو؟ خاندان کی عزت ڈبو رہے ہو، مگر کبر پر کوئی طعن و تشنیع کرنے والا نہیں ہوتا۔ اندر ہی اندر اس کے کبر کا نشہ اسے مست رکھتا ہے، ہر بات میں وہ اپنے لیے دلیل گھڑ لیتا ہے۔ قرآن و حدیث کے رنگ میں اپنے کبر کو فِٹ کر لیتا ہے کہ یہ غیرتِ دینی ہے اس لیے مجھے غصہ آ رہا ہے۔ ہر چیز پر اس کو آیت نظر، یاد آتی ہے، اپنی ہر نالائقی پر قرآن و حدیث سے دلیلیں لے کر آتا ہے۔ (صحبت صادقین، ص/76)

اصلاحِ نفس فرض ہے

حضرت مولانا شاہ ابرار الحق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں کا کسی بزرگ سے تعلق نہیں ہے اور پیر بناتے ہوئے شرم آتی ہے ان کو چاہیے کہ وہ کسی کو اپنا مشیر بنالیں۔ دین کے معاملے میں کسی بزرگ سے مشورہ کر کے عمل کرتے رہیں۔نفس کی اصلاح کے بارے میں مشورہ لیتے رہیں اور عمل کریں۔اصلاح کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ بیعت ہونا بھی کوئی ضروری نہیں۔

حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کیمل پوری شیخ الحدیث تھے۔مرید نہیں ہوئے تھے۔ حضرت حکیم الامت مجدد الملت اشرف علی تھانوی سے اصلاح کا تعلق قائم کیا، اور ایک مدت بعد جب حضرت شیخ تھانوی نے دیکھا کہ قلب مجلّٰی ہوگیا۔نفس کی اصلاح ہوگئی۔خلافت عطا فرمادی۔ مولانا کیمل پوری نے عرض کیا حضرت! میں تو آپ کا مرید بھی نہیں ہوں اور آپ مجھے خلافت عطا فرمارہے ہیں۔فرمایا کہ اصلاحِ نفس تو فرض ہے اور بیعت سنت ہے۔آپ نے تو فرض کام کیا ہے۔لاؤ اب بیعت بھی کر لیتے ہیں۔تو مریدی بعد میں ہوئی اور خلافت پہلے ملی۔معلوم ہوا کہ اصلاحِ نفس فرض ہے جیسے نماز فرض ہے، روزہ فرض ہے، زکوٰۃ فرض ہے۔اور ظاہر ہے کہ فرض کی اہمیت سنت سے زیادہ ہوتی ہے۔

صحبتِ اہل اللہ سے قوتِ عمل کا حصول

حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے جب پوچھا گیا کہ حضرت! آپ تو بہت بڑے عالم ہیں۔آپ تو بخاری پڑھاتے ہیں، آپ کیوں گئے تھے حاجی امداد اللہ صاحب کے پاس؟ فرمایا: حاجی صاحب کے پاس میں مسئلہ پوچھنے نہیں گیا تھا، بلکہ مسئلہ پر عمل کرنے میں جہاں جہاں نفس غفلت اور سستی کرتا تھا اور جہاں نفس ہم پر غالب آجاتا تھا حاجی صاحب کی برکت

سے نفس کو مغلوب کرنے گئے تھے۔ ہم قوتِ عمل لینے کے لیے حاجی صاحب کے پاس گئے تھے، علم لینے نہیں گئے تھے۔ (تذکرہ گنگوہیؒ)

نفس پر غلبہ پانے کے لیے صرف علم کافی نہیں

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چاہے کتنے ہی بڑے مولانا بن جاؤ، اے دنیا والو! نفس سے مغلوب رہو گے جب تک کسی اللہ والے کی صحبت نہیں اٹھاؤ گے ؎

یارِ مغلوباں مشو ہیں اے غوی

یارِ غالب جو کہ تا غالب شوی

فرماتے ہیں: کسی اللہ والے کی صحبت اٹھاؤ، جو اپنے نفس پر غالب ہو چکا ہے۔ اس کی برکت سے تم بھی اپنے نفس پر غالب ہو جاؤ گے اور علم پر عمل کی قوت عطا ہو جائے گی۔ اور اگر ایسے لوگوں کی صحبت میں رہو گے جو اپنے نفس سے مغلوب ہیں تو تم بھی ہمیشہ اپنی خواہشاتِ نفسانیہ کے غلام رہو گے۔ کیوں کہ جو شخص خود غلام ہے وہ دوسرے کو کیسے آزادی دلا سکتا ہے؟ ایک قیدی دوسرے قیدی کو رہائی نہیں دلا سکتا۔ جو قیدی قید خانہ سے چھوٹ چکا ہے وہ باہر سے آ کر ضمانت لے گا اور وہی رہائی دلا سکتا ہے۔ اس سے مراد اللہ والے ہیں جو اپنے نفس کی قید سے آزاد ہو چکے۔

تو ہمارے بزرگ حضرت مولانا محمد احمد صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) علماء کو ایسے اللہ والوں سے تعلق پیدا کرنے کی ترغیب اپنے اس شعر میں دیتے ہیں ؎

نہ جانے کیا سے کیا ہو جائے میں کچھ کہہ نہیں سکتا

جو دستارِ فضیلت گم ہو دستارِ محبت میں

دستارِ فضیلت پر جو علماء کو ناز ہے اگر ان کی یہ دستارِ فضیلت کسی اللہ والے کی دستارِ محبت میں گم ہو جائے یعنی اگر یہ کسی اللہ والے کی جوتیاں کچھ دن اُٹھا لیں تو نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچ جائیں۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دو عالم میرے پاس لاؤ۔ ایک وہ جو اللہ والوں کی جوتیاں اٹھائے ہوئے ہے، ان کا تربیت یافتہ ہے، اور دوسرا وہ عالم جس نے اہل اللہ کی صحبت نہیں اٹھائی اور مجھے مت بتانا کہ کون سا عالم صحبت یافتہ ہے اور کون سا نہیں۔ میں پانچ منٹ میں بتادوں گا کہ یہ صحبت یافتہ ہے اور یہ نہیں ہے۔ (صحبت صالحین، ص/ 77)

شیخِ کامل سے نفعِ کامل حاصل کرنے کی شرائط

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیخ کے چار حق ہیں۔ جب تک ان کو ادا نہ کروگے فیض یاب نہ ہوسکو گے اور نفعِ کامل نہیں ہوگا۔ جن کو خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس شعر میں بیان کردیا ؎

شیخ کے ہیں چار حق رکھ ان کو یاد

اطلاع و اتّباع و اعتقاد و انقیاد

یہ چار حق جس نے ادا کر لیے ان شاء اللہ! کامل ہوجائے گا یعنی شیخ سے اطلاعِ حالات بذریعۂ مکاتبت (خط و کتابت) اور اگر موقع ملے تو کبھی کبھی اس کی خدمت میں حاضری۔

کسی صاحبِ نسبت سے استفادہ کے لیے پہلی شرط

حضرت حکیم الامت فرماتے ہیں کہ کسی صاحبِ نسبت سے استفادہ کے لیے شرط یہ ہے کہ اس سے مناسبت بھی ہو۔ اگر مناسبت نہ ہوگی تو نفع نہ ہوگا۔ نفع کا مدار مناسبت پر ہے اور اصلاح کے لیے اس کو شیخ بنانا یعنی بیعت ہونا بھی ضروری نہیں، صرف اصلاحی تعلق بھی کافی ہے۔ کیوں کہ بیعت ہونا تو فرض نہیں لیکن اصلاحِ نفس فرض ہے۔ اور اس کے لیے اصلاحی مکاتبت اور زندگی میں ایک بار چالیس دن مسلسل اپنے مصلح کے پاس رہنے کی بزرگوں نے ہدایت فرمائی ہے۔ اور اس

میں جو کچھ بھی خرچ ہوگا وہ اللہ کے راستے میں شمار ہوگا ان شاء اللہ تعالیٰ! اگر زمین وآسمان کے سارے خزانے دے کر اللہ مل جائیں تو بھی یہ سستا سودا ہے۔خواجہ صاحب فرماتے ہیں ؎

دونوں عالم دے چکا ہوں مے کشو

یہ گراں مے تم سے کیا لی جائے گی

کتاب اللہ کو سمجھنے کے لیے رجال اللہ کی ضرورت

لوگ کہتے ہیں کہ بس بخاری شریف پڑھنے سے اصلاح ہوجائے گی۔ ارے میاں! اگر صرف تلاوتِ قرآن سے اصلاح ہوجاتی تو نبیوں کو اللہ تعالیٰ نے کیوں پیدا کیا؟ اور تزکیہ کی نسبت نبی کی طرف کیوں کی گئی؟

وَيُزَكِّيهِمْ کہ ہمارے نبی تمہاری اصلاح کریں گے۔اصلاح کی نسبت نبی کی طرف ہے، اور پھر نائبینِ انبیاء کی طرف ہے۔آدمی آدمی بناتا ہے۔کتاب خود سمجھ میں نہیں آسکتی۔ کتابُ اللہ کے لیے رجالُ اللہ پیدا کیے جاتے ہیں۔ دیکھیے! سورۂ فاتحہ کی تفسیر ''معارف القرآن'' میں مفتی محمد شفیع صاحب نے لکھا ہے کہ کتاب اللہ کو سمجھنے کے لیے رجال اللہ کی ضرورت ہے۔اور کتاب پر عمل کرنے کے لیے ہمت کا پیٹرول بھی ان ہی مردانِ خدا کے سینوں سے عطا ہوتا ہے۔ اگر نبی وقت زندہ ہے تو نبی کے سینے سے اور اگر نبی زندہ نہیں ہے دنیا سے تشریف لے گیا تو اس کے نائبین کے سینوں سے۔ اور جنہوں نے رجال اللہ کو چھوڑ کر کتاب اللہ کو سمجھنا چاہا وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔صِرَاطِ مُنْعَمْ عَلَيْهِمْ کو چھوڑ کر دین نہیں مل سکتا۔

مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی فرمایا تھا کہ ہم حاجی امداد اللہ صاحب سے جو مرید ہوئے ہیں تو ہم نے ان سے مسئلہ پوچھنے کے لیے مریدی نہیں کی۔ مسئلہ تو حاجی صاحب ہم سے پوچھیں

گے۔لیکن ہم نے جو کچھ پڑھا ہے اس پر عمل کرنے کے لیے توفیق اور ہمت کا پیٹرول حاجی صاحب سے ہم لینے گئے تھے۔

دیکھیے! اتنے بڑے بڑے علماء بھی اہل اللہ سے بے نیاز اور مستغنی نہیں ہوئے۔بس سبق لینے کی بات ہے۔تو میرے دوستو! اصلاح کے لیے کسی مصلح سے تعلق ضروری ہے۔لیکن اللہ والوں کی دوستی ان کے پاس اُٹھنا بیٹھنا اور ان کی صحبت میں رہنا ہی کافی نہیں، ان کو اپنے حالات بتانا پھر ان کے مشوروں کی اتباع بھی ضروری ہے۔صحبت کے حقوق بھی تو ہوتے ہیں۔یہ نہیں کہ ان کی مرغ کی دعوت کر دی یا چائے پلا دی اور اصلی مکھن کھلا دیا اور سمجھے کہ ان کی صحبت کا حق ادا ہو گیا۔

صحبتِ اہل اللہ کے حقوق میں ہے کہ اپنے حالات ان سے بیان کیے جائیں۔پھر ان کے مشوروں پر عمل کیا جائے۔اطلاع اور اتباع ہو اخلاص کے ساتھ۔(شیخ کامل کی پہچان، ص/87)

انوارِ یقین اہل اللہ کے قلوب سے ملتے ہیں

ایک شخص نے حضرت حکیم اختر صاحبؒ کو لکھا کہ حضرت! کیا شیخ سے صرف خط وکتابت سے ہم ولی اللہ نہیں ہو سکتے؟ فرمایا کہ اگر بیوی لاہور میں اور شوہر کراچی میں ہے اور دونوں عمر بھر خط وکتابت کرتے رہیں تو کیا بچہ پیدا ہوگا؟ اصل میں شیخ کی خدمت میں جسم کے ساتھ حاضر رہنے سے شیخ کے قلب سے مرید کے قلب میں انوارِ یقین وانوارِ نسبت منتقل ہوتے رہتے ہیں۔کتابوں سے ہمیں شریعت کے کمیات ملتے ہیں یعنی مقادیرِ احکامِ شرعیہ کہ مغرب کی تین رکعات ہیں، عشاء کی چار، فجر کی دو ہیں وغیرہ، لیکن کس کیفیت سے ہم نماز پڑھیں؟ کس درد سے سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کہیں؟ کس کیفیتِ ایمانی سے اللہ کا نام لیں؟ یہ کیفیات ملتی ہیں اللہ والوں کے سینوں سے۔

کمیّاتِ احکامِ شرعیہ کے ملتے ہیں کتابوں سے اور کیفیاتِ ایمانیہ ملتی ہیں اہل اللہ کے سینوں سے۔ ان کے دل کا نورِ یقین ان کے پاس بیٹھنے والوں کے دلوں میں منتقل ہوجاتا ہے۔اسی لیے حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اے علمائے دین! میرے علم میں جو برکت آپ دیکھ رہے ہیں یہ خالی کتب بینی سے نہیں حاصل ہوئی، بلکہ قطب بینی سے حاصل ہوئی ہے۔ میں نے کتب بینی کے ساتھ قطب بینی بھی کی ہے۔ میں نے شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کی ،مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کی ،مولانا یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کی۔ یہ حضرات اپنے وقت کے قطب تھے۔

اگر آج بھی وہ علمائے دین جن کا تعلق کسی سے نہ ہو اگر کسی اللہ والے سے جس سے مناسبت ہو تعلق قائم کرلیں تو زندگی کا مزہ آجائے۔(دل کی صفائی،ص/44)

اہل اللہ اسرافیلِ وقت ہیں

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ وقت کے اسرافیل ہیں۔جیسے اسرافیل علیہ السلام جب صور پھونکیں گے تو مردے زندہ ہوجائیں گے۔اولیاء اللہ کی صحبت سے مردہ دل زندہ ہوجاتے ہیں۔

ہیں کہ اسرافیلِ وقت اند اولیاء
مردہ را زیں شاں حیات ست ونما

مُردوں کو جیسے اسرافیل علیہ السلام سے حیات ملے گی،مردے زندہ ہوجائیں گے۔اسی طرح اولیاء اللہ کی صحبت سے بھی مردے زندہ ہوجاتے ہیں یعنی غافل اللہ والا بن جاتا ہے۔

صحبتِ شیخ میں رہنے کی مدت

سب سے پہلے تو کسی مربیّ اور شیخِ کامل سے تعلق کامل ہونا چاہیے اور اس کی صحبت میں اس طرح رہے کہ کچھ دن تسلسل کے ساتھ اس کے ساتھ رہ لے۔ حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جیسے انڈا مسلسل اکیس دن جب مرغی کے پروں میں رہتا ہے تب اس میں جان آتی ہے۔ اگر کچھ دن مرغی کے پروں میں انڈا رکھ دو پھر یا مرغی کو بھگا دو یا انڈا اٹھا لو تو انڈے میں بچہ پیدا نہیں ہوگا۔ جس طرح انڈے میں جسمانی حیات کے لیے ایک مدت تک مرغی کے پروں میں رہنا ضروری ہے، یہاں تک کہ مردہ زردی حیات پا کر بچہ بن جائے اور پھر وہ چونچ سے چھلکے کی سیل توڑ کر باہر آجاتا ہے۔ حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسی طرح کم سے کم چالیس دن مسلسل کسی اللہ والے کی صحبت میں رہ لو مگر اس طرح کہ خانقاہ کی حدود سے پان کھانے کے لیے بھی نہ نکلو۔ چالیس دن بالکل اپنے کو خانقاہ میں محصور کر لو۔ تو اللہ تعالیٰ پھر ایک روحانی حیات عطا فرماتے ہیں جس کو ''نسبت'' کہتے ہیں۔ یہ بات چاہے ابھی سمجھ میں نہ آئے لیکن کر کے دیکھیے۔ جیسے زردی سے کہو کچھ دن مرغی کے پروں کی گرمی لے لو تو بچہ پیدا ہوجائے گا تو اس زردی میں اتنی بھی صلاحیت نہیں کہ سن سکے۔ اسے تو کوئی بس مرغی کے پروں میں رکھ دے یہاں تک کہ اکیس دن بعد بچہ انڈے کے چھلکوں کو توڑ کر بزبانِ حال یہ شعر پڑھتا ہوا نکلتا ہے ؎

کھینچی جو ایک آہ تو زنداں نہیں رہا

مارا جو ایک ہاتھ تو گریباں نہیں رہا

اللہ والوں کے صدقہ میں اللہ تعالیٰ ایسی روحانی حیات دیتا ہے کہ سالک غفلت کے تمام تعلقات کو خود بخود توڑ دیتا ہے۔ (صحبت اہل اللہ کی اہمیت اور اس کے فوائد، ص/ 71)

اہل اللہ سے محبت اللہ سے محبت کی دلیل ہے

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں (جس کو میرے مرشدِ اوّل شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بہت نقل کیا کرتے تھے) کہ جب سے مجھے یہ خبر ملی کہ جنت میں دوستوں کی ملاقات ہوگی مجھے جنت کا شوق بڑھ گیا اور کیوں نہ ہو؟ دوستوں کی ملاقات کو اللہ تعالیٰ نے بھی جنت سے مقدم بیان فرمایا ہے۔ دیکھیے! قرآنِ پاک سے استدلال ہے۔

میرے شیخ اس کو بیان کرکے بہت مست ہوجاتے تھے کہ جو لوگ اہل اللہ کی ملاقات کے حریص اور مشتاق ہوتے ہیں، حقیقت میں وہ اللہ تعالیٰ کے صحیح عاشق ہیں۔ اگر کوئی کباب والے سے عشق کرتا ہے تو معلوم ہوا کہ وہ عاشقِ کباب بھی ہے۔ اگر کسی کو شامی کباب سے دلچسپی ہے تو جب گلی میں یا بازار میں آواز آئی کباب والا! تو اس کے کان کھڑے ہوجاتے ہیں یا نہیں؟ اور وہ کیا کہتا ہے ؎

از کجا می آید ایں آوازِ دوست

ارے! یہ میرے دوست کی آواز کہاں سے آرہی ہے؟ کباب دوست ہے اس کا۔ اسی طرح جو اللہ کا عاشق ہوتا ہے اس کو اللہ والوں سے عشق و محبت لازمی ہے۔

جنت پر اہل اللہ کی فضیلت کی دلیلِ منقول

حضرت مولانا حکیم اختر صاحبؒ نے فرمایا: میرے شیخ شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جب جنت میں داخلہ ملے گا تو اللہ تعالیٰ کا سب سے پہلے یہ حکم ہوگا کہ میرے خاص بندوں سے ملو۔ میرے عاشقوں سے ملو۔ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ میرے خاص بندوں سے ملاقات کرو۔ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ اور جنت کا درجہ بعد میں ہے۔ پہلے اہل اللہ کا درجہ ہے۔ پہلے اللہ والوں سے ملو جو میرے خاص بندے ہیں۔

وسیلہ کا مدلل ثبوت

حکیم اختر صاحبؒ نے فرمایا: ایک مرتبہ میرے شیخ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں مولانا یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ تشریف فرما تھے، میں بھی موجود تھا کہ ایک شخص نے پوچھا کہ وسیلہ پکڑنا کہاں سے جائز ہے؟ آپ لوگ جو شجرہ پڑھتے ہیں اور بزرگوں کا وسیلہ پکڑتے ہیں یہ کہاں سے جائز ہے؟ میرے شیخ نے فرمایا کہ ہمارے بڑے مولانا یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ موجود ہیں، یہ اس کا جواب دیں گے۔ مولانا یوسف بنوری نے فرمایا کہ میں وہ جواب دیتا ہوں جو علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے دیا تھا کہ حدیث میں ہے کہ تین آدمی غار کے منہ پر چٹان گرنے کی وجہ سے پھنس گئے، تینوں نے اپنے اپنے عمل کا واسطہ دیا، ایک کے عملِ مقبول کی برکت سے پہلے تہائی چٹان ہٹی پھر دوسرے کے عملِ مقبول کی برکت سے تہائی چٹان ہٹی اور پھر تیسرے کے عملِ مقبول کی برکت سے پوری چٹان ہٹ گئی۔ تو جب قالب کے عمل کا واسطہ دینا جائز ہے تو اللہ والوں سے محبت کرنا تو قلب کا عمل ہے اور قلب قالب سے اعلیٰ ہوتا ہے پھر اس کا وسیلہ دینا یعنی اللہ والوں سے اپنی قلبی محبت کا وسیلہ دینا کیسے جائز نہیں ہوگا؟ جب قالب کا عمل وسیلہ بن سکتا ہے تو قلب کا عمل کیوں وسیلہ نہیں بن سکتا؟ اس پر میں عرض کرتا ہوں کہ یہی وجہ ہے کہ نظر کی حفاظت پر حلاوتِ ایمانی کا وعدہ ہے، کیوں کہ نظر بچانے پر دل تکلیف اُٹھاتا ہے، دل مزدور بن جاتا ہے اور دل بادشاہ ہے، تو جب بادشاہ مزدوری کرتا ہے تو اس کی مزدوری کی قیمت بھی عام مزدور سے زیادہ ہوتی ہے۔ (طریق الی اللہ، ص/26)

اصلاح کا آسان نسخہ

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

دو رکعت نفل نماز توبہ کی نیت سے پڑھ کر یہ دعا مانگو کہ اے اللہ! میں آپ کا سخت نافرمان بندہ ہوں۔ میں فرماں برداری کا ارادہ کرتا ہوں مگر میرے ارادے سے کچھ نہیں ہوتا اور آپ کے ارادے سے سب کچھ ہوسکتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ میری اصلاح ہو مگر ہمت نہیں ہوتی۔ آپ ہی کے اختیار میں ہے میری اصلاح۔ اے اللہ! میں سخت نالائق ہوں، سخت خبیث ہوں، سخت گناہ گار ہوں، میں تو عاجز ہو رہا ہوں، آپ ہی میری مدد فرمایئے۔ میرا قلب ضعیف ہے۔ گناہوں سے بچنے کی قوت نہیں ہے، آپ ہی قوت دیجیے۔ میرے پاس کوئی سامانِ نجات نہیں، آپ ہی غیب سے میری نجات کا سامان پیدا کر دیجیے۔ اے اللہ! جو گناہ میں نے اب تک کیے ہیں، انہیں آپ اپنی رحمت سے معاف فرمایئے۔ گو میں یہ نہیں کہتا کہ آیندہ ان گناہوں کو نہ کروں گا، میں جانتا ہوں کہ آیندہ پھر کروں گا، لیکن پھر معاف کرا لوں گا۔

غرض اسی طرح سے روزانہ اپنے گناہوں کی معافی اور عجز کا اقرار، اپنی اصلاح کی دعا اور اپنی نالائقی کو خوب اپنی زبان سے کہہ لیا کرو۔ صرف دس منٹ روزانہ یہ کام کر لیا کرو۔ لو بھائی دوا بھی مت پیو۔ بد پرہیزی بھی مت چھوڑو۔ صرف اس تھوڑے سے نمک کا استعمال سوتے وقت کر لیا کرو۔ آپ دیکھیں گے کہ کچھ دن بعد غیب سے ایسا ہو جائے گا کہ ہمت بھی قوی ہو جائے گی، شان میں بٹہ بھی نہ لگے گا اور دشواریاں بھی پیش نہ آئیں گی۔ غرض غیب سے ایسا سامان ہو جائے گا کہ جو آپ کے ذہن میں بھی نہیں ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی دعا ومناجات

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ بچپن سے ہی عبادت و ریاضت میں دلچسپی تھی، ان کے والد ماجد نے ہدایت کی تھی۔

ملائے خشک و ناہموار نہ باشی

چنانچہ عمر بھر ان کے ایک ہاتھ میں جام شریعت رہا، دوسرے میں سندان عشق، عشق الٰہی کی

لگن تو ان کا خاندانی ورثہ تھی، شیخ سیف الدین نے ان میں عشق حقیقی کے وہ جذبات پھونک دئے تھے جو آخر عمر تک ان کے قلب وجگر کو گرماتے رہے۔

ابتدائی زمانہ میں ان کا معمول تھا کہ وہ رات میں بیدار ہو کر عبادت میں مشغول ہو جاتے تھے، لکھتے ہیں۔

''وباوجود شوق وشغف تحصیل وتکرار علم در کثرت صلوٰۃ واوراد وشب خیزی ومناجات ہمدراں طفولیت بوجودمی آمد'' یعنی تحصیل علم میں اس قدر انہماک اور مشغولیت کے باوجود اس زمانۂ طفلی میں نماز، اوراد، اور شب خیزی ومناجات کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا۔

اس زمانے میں جس ذوق وشوق کے ساتھ وہ دعائیں مانگا کرتے تھے۔ اس کے تصور سے پیرانہ سالی میں اس کے گام ودھن لطف اندوز ہوتے تھے، فرماتے ہیں۔ ہنوز ذوق آں اسحار واوقات در کام وقت پیدا است۔ (اقوال سلف ج ۳ ص ۹۹)

حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی دعا ومناجات

حضرت اقدس تھانویؒ فرماتے ہیں کہ کبھی کبھی حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ عشاء کے بعد سجدہ میں تمام رات یہ شعر پڑھتے تھے اور رویا کرتے تھے۔

اے خدا ایں بندہ را رسوا مکن
گر بدم من سر من پیدا مکن

ترجمہ: اے خدا اس بندہ کو رسوا نہ فرما، اگرچہ میں سراپا برا ہوں لیکن آپ میرا عیب مخلوق پر ظاہر نہ فرمائیے۔

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ حضرت حاجی صاحب اس طرح روتے تھے کہ سننے والوں کا کلیجہ پھٹتا تھا، اتنا رونے کے باوجود اس رونے کو کم سمجھتے تھے اور یہ شعر پڑھتے تھے۔

روتی ہے خلق میری خرابی کو دیکھ کر
روتا ہوں میں کہ ہائے میری چشم تر نہیں　　(کشکول معرفت ۰۸۴)

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی دعا و مناجات

حضرت گنگوہیؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ جس وقت اخیر شب میں تحریمہ باندھ کر اپنے خدا کے سامنے کھڑے ہوتے اور دست بستہ عرض معروض شروع فرماتے تو آپ پر وہ حالت نمایاں ہوتی تھی جو شہنشاہ کے حضور میں حاضر ہوتے وقت غلام پر ہوتی ہے، بسا اوقات آپ پر گریہ طاری ہوجاتا آواز بھرّا جاتی، ہچکی بندھ جاتی، آنکھوں سے آنسوؤں کے تار موتیوں کی لڑیاں بن کر بہتے اور سارے بدن پر ایک رعشہ پیدا ہوجاتا تھا، شہنشاہی فرمان یعنی مقدس قرآن کی آیات آپ پڑھتے اور تغیر حال کے سبب رک جاتے تھے، پھر شروع فرماتے اور پھر ٹھہر جاتے تھے کبھی کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک آیت شریفہ پر آپ نے صبح کردی کہ اس کو بار بار دہراتے اور اعادہ فرماتے تھے۔ (تذکرۃ الرشید)

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کی دعا و مناجات

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحبؒ آپ بیتی میں تحریر فرماتے ہیں ”میں نے اپنے اکابر میں اپنے والد صاحب اور حضرت مدنی قدس سرہٗ کو اخیر شب میں بہت ہی آواز سے روتے سنا، بسا اوقات ان اکابر کے رونے سے مجھ جیسے کی آنکھ بھی کھل جاتی جس کی آنکھ سونے کے بعد بڑی مشکل سے کھلتی ہے۔

حضرت مدنیؒ ہندی کے دوہے درد سے پڑھا کرتے تھے میں ہندی سے واقف نہیں، اس لئے مضامین کا تو پتہ نہیں چلتا تھا، لیکن رونے کا منظر اب تک کانوں اور دل میں ہے جیسے کوئی بچہ کو پیٹ رہا ہو اور وہ رو رہا ہو۔ (آپ بیتی)

حضرت اپنی مناجات میں یہ شعر بہت رو رو کر پڑھا کرتے تھے ؎

نہ کالی کو دیکھے نہ گوری کو دیکھے

پیا جس کو چاہے سہاگن وہی ہے

حضرت شاہ عبدالغنی پھولپوریؒ کی دعا و مناجات

حضرت شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوریؒ تہجد کی نماز میں ہر دو رکعت کے بعد استغفار میں دیر تک رویا کرتے تھے اور اپنی مجلس میں جب اللہ تعالیٰ کی کوئی بات شروع کرتے تو اللہ کا نام لیتے ہی آنسو نکل کر چہرۂ مبارک پر ٹھہرے رہتے تھے، پھر حضرت دونوں ہاتھوں سے ان آنسوؤں کو چہرے اور ڈاڑھی پر مل لیتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں نے اپنے شیخ حکیم الامت نور اللہ مرقدہٗ کو اسی طرح عمل کرتے دیکھا ہے۔ (کشکول معرفت ص ۵۷۴)

حضرت شاہ ولی اللہ محدثِ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ

ایک مرتبہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کھانا کھا رہے تھے، اُن کے ساتھ ایک شخص بھی بیٹھا ہوا تھا۔ اچانک اُس شخص کے ہاتھ سے لقمہ چھوٹ کر کافی دور چلا گیا، حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ بڑے اللہ والے اور صاحبِ کشف تھے۔ دوسرے دن حضرت ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے، وہاں ایک جِن سے ملاقات ہوئی۔ کہنے لگا کہ آپ نے کل کا تماشہ دیکھا تھا۔ فرمایا کہ ہاں! دیکھا تو تھا۔ جِن کہنے لگا کہ ہم نے اُس کا کھانا چھیننے کی کوشش کی تھی مگر اُس نے بسم اللہ پڑھ لی تھی اس لیے وہ کھانا ہمارے ہاتھ سے چھوٹ کر نکل گیا۔

بسم اللہ نہ پڑھنے سے شیطان کی شرکت

اسی طرح ایک دیہاتی صحابی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بسم اللہ کے بغیر کھانا شروع

کر دیا، وہ کھاتے رہے، حتیٰ کہ اخیر لقمہ کو بھی کھانے کے لئے اٹھایا اور کھانا چاہا، لیکن اس وقت بسم اللہ یاد آ گئی تو ہاتھ روک کر بسم اللہ پڑھی اور کھانا کھایا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو دیکھ کر تبسم فرمائے، صحابہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ آپ نے تبسم فرمایا لیکن ہمیں یہاں کوئی ایسی بات محسوس نہیں ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب بسم اللہ کے بغیر ان صاحب نے کھانا شروع کیا تو شیطان بھی اس میں شریک ہو گیا حتیٰ کہ اخیر لقمہ تک اس نے ساتھ کھایا، لیکن جب انہوں نے بسم اللہ پڑھی تو جتنا کھانا اس نے کھایا تھا بسم اللہ کہنے سے سارے کھانے کی قئے کر دی۔ (سنن ابی داؤد: کتاب الاطعمہ: باب التسمیۃ علی الطعا)

اب آپ اندازہ لگائیے کہ بسم اللہ میں کتنی برکت ہے؟ اس کے اندر کتنی روحانیت اور معنویت ہے؟ لہٰذا ہر آدمی بسم اللہ کی عادت بنا لے، یہ اللہ کے نام کی برکت حاصل کرنے کا ذریعہ بھی ہے، یہ دعا بھی ہے، یہ دوا بھی ہے بلکہ یہ سب کچھ ہے۔ اس لئے حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُمت کے بڑے کو، چھوٹے کو، عالم کو، جاہل کو، مرد کو، عورت کو، بڑے سے بڑے عارفِ کامل کو، چھوٹے سے چھوٹے مبتدی کو یہی تعلیم دی ہے کہ ہر کام سے پہلے بسم اللہ پڑھنی ہے۔

بسم اللہ کے چھوڑ دینے کا نقصان

ایک طرف تو بسم اللہ کے یہ فضائل ہیں اور دوسری طرف بسم اللہ نہ پڑھنے پر کاموں کے نا تمام اور ناقص ہونے سے متعلق روایتیں بھی مروی ہیں، ایک روایت میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو آدمی کام کی ابتداء بسم اللہ سے نہ کرے تو وہ نا تمام اور ناقص ہوتا ہے۔

كُلُّ أَمْرٍ ذِىْ بَالٍ لَا يُبْدَأُ فِيْهِ بِبِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ فهو أَقْطَعُ۔ (جامع الاحادیث: ۱۵۵۸۴)

ہر ذی اہتمام امر جس کو بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع نہ کیا جائے تو نا تمام ہوتا ہے۔

ایک اور روایت میں ہے:

كُلُّ كَلَامٍ لَا يُبْدَأُ فِيْ أَوَّلِهِ بِذِكْرِ اللهِ فَهُوَ أَبْتَرُ۔ (السنن الکبری للنسائی: ۱۰۳۳۱)

ہر وہ کلام جس کی ابتداء اللہ کے ذکر سے نہ کی جائے تو وہ ناقص اور ادھورا ہوتا ہے۔

اس مضمون کی اور بھی روایتیں مروی ہیں، جن کے الفاظ مختلف ہیں، لیکن سب کا حاصل یہی ہے کہ کسی بھی کام کی ابتداء اللہ کے نام سے ہونی چاہئے۔

حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ کا ارشاد

بے عنایاتِ حق و خاصانِ حق
گر ملک باشد سیہ ہستش ورق

حق تعالیٰ کی عنایات کے بغیر اگر کوئی فرشتہ بھی ہو جاوے اس کا نامۂ اعمال سیاہ ہے۔

بے عنایاتِ حق پر خاصانِ حق کی عنایات کا عطف، عطف تفسیری اور عطف بیانی ہے۔ مولانا نے عنایاتِ حق جو عالمِ غیب سے متعلق غیر محسوس اور غیر مبصر نظری ہے اس پر خاصانِ حق کو عطف فرما کر اس نظری کو بدیہی اور مبصر بنا دیا۔ کیا علوم ہیں! عالمِ غیب کو مولانا نے عالمِ شہادت بنا دیا۔ یعنی جس بندے پر دیکھو کہ اہل اللہ کی عنایاتِ خاصّہ ہیں تو سمجھ لو کہ اس پر عنایاتِ حق مبذول ہیں۔ اور اگر روئے زمین کے تمام اہل اللہ کسی مرد کو مردود کر دیں تو سمجھ لو کہ یہ شخص خطرے میں ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

شیخ فرماتے ہیں کہ ہمارے والد ماجد نے ہم کو تحریر فرمایا کہ مُلّائے خشک و ناہموار نہ باشی۔ اے بیٹے! خشک مُلّا اور بدون تربیت نہ رہنا۔ شیخ نے اس نصیحت کے بعد باضابطہ تعلق مرشد سے قائم کر کے اپنی تربیت و اصلاح کا اہتمام فرمایا۔

حضرت مُلّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

محدثِ عظیم شارح مشکوٰۃ فرماتے ہیں کہ مرید اپنے شیخ کو کبھی حقارت کی نظر سے نہ دیکھے اگرچہ اپنی عبادت کی مقدار زیادہ پائے، اور جو اعتراض کرے گا اپنے شیخ پر کبھی فلاح نہ پائے گا۔

فِيهِ تَعْلِيمٌ لِّلْمُرِيدِ بِأَنْ لَّا يَنْظُرَ إِلَى الشَّيْخِ بِعَيْنِ الْاِحْتِقَارِ، وَإِنْ رَأٰى عِبَادَتَهٗ قَلِيلَةً فَلْيُظْهِرْ عُذْرَهٗ وَلْيَلُمْ نَفْسَهٗ إِنْ جَرٰى فِيهَا اِنْكَارٌ عَلٰى شَيْخِهٖ لِأَنَّ مَنِ اعْتَرَضَ عَلٰى شَيْخِهٖ لَمْ يُفْلِحْ اَبَدًا۔

شیخ ملّا علی قاری رحمۃ اللہ نے یہ تشریح حدیث ''كَأَنَّهُمْ تَقَالُّوهَا'' إِلٰى ''فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ۔ کے ذیل میں ارقام فرمائی ہے۔ عبارتِ مذکورہ سے اہل اللہ کی صحبت کے حقوق کا اہتمام ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا ہے۔

ارشادِ رومی رحمۃ اللہ علیہ ؎

خُم کہ از دریا درو راہے شود
پیشِ او جیحو نہا زانو زند

جس مٹکے کو سمندر سے تعلق خفیہ حاصل ہو اس کے سامنے بڑے بڑے دریا شاگرد ہو جاتے ہیں کیوں کہ اس مٹکے کا پانی خشک نہ ہوگا اور دریا خشک ہو سکتے ہیں۔

ارشادِ حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

اسی حقیقت کو حضرت حکیم الامت فرماتے ہیں کہ وہ عالم جو اہل اللہ کی صحبت میں تکمیلِ سلوک کر کے صاحبِ نسبت ہو جاتا ہے اور عالم ظاہر غیر صاحبِ نسبت کے علوم میں فرق کی ایسی مثال ہے جیسے ایک حوض کا پانی ہے جو خشک ہو جاتا ہے اور ایک اس چشمہ کا پانی جس کے اندر نیچے تک گہرا کھودا گیا اور سوتا نکل آیا تو اس کا پانی کبھی ختم نہ ہوگا۔ پس یہ دوسری مثال عالم صاحبِ نسبت کے علم کی مثال ہے اور اوّل مثال عالم ظاہر کے علم کی ہے ؎

قطرۂ علمے کہ دادی تو زپیش
متصل گرداں بدریاہائے خویش

یَا غِيَاثَ الْمُسْتَغِيثِيْنَ اهْدِنَا

لَا افْتِخَارَ بِالْعُلُوْمِ وَ الْغِنٰی

اے خدا! آپ نے جو علم کا قطرہ جلال الدین رومی کی جان میں عطا فرمایا ہے اس قطرۂ علم کو اپنے غیر محدود دریائے علم سے متصل فرما دیجیے۔ اے فریاد سننے والے فریاد کرنے والوں کی فریاد کے! مجھ کو ہدایت دیجیے اور ہدایت پر قائم بھی رکھیے۔ ہم کو اپنے علم پر کوئی بھی فخر نہیں اور نہ ہم علم کے سبب آپ کی عنایات سے مستغنی ہو سکتے ہیں۔

یعنی اگر آپ کا کرم شاملِ حال نہ ہو تو علم ہوتے ہوئے بے عملی میں اہلِ علم مبتلا ہو جاتا ہے۔

صحبتِ اہل اللہ سے متعلق حضرت تھانوی کے چند ارشادات

(از: ملفوظات کمالاتِ اشرفیہ)

فرمایا کہ محبتِ حق پیدا کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ محبت والوں کے پاس بیٹھنا شروع کر دے ؎

آہن کہ بپارس آشنا شد

فی الحال بصورت طلا شد

فرمایا کہ اصل چیز اصلاح کے لیے صحبت ہے اور ہمیشہ اہل اللہ نے صحبت ہی کا التزام رکھا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کو جو کچھ ملا صحبت ہی سے ملا۔

فرمایا کہ بزرگوں کی صحبت سے اگر اصلاح کامل نہ بھی ہو تو کم از کم اپنے عیوب پر نظر ہونے لگتی ہے، یہ بھی کافی ہے اور مفتاحِ طریق ہے۔

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب اور محب بننا چاہتے ہو تو اعمال میں ہمت کر کے شریعت کے پابند رہو، ظاہراً بھی باطناً بھی، اور اللہ اللہ کرو اور کبھی کبھی اللہ والوں کی صحبت میں جایا کرو اور ان کی غیر موجودگی میں جو کتابیں وہ بتائیں ان کو پڑھا کرو۔

فرمایا کہ اہل اللہ کے واقعات اس پر شاہد ہیں کہ ان حضرات نے اپنے کو جتنا مٹایا خدا تعالیٰ

نے ان کو اتنا ہی چمکا یا۔تواضع میں جذب وکشش کی خاصیت ہے۔متواضع کی طرف قلوب کوخود انجذاب ہوتا ہے۔ بشرطیکہ صحیح تواضع ہو،تصنع اور بناوٹ نہ ہو۔ اہل اللہ کے اندر کشف وکرامت سے زیادہ جو چیز دلکش ودلرُبا ہوتی ہے وہ ان کے تواضع کے واقعات ہیں۔ بےشک تواضع سے وہ رفعت حاصل ہوتی ہے جو تصنع سے کبھی بھی نہیں ہوتی۔ مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَهُ اللهُ۔

فرمایا کہ اصلاح کا کوئی منتہیٰ نہیں ہے، اس لیے جب ایسا خیال ہو کہ اب میری اصلاح ہو چکی ہے اور اس پر اطمینان بھی ہو تو یہ غلط ہے۔

فرمایا: کہ اللہ والوں کی صحبت سے نفع ہونے کے چار وجوہ ہیں:

(۱) ان کی صحبت میں برکت ہے، جو ان کو راضی رکھتا ہے اور جس کی طرف ان کے قلوب متوجہ رہتے ہیں اللہ تعالیٰ اس پر فضل فرما ہی دیتا ہے۔

۲) ان کی مجلس میں ایسے ملفوظات ہوتے ہیں جن سے نفس کے رذائل کا علم ہوتا ہے۔

(۳) آنے والوں کے لیے یہ حضرات ان کی اصلاح کی دعائیں کرتے ہیں۔

(۴) انسان کی طبیعت میں نقلِ اخلاق واعمال کا خاصّہ ہے جس کے سبب بزرگوں کے پاس رہنے سے عشقِ حق اور خوفِ خدا ان کے دل سے طالب کے دل میں خود بخود منتقل ہونے لگتا ہے اور ان کے اعمالِ صالحہ کی نقل کی توفیق بھی ہونے لگتی ہے۔

فرمایا کہ شیخ کے پاس رہ کر مشغول رہنے میں اور دور رہ کر مشغول رہنے میں ایسا فرق ہے جیسے مریض ایک تو طبیب کے پاس رہ کر علاج کراوے اور دوسرے محض خط وکتابت کے ذریعے علاج کراوے۔ظاہر ہے کہ نفع میں زمین وآسمان کا فرق ہوگا۔

ایک شخص نے دریافت کیا کہ مولویوں کو کیا ہوا کہ جو حضرت جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف رجوع کرتے ہیں، یہ تو خود لکھے پڑھے ہیں۔ وہاں کیا چیز ہے جس کے لیے جاتے ہیں، وہ کون سی بات ہے جو کتابوں میں نہیں ہے؟ فرمایا کہ اس کو ایک مثال سے سمجھو۔ایک شخص کے پاس

تمام مٹھائیوں کی فہرست ہے، مگر اس نے چکھی نہیں۔ ایک وہ شخص ہے کہ نام ایک مٹھائی کا بھی نہیں جانتا، مگر ہاتھ میں سب لئے ہوئے کھا رہا ہے۔ اب بتاؤ کون محتاج ہے کس کا؟

فرمایا گناہوں کی عادت چھوڑنے کے تین گر ہیں: ۱) خود ہمت کرے۔ ۲) حق تعالیٰ سے ہمت طلب کرے۔ ۳) خاصانِ حق سے ہمت کی دعا کرائے۔

احقر اختر عرض کرتا ہے تیسرے جزء کے متعلق روح المعانی میں ایک عبارت ملی ہے جو اہلِ علم کے لیے قابلِ توجہ ہے۔ صَلِّ عَلَیۡھِمۡ کی تفسیر یوں کی ہے: أَیۡ بِإِمۡدَادِ الۡهِمَّةِ وَ فَيۡضَانِ أَنۡوَارِ الصُّحۡبَةِ۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اصحاب کے لیے ہمت کی دعا کا حکم دیا ہے۔ پس خاصانِ خدا کی دعا کا مقام واضح ہو گیا۔

اہل اللہ کی صحبت میں برکت اور ان کی مجلس میں نزولِ رحمت پر تو تجربہ و مشاہدہ تواتر سے ثابت ہے۔ ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ میں رقم طراز ہیں: وَفِيۡهِ اسۡتِحۡبَابُ الدُّعَاءِ عِنۡدَ حُضُوۡرِ الصَّالِحِيۡنَ فَإِنَّ عِنۡدَ ذِكۡرِهِمۡ تَنۡزِلُ الرَّحۡمَةُ فَضۡلًا عَنۡ وُجُوۡدِهِمۡ وَحُضُوۡرِهِمۡ۔

جب اللہ والوں کے ذکر سے رحمت نازل ہوتی ہے تو خود ان کی صحبت اور مجلس میں کس قدر رحمت برستی ہو گی! (کشکول معرفت، ص/341)

ہزاروں بار گناہ کرنے سے بھی سکون نہیں مل سکتا

کیا گناہ کرنے سے گناہ کے تقاضوں کو سکون مل سکتا ہے اور گناہ کی پیاس بجھ سکتی ہے؟

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص دنیا بھر کے حسینوں پر بدنگاہی کر لے، مگر صرف ایک حسین باقی رہ جائے اور اس بدنظر سے معلوم کیا جاوے کہ پیٹ بھر گیا یا اس باقی کو بھی پیش کر دوں تو یہی کہے گا کہ وہ بھی دکھا دو۔ تو معلوم ہوا کہ گناہوں سے سکون حاصل

کرنا ایسا ہے جیسے کہ آگ میں آگ ڈال کر بجھانے کی اُمید کرنا، اور گناہ کر کے گناہ کے تقاضوں میں سکون کی اُمید کرنا ایسا ہے جیسے پاخانہ کو پیشاب سے دھو کر طہارت کی اُمید کرنا۔ چناں چہ شہوت پرست اور صورت پسند لوگوں کی زندگی غور سے دیکھیے تو بہت ہی پریشان کن، بے چین، بے سکون، بے نیند و بے آرام نظر آئے گی۔ برعکس اہلِ ذکر، اہل اللہ کی صحبتوں میں بیٹھنے والوں کو کیسی پُرسکون زندگی اور آرام کی نیند نصیب ہے ؎

آتی نہیں تھی نیند مجھے اضطراب سے

تیرے کرم نے گود میں لے کر سلا دیا

اللہ تعالیٰ کے ذکر کی برکت سے بندہ حق تعالیٰ کی رحمت کی گود میں ہوتا ہے۔ غَشِيَتۡهُمُ الرَّحۡمَةُ ۔کا عاشقانہ ترجمہ بزبانِ محبت احقر یہی کرتا ہے۔ذکر کی مجلس والوں کو حق تعالیٰ کی رحمت اپنی آغوشِ محبت میں پیار کرتی ہے۔

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ گناہوں کے تقاضوں کی کشمکش کے ساتھ بندہ زیادہ مقرب ہوتا ہے۔ اگرچہ دل بے چین اور مشوش ہو لیکن گناہ کر کے عارضی طور پر جو سکون سا ہو جاتا ہے اس وقت بدون تقاضائے گناہ بھی وہ خدا سے دور ہے کیوں کہ یہ عارضی سکون نافرمانی کی راہ سے حاصل ہوا اور گناہ کرنے کے تھوڑی دیر بعد ہی یہ عارضی سکون بھی چھن جاتا ہے اور ایسے شدید تقاضے شروع ہوں گے کہ نانی یاد آجائے گی کیوں کہ نفس کو گناہ کی پلید غذا مل گئی اور وہ موٹا ہو گیا اور روحانیت کمزور ہو گئی۔ اب نفس کی حکومت میں گناہ کے جھٹکے خوب ہوں گے، تقاضے شدید ہوں گے۔

مرشدی حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب دامت برکاتہم نے فرمایا کہ نگاہِ چشمی تو بعض لوگ نیچی کر لیتے ہیں مگر نگاہِ قلبی سے اس کا تصور کر کے لطف لیتے ہیں جس کی ظلمت سے (خیانتِ صدر کی ظلمت سے) دل کا ستیاناس ہو جاتا ہے۔ اور فرمایا کہ بدنگاہی کی ظلمت کا اثر توبہ سے بھی

پوری طرح نہیں جاتا جب تک کہ دوبارہ کہیں تقاضا ہو اور وہاں نگاہ نیچی کر کے دل پر ترکِ گناہ کا صدمہ نہ برداشت کرے۔ اس وقت تک دل پوری طرح منور اور صاف نہیں ہوتا۔

اہلِ ذوق واہلِ سلوک اس تحقیق کی خوب قدر کریں گے۔ بصارت کا لطفِ حرام بصیرت کے لطفِ حلال سے محروم کر دیتا ہے، اور جو بصارت کو بچاتا ہے اس کو بصیرت عطا فرمائی جاتی ہے۔ جیسا کہ حدیثِ قدسی ہے کہ نظر ایک زہریلا تیر ہے جو ابلیس کے تیروں سے ہے۔ جو میرے خوف سے اس کو ترک کر دے اپنے قلب میں حلاوتِ ایمان محسوس کرے گا۔

فائدہ: مذکورہ روایت کو حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت علی اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے بیان فرمایا ہے۔

ذکر سے کیا مراد ہے؟

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فَاذْكُرُوْنِيْ کی تفسیر بِالْاِطَاعَةِ سے فرمائی اور اَذْكُرْكُمْ کی تفسیر بِالْعِنَايَةِ سے فرمائی یعنی تم ہم کو یاد کرو اطاعت سے ہم تمہیں یاد رکھیں گے عنایت سے۔

اس تفسیر سے یہ اشکال حل ہو جاتا ہے کہ کیا نعوذ باللہ حق تعالیٰ مخلوق کو بھول جاتے ہیں جبکہ ان کے لیے نسیان محال ہے۔ پس اللہ تعالیٰ مجرمین کو بھی یاد رکھتے ہیں مگر عتاب کے ساتھ اور مقبولین کو یاد رکھتے ہیں عنایت کے ساتھ۔ حضرت علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فَاذْكُرُوْنِيْ بِالطَّاعَةِ قَلْبًا وَّقَالَبًا فَيَعُمُّ الذِّكْرُ بِاللِّسَانِ وَالْقَلْبِ وَالْجَوَارِحِ (فالاوّل) اَلذِّكْرُ بِاللِّسَانِ اَلْحَمْدُ وَالتَّسْبِيْحُ وَالتَّحْمِيْدُ وَقِرَائَةُ كِتَابِ اللهِ تَعَالٰى (والثانی) اَلْفِكْرُ فِي الدَّلَائِلِ الدَّالَّةِ عَلَى التَّكَالِيْفِ وَالْوَعْدِ وَالْوَعِيْدِ وَفِي الصِّفَاتِ الْاِلٰهِيَّةِ وَالْأَسْرَارِ الرَّبَّانِيَّةِ (والثالث) اِسْتِغْرَاقُ الْجَوَارِحِ فِي الْأَعْمَالِ الْمَأْمُوْرِ بِهَا

خَالِيَةً عَنِ الْأَعْمَالِ الْمَنْهِيِّ عَنْهَا وَلِكَوْنِ الصَّلٰوةِ مُشْتَمِلَةٌ عَلٰى هٰذِهِ الثَّلَاثَةِ سَمَّاهَا اللّٰهُ تَعَالٰى ذِكْرًا فِيْ قَوْلِهٖ فَاسْعَوْا إِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ، وَقَالَ: أَهْلُ الْحَقِيْقَةِ حَقِيْقَةُ ذِكْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى أَنْ يَّنْسٰى كُلَّ شَيْءٍ سِوَاهُ۔

تم لوگ مجھ کو یاد کرو طاعت سے یعنی قلب سے اور قالب سے بھی، پس ذکر عام ہے خواہ زبان سے ہو یا قلب سے ہو یا جوارح سے ہو۔ (فالاوّل) پس اوّل ذکرلسانی ہے جوشامل ہے تسبیح وتحمید وقرأتِ کلام اللہ وغیرہ پر۔ (والثانی) اور ثانی اللہ کی مخلوق میں غوروفکر کرنا ہے تا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کی معرفت اوران کی ربوبیت کے اسرار منکشف ہوں (والثالث) اور تیسرا یہ کہ اپنے اعضا سے اللہ تعالیٰ کے احکام بجالائے اوران کونافرمانی سے محفوظ رکھے۔ پس اللہ کا ذکران تینوں قسموں پر شامل ہے۔ اہلِ حقیقت نے بیان فرمایا ہے کہ ذکر کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی محبت غالب ہوجائے اور ماسوی اللہ کی محبت مغلوب ہوکر کالعدم ہوجائے۔ خواجہ صاحب فرماتے ہیں ؎

جب مہر نمایاں ہوا سب چھپ گئے تارے
وہ ہم کو بھری بزم میں تنہا نظر آئے

اسی حقیقت کا نام تبتُّلِ شرعی ہے۔ جیسا کہ بیان القرآن میں تحریر ہے کہ تبتُّل نام ہے تعلق مع اللہ کا تعلق ماسوی اللہ پر غالب ہوجانا نہ کہ ترکِ تعلقاتِ ضروریہ کا۔ جیسا کہ جوگیانِ ہند اور جہلائے صوفیا نے سمجھا ہے۔

نوٹ: اسی حقیقت کا نام وحدت الوجود ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یاد غالب رہے اور ماسوی اللہ مغلوب رہے اور کالمعدوم رہے نہ کہ عدمِ حقیقی مراد ہے۔ جیسا کہ گمان اہلِ جہل کا ہے۔

اس کی مثال دنیا میں آفتاب کے سامنے ستاروں کا وجود ہے جو کالعدم تو ہے لیکن حقیقتاً معدوم نہیں۔ چنانچہ شب میں ستاروں کا پھرظہور ہوجاتا ہے۔

ذکرِ قلبی کا ایک خاص انعام

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ بخاری و مسلم کی روایت سے یہ حدیثِ قدسی نقل کرتے ہیں:

مَنْ ذَکَرَنِیْ فِیْ نَفْسِہٖ ذَکَرْتُہٗ فِیْ نَفْسِیْ وَمَنْ ذَکَرَنِیْ فِیْ مَلَأٍ ذَکَرْتُہٗ فِیْ مَلَأٍ خَیْرٍ مِّنْ مَّلَئِہٖ۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جو بندہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے میں بھی اس کو اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اور جو مجھے کسی جماعت میں یاد کرتا ہے تو میں اس سے بہتر جماعت میں اسے یاد کرتا ہوں۔

حضرت ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مسلم کی روایت ذَکَرَہُمُ اللہُ فِیْمَنْ عِنْدَہٗ کی شرح میں فرماتے ہیں: أَیْ مُبَاھَاۃً وَّافْتِخَارًا بِھِمْ بِالثَّنَاءِ الْجَمِیْلِ عَلَیْھِمْ وَبِوَعْدِ الْجَزَاءِ الْجَزِیْلِ لَھُمْ عِنْدَ الْمَلَائِکَۃِ الْمُقَرَّبِیْنَ وَأَرْوَاحِ الْأَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ۔

جماعت کے ساتھ ذکر کرنے والوں کے بارے میں حدیثِ مذکور کی شرح یہ ہے کہ ایسے بندوں کا ذکر اللہ تعالیٰ ملائکہ مقربین اور ارواحِ انبیاء کے سامنے بطور مباہات اور فخر کے ثنائے جمیل اور وعدۂ جزائے جزیل کے ساتھ فرماتے ہیں۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر ذکر پر کوئی انعام اور موعود نہ ہوتا تو یہی انعام کافی تھا کہ غلاموں کو مولیٰ یاد فرمائیں۔ یہ مالک کا کتنا بڑا اکرم ہے! پھر اس کے ہوتے ہوئے ذکر میں کسی اور ثمرہ کی تلاش سالک کو نہ ہونی چاہیے۔ ھٰذِہٖ ثَمَرَۃٌ أَصْلِیَّۃٌ لِلذِّکْرِ لَوِ اسْتَحْضَرَھَا لَا یَتَشَوَّشُ اَبَدًا اگر ذاکر اس اصلی ثمرہ کو مستحضر رکھے تو کبھی تشویش میں مبتلا نہ ہوگا۔

ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے اس کا مزہ رئیس القراء حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھو۔

وَعَنْ أَنَسٍ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِأُبَیِّ بْنِ

كَعْبٍ: إِنَّ اللّٰهَ أَمَرَنِيْ أَنْ أَقْرَأَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ قَالَ: اَللّٰهُ سَمَّانِيْ لَكَ؟ قَالَ: نَعَمْ! قَالَ وَقَدْ ذُكِرْتُ عِنْدَ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ؟ قَالَ: نَعَمْ! فَذَرَفَتْ عَيْنَاهُ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رئیس القراء حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہارے اوپر قرآن کی تلاوت کروں (وفی روایۃ سورۂ بینہ کی تلاوت کروں کیونکہ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ علماء یہود میں سے تھے اور سورۂ بینہ میں اہلِ کتاب کا قصہ ہے) حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں! اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام لیا ہے۔ پھر عرض کیا کہ کیا میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک ذکر کیا گیا ہوں؟ (حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کا یہ پوچھنا استعجاباً تھا یا استلذاذاً تھا۔ کذا فی المرقاۃ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہاں! یہ سن کر ان کی آنکھیں بہہ پڑیں یعنی اشکبار ہو گئیں۔

ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آنسو بوجہ سرور و فرح کے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے میرا نام لیا ہے، یا اس خوف سے یہ آنسو تھے کہ اس عظیم نعمت کے شکر سے میں عاجز ہوں۔ اور اس نعمت کے ساتھ ان کی وجہ تخصیص یہ ہے کہ انہوں نے حفظِ قرآن میں اور اس کی تجوید میں محنتِ شاقہ برداشت کر کے اس درجہ کمال حاصل کر لیا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا: اَقْرَأُكُمْ اُبَيٌّ یعنی تم میں سب سے بڑے قاری اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کو اس سے امتِ مسلمہ کو یہ تعلیم دینی ہے کہ لوگ ان سے رسمِ تلاوت سیکھیں۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے اخذ فرمایا تھا۔ اور اسی طرح سلف سے خلف اخذ کرتے رہیں۔ چنانچہ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے بہت تابعین رحمہم اللہ نے رسمِ قرأت کو اخذ کیا۔

مجلسِ ذکر کے فوائد

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب کوئی قوم اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہوتی ہے تو ان کو فرشتے گھیر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے اور سکینہ ان پر نازل ہوتا ہے اور ان کا ذکر اللہ تعالیٰ اپنے پاس والوں میں کرتے ہیں۔

حَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ وہ فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں جو اہلِ ذکر کی تلاش میں رہتے ہیں۔ اس طرح سے ذاکرین کو فرشتوں کی صحبت نصیب ہوجاتی ہے اور اس صحبت کی برکت سے فرشتوں کا ذوقِ طاعت وذوقِ تسبیح وتحمید اور ذوقِ تقرب الی اللہ اور تقدسِ اخلاقیات ذاکرین کے نفوس میں منتقل ہوسکتا ہے۔ خاکی مخلوق کو نوری مخلوق کی یہ مصاحبت مجلسِ ذکر کا انعامِ عظیم ہے۔

غَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے۔ اس کا عاشقانہ ترجمہ یہ ہے کہ اللہ کی رحمت ذاکرین کو پیار کرلیتی ہے۔ جس طرح ماں غلبۂ شفقت ورحمت سے بچے کو گود میں لے کر سینے سے لگا کر دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ لیتی ہے جبکہ وہ ایک ہاتھ سے بھی بچے کو پکڑ سکتی ہے لیکن دونوں ہاتھ سے ڈھانپ کر اپنا سر اور گردن جھکا کر بچے کو بالکل ڈھانپ لیتی ہے جو تقاضائے رحمتِ مادر کی سراپا تصویر ہوتی ہے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

مادراں را مہر من آموختم
چوں بود شمعے کہ من افروختم

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے دنیا والو! اور ماؤں کی محبت پہ ناز کرنے والو! ماؤں کو محبت کرنا تو میں نے ہی سکھایا ہے، ان کی تمام تر محبت میری ہی مخلوق ہے، ان کے قلب وجگر کے اندر مادّۂ رحمت کا خالق میں ہی ہوں۔ پس میری رحمت کا کیا عالَم ہوگا؟ اور میری شمع محبت کا کیا عالَم ہوگا؟

پس غَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ کی تعبیرِ عاشقانہ ترجمہ کے ساتھ یہی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت

ذاکرین کو پیار کرتے ہوئے غایت رحمت سے ڈھانپ لیتی ہے۔

نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ اور ذاکرین کے قلوب پر اللہ تعالیٰ سکینہ نازل فرماتے ہیں۔

اہل اللہ کا ذکر ملائکہ کے ذکر سے افضل ہے

علامہ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں فتح الباری جلد ۱۱ صفحہ ۲۱۳ پر إِنَّ الذِّكْرَ الْحَاصِلَ مِنْ بَنِيْ اٰدَمَ أَعْلٰى وَأَشْرَفُ مِنَ الذِّكْرِ الْحَاصِلِ مِنَ الْمَلٰئِكَةِ لِحُصُوْلِ ذِكْرِ الْاٰدَمِيِّيْنَ مَعَ كَثْرَةِ الشَّوَاغِلِ وَوُجُوْدِ الصَّوَارِفِ وَصُدُوْرِهٖ فِيْ عَالَمِ الْغَيْبِ بِخِلَافِ الْمَلٰئِكَةِ فِيْ ذٰلِكَ كُلِّهٖ۔ انسان کا ذکر افضل ہے ملائکہ کے ذکر سے کیوں کہ انسان ہزاروں افکار اور مصروفیات میں گھرا ہوا ہے، پھر بھی اللہ تعالیٰ کو نہیں بھولتا اور ملائکہ کو ذکر کے علاوہ کوئی فکر اور مصروفیت نہیں ہے، اور ملائکہ عالمِ شہادت میں یعنی حق تعالیٰ کو دیکھ کر یاد کرتے ہیں اور انسان عالمِ غیب میں یاد کرتا ہے۔

مولانا اسعد اللہ صاحب محدث سہارنپوری نے خوب فرمایا۔

گو ہزاروں شغل ہیں دن رات میں
لیکن اسعدؔ آپ سے غافل نہیں

بابا فرید گنج شکرؒ کو انتقال کے بعد خواب میں دیکھا

بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کو وفات کے بعد لوگوں نے خواب میں دیکھ کر آپ سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے کیسا سلوک کیا؟ فرمایا بخش دیا۔ اور اس دعاء کی برکت سے جو محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی، بہشت عطا فرمایا۔ (راحت القلوب صفحہ ۸۸ /مرتب خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ)

بخشش کا ذریعہ ایک خواب

ایک مرتبہ ایک جوان نہایت فاسق، ہمیشہ بدکاری میں مشغول رہتا تھا لیکن جب فوت ہوگیا

توکسی نے خواب میں دیکھا کہ وہ بہشت میں ٹہل رہا ہے۔ متعجب ہوکر پوچھا تو اس نے کہا۔ اگرچہ میں غلط کام کیا کرتا تھا لیکن صبح وشام یہ کلمات مَاشَاءَ اللّٰہُ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ بکثرت پڑھا کرتا تھا۔ جوسعادت مجھے نصیب ہوئی ہے اسی کے سبب سے ہوئی ہے۔

(راحت القلوب صفحہ ۷۷ رمرتب خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ)

خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کوانتقال کے بعد خواب میں دیکھا

وفات کے بعد شیخ الاسلام معین الدین حسن سنجری قدس سرہ العزیز کوخواب میں دیکھا اور موت، گوراور منکرنکیر کا حال پوچھا گیا۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کے فضل سے سب کچھ آسان ہوگیا لیکن جب مجھے عرش کے نیچے لے گئے تو میں نے سر سجدے میں رکھا۔ آواز آئی معین الدین سر اٹھالو! سر اٹھایا۔ حکم ہوا کہ تم اتنے کیوں ڈرے؟ عرض کی تیری جباری اور قہاری کے ڈر سے۔ حکم ہوا جو شخص ہمارے کام میں مشغول رہے ہم اس کے کام میں مشغول ہیں اور جس نے ذوالحجہ کے عشرے میں سورۂ فجر پڑھی اسے ڈر سے کیا واسطہ؟ جا ہم نے تجھے بخش دیا اور تجھے اپنا مقرب بنایا۔

(راحت القلوب صفحہ ۶۹ رمرتب خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ)

وفات کے بعد احسان کا بدلہ

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شہر میں ایک قبر دیکھی جس کی زیارت کی جاتی تھی، میں نے بھی اس کی زیارت کی اور اہل شہر سے ان کی حالت دریافت کی۔ کہا اس شہر میں ایک فقیر مسافر تھے۔ وہ بیمار ہوئے اور انہوں نے وفات پائی تو شہر کے ایک شخص نے جو ان کو جانتے تھے ان کو کفن دیا، جب رات ہوئی تو اس کفن پہنانے والی نے انھیں خواب میں دیکھا کہ وہ ایک ریشمی حلہ ہاتھ میں لئے ہوئے قبر سے نکلے اور کہا یہ اس کپڑے کا عوض ہے جسے تو نے مجھے پہنایا تھا۔

اسے لے۔ یہ دیکھ کر وہ شخص جاگا تو وہ حلہ اس کے ہاتھ میں تھا۔ یہ حکایت اس شہر میں مشہور ہے۔ تمام اہل شہر جانتے ہیں اور ابوالقاسم جنید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی محبت میں آدمی دو قسم پر ہیں ایک عام اور ایک خاص، عوام کی محبت کثرتِ نعمت اور دوام احسان کی وجہ سے ہوتی ہے، لیکن اس کی محبت گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔ اور خواص اس کی محبت اسکے صفات اور اسماء حسنیٰ کے جاننے کیوجہ سے ہوتی ہے ان کے نزدیک استحقاق محبت اس وجہ سے ہے کہ وہ محبت کئے جانے کے لائق ہے اگرچہ ان پر کوئی نعمت نہ رہے۔ (نزہتہ المجالس، قصص الاولیاء جلد اول صفحہ ۵۴۰)

خواب میں شیخ احمد سرہندیؒ کی زیارت

ایک درویش بلخی نے بیان کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا ایک عظمت وجلالت والا جنازہ لایا گیا ہے اور ایک بڑی جماعت اور بڑا ہجوم سلف اور خلف کے اولیاء کا خصوصاً اکابر ماوراء النہر مثلاً قطب ربانی عبدالخالق غجدوانی، غوث الابرار خواجہ بہاء الدین نقشبندی اور قدوۃ الاحرار خواجہ عبیداللہ احرار اور ان کے معاصرین اور مماثلین (قدس اسرارہم) اس جنازہ میں شرکت کے لئے تشریف رکھتے ہیں لیکن کسی بزرگ کے منتظر ہیں اور چشم براہ ہیں اور کھڑے ہوئے ہیں ان میں سے ایک بزرگ سے میں نے دریافت کیا کہ یہ کس بزرگ کی نعش ہے اور یہ اولیاء کبار کس بزرگ کے انتظار میں کھڑے ہیں؟ انہوں نے فرمایا یہ نعش قطب وقت کی ہے اور اور یہ سب بزرگ قطب الاقطاب کے انتظار میں ہیں کہ وہ تشریف لائیں اور نماز جنازہ پڑھائیں اور سب حضرات ان کی اقتدا کریں۔ اتنے میں ایک بزرگ سروقد، گندمی رنگ لیکن مائل بہ سفیدی، کشادہ چشم فراخ پیشانی ،کھڑی ناک اور گھنی اور بڑھی داڑھی والے کہ جن کا حسن یوسفی تھا اور ملاحت محمدیؐ، انوارِ ولایت ان کی پیشانی میں تھے اور وجاہت، وقار اور تمکین ان کا لباس تھا تشریف فرما ہوئے تمام اولیاء نے

ان کی تعظیم کی اور وہ ان سب سے آگے بڑھے اور امامت فرمائی۔ جب جنازہ اٹھایا گیا تو میں نے ایک صاحب سے دریافت کیا کہ ان بزرگ کا نام کیا ہے اور ان کا مقام کہاں ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ان کا نام حضرت میاں شیخ احمد ہے اور ان کا قیام سرہند میں ہے۔ جب میں خواب سے بیدار ہوا تو اس بزرگوار کے دیدار کیلئے بے قرار ہو گیا چنانچہ علی الصباح بلخ سے روانہ ہو کر اس قطب الاقطاب کی خدمت میں سرہند پہونچا اور ان کی زیارت سے مشرف ہوا۔ اور آپ کا حلیۂ مبارکہ بالکل وہی پایا جو خواب میں دیکھا تھا۔ میں نے آپ کی بارگاہ میں روئے نیاز کو رگڑا اور ایک عرصے تک وہ دیکھا جو دیکھنا تھا۔ (حضرات القدس صفحہ ۴۲ / ۴۳ / مؤلف شیخ بدرالدین سرہندی)

ارشادات حضرت بابا فریدالدین شکر گنجؒ

۱۔ حق تعالیٰ کے ساتھ بنا کر رکھنی چاہیے کیوں کہ وہ دینے والا ہے اور سب لیتے ہیں، جب وہ دینے والا ہے تو کوئی شخص از خود حق تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔

۲۔ نادان کو زندہ مت خیال کر اور دانا نما نادان سے پرہیز کر۔

۳۔ ہر شخص کی روٹی نہ کھا، لیکن ہر شخص کو روٹی دے۔

۴۔ اہل کو کبھی فراموش نہ کر۔

۵۔ قیاس سے بات نہ کر (بلکہ یقین سے بات کر)

۶۔ اپنے دل کو شیطان کا بازیچہ (کھیل کی جگہ) نہ بنا۔

۷۔ اپنے باطن کو ظاہر سے بہتر جان اور ظاہری آرائش ترک کر۔

۸۔ حصول جاہ کیلئے اپنے آپ کو بے قدر نہ کر اور اپنے اسلاف کو یاد رکھ۔

۹۔ ہر روز نئی دولت کی طلب میں رہ، یعنی روحانی دولت۔

۱۰۔ جو چیز اچھی لگے، اسے فوراً ترک کر دے اور نفس سے صلح نہ کر۔

۱۱۔ کسی دشمن سے بے خوف نہ رہ، اگر چہ وہ تم سے کتنا خوش کیوں نہ ہو۔

۱۲۔ جو شخص تجھ سے ڈرتا ہے، تو اس سے ڈر۔

۱۳۔ اپنی طاقت وقوت پر بھروسہ نہ کر۔

۱۴۔ شہوت کے وقت اپنے نفس کو سب وقتوں سے زیادہ قبضہ میں رکھ۔

۱۵۔ جب تو اہل دولت کے ساتھ بیٹھے تو دین کو نہ بھول۔

۱۶۔ عزت وحشمت، عدالت اور انصاف میں ہے۔

۱۷۔ تونگری (مالداری) میں بلند ہمت ہو جا۔

۱۸۔ سخاوت کو صحیح بات کے عوض دے دے، یعنی خود کو درمیان میں نہ دیکھو۔

۱۹۔ جب حق تعالیٰ سے تجھے کوئی زحمت پیش آئے تو اس سے نہ بھاگ۔

۲۰۔ دشمن کو عقل مندی سے دور کر اور دوست کو تواضع سے غلام بنا۔

۲۱۔ اپنے سے اندھا نہ ہو۔

۲۲۔ دشمن کی تلخ بات سے پریشان نہ ہو۔

۲۳۔ اگر ساری خلقت کو اپنا دشمن بنانا چاہتا ہے تو متکبر (مغرور) بن جا۔

۲۴۔ اگر آسودگی چاہتا ہے تو حسد نہ کر۔

۲۵۔ ہمیشہ اس بات کی کوشش کر کہ موت میں زندہ ہو جائے۔ (مراۃ الاسرار، صفحات: ۱۷۷-۲۰۰)

عارفین الٰہی کے حال واقوال

مولانا قاری محمد طیب صاحب کے مواعظ میں ہے کہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی جب کلیر

شریف زیارت کے لئے تشریف لے جاتے تھے تو بہت دور پہلے سے اپنے جوتے ہاتھ میں لے لیا کرتے تھے۔ (ماخوذ از فیضان ذکیؒ، ماہنامہ نقوش عالم بنگلور، مئی ۲۰۱۳ء، صفحہ: ۱۵)

علامہ طحطاویؒ نے نقل کیا ہے کہ قاضی ابو عاصم ایک حنفی عالم تھے، ایک مرتبہ وہ مشہور شافعی عالم علامہ قفال رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد میں مغرب کی نماز پڑھنے گئے، شافعی مسلک میں اذان کہتے وقت ''اشھدان لا الہ الا اللہ'' اور اشھدان محمد رسول اللہ'' اور ''حی علی الصلاۃ'' اور ''حی علی الفلاح'' صرف ایک ایک مرتبہ کہے جاتے ہیں، جبکہ فقہ حنفی کے مطابق دو بار۔

علامہ قفال نے قاضی ابو عاصم کو مسجد میں دیکھا تو ان کے احترام میں مؤذن کو حکم دیا کہ آج تم تکبیر کے کلمات دو مرتبہ کہنا، اس کے بعد انہوں نے قاضی ابو عاصم سے نماز پڑھانے کو کہا تو قاضی صاحب نے نماز پڑھاتے وقت سورہ فاتحہ سے قبل بسم اللہ جہراً پڑھی اور نماز کے کئی دوسرے افعال (زور سے آمین، رفع یدین وغیرہ) بھی شافعی مسلک کے مطابق ادا کئے۔

ایک مرتبہ ایک لومڑی کا گزر ایک درخت پر ہوا، اس نے درخت پر ایک مرغ کو دیکھا اور مرغ سے کہا: ارے بھائی نیچے اتر آؤ تا کہ ہم جماعت سے نماز پڑھ لیں، مرغ نے جواب دیا: میں بھی یہی سوچ رہا ہوں، لیکن امام صاحب ادھر درخت کے پیچھے سو رہے ہیں، انہیں ذرا بیدار کرلو، لومڑی نے پلٹ کر درخت کے پیچھے دیکھا تو اس کی نظر ایک موٹے تازے کتے پر پڑی جس کو دیکھ کر لومڑی بد حواس ہوگئی اور بے تحاشہ پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑی ہوئی، مرغ نے چلا کر کہا: اے بھاگتی کیوں ہو، کیا جماعت سے نماز نہیں پڑھو گے؟ لومڑی بھاگتے ہوئے کہے جارہی تھی کہ میرا وضو ٹوٹ گیا ہے، تازہ وضو کر کے آنے تک میرا انتظار کرنا۔ (مجانی الأدب، ج: ۲)

ایک دفعہ لوگوں نے مجنوں سے کہا کہ لیلیٰ مرگئی، مجنوں نے کہا: میں غمگین نہیں ہوں، بلکہ مجھے ندامت و شرمندگی اس بات کی ہے کہ ایک ایسی ہستی سے محبت ہی کیوں کی جو فانی ہو۔ (فوائد الفوائد، صفحہ: ۲۲)

اللہ تبارک وتعالیٰ کبھی کبھی مجاہدہ غیر اختیار یہ بھی کروا دیتے ہیں (جواس کے درجات کی بلندی اور مقامات عالیہ کی حصولیابی کے لئے ضروری ہوتا ہے) ایک دولت مند آدمی نے ایک عزیز باندی کو ایک نامور بزرگ کی خدمت میں ہدیہ کرنا چاہا۔ باندی نے عرض کیا کہ جن بزرگ کے گھر آپ مجھے بھیجنا چاہتے ہیں، ان کی تو کوئی برائی کرتا ہی نہیں، نہ ان پر طعن و تشنیع کرتا ہے۔ حالانکہ انبیا اور اولیا کی ایک شناخت یہ بھی ہے کہ کوئی نہ کوئی ان کی برائی کرنے والا، اعتراض کرنے والا ہوتا ہے۔ بہر حال تین دن کے لئے مجھے ان کے گھر بھیج دیجئے، پھر جیسا ہوگا میں آپ کو اپنے فیصلے سے آگاہ کروں گی۔ باندی مذکورہ بزرگ کے گھر میں آ گئی، تو محلہ کی ایک عورت آگ لینے ان کی اہلیہ کے پاس آئی تو انہوں نے شکایتاً کہا کہ یہاں کئی دن سے چولہا نہیں جلا ہے، ان کو ہماری اور ہماری ضروریات کی کوئی فکر نہیں ہے۔ کچھ دیر بعد مذکورہ بزرگ نے کسی خادم کو اپنے گھر بھیجا کہ اگر کوئی ضرورت ہے تو بتا دیجئے، اس خادم کو بھی اہلیہ نے پھٹکار سنا دی، یہ حالات دیکھ کر باندی جان گئی کہ ان کی برائی کرنے والے تو ان کے گھر کے اندر ہی ہیں، باہر والوں کی کیا ضرورت۔ ہر وقت، ہر آن برائی کرنے والا موجود ہے، الغرض بزرگان دین کو کبھی کبھی ایسے ناپسندیدہ حالات اور واقعات پیش آجاتے ہیں کہ بظاہر تکلیف و رسوائی کا سامان ہے، لیکن اندرونی طور پر بڑے بڑے انعام اور راحت وسکون کا سامان بن جاتے ہیں۔

حضرت رابعہ بصری متوفی 135 ھ کو ایک دن خواجہ حسن بصری کے گھر جانے کا اتفاق ہوا، وہ اپنے عبادت خانہ کی چھت پر بیٹھے اس قدر رو رہے تھے کہ آپ کے آنسو پرنالے سے نیچے بہہ رہے تھے۔ (رونے کی رغبت اور آنسوؤں کا خزانہ جتنا سلف وصالحین کو نصیب ہوا، آج کے دور میں اس کے دسویں حصہ کا تصور بھی ممکن نہیں۔ بشرطیکہ ایمانداری اور حقیقت پسندی کے ساتھ جائزہ لیا جائے) حضرت رابعہ بصری نے دریافت کیا: یہ کیسا پانی ہے؟ جب حقیقت معلوم ہوئی تو آپنے فرمایا: اے حسن! اگر یہ گریہ رعونت نفس کی وجہ سے نہیں ہے تو اس پانی کی

حفاظت کرتا کہ تیرے اندر دریا ہو جائے۔

جس وقت حضرت حبیب عجمیؒ کے سامنے قرآن پڑھا جاتا تھا آپ زار زار روتے تھے، ایک دفعہ کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ آپ قرآن مجید کے معنی تو سمجھتے نہیں، گریہ کس وجہ سے کرتے ہیں، آپ نے جواب دیا کہ میری زبان عجمی ہے، لیکن دل عربی ہے۔ (مراۃ الاسرار صفحہ: ۲۵۳)

ایک دن حضرت شفیق بلخیؒ امام ابو یوسف شاگرد رشید امام ابو حنیفہؒ کی مجلس قضا میں گئے، فرماتے ہیں: (امام صاحب سے رجوع کرنے والوں کا حال یہ تھا کہ) لوگ تہہ در تہہ آپ کے گرد جمع ہو رہے تھے (یعنی ہجوم کثیر تھا، جو تھمتا نظر نہیں آ رہا تھا) امام ابو یوسف نے میری طرف (از راہ عنایت) دیکھ کر پوچھا کہ یا شیخ کیا ہوا کہ آپ نے سیاہ لباس پہن رکھا ہے، میں نے کہا: جو کچھ تم نے طلب کیا پالیا اور جو کچھ میں طلب کرتا ہوں (ابھی تک) مجھے نہیں مل سکا۔ یعنی ماتمی لباس نہ پہنوں تو کیا کروں۔ (میری اس بات کو سن کر) امام ابو یوسف بہت روئے اور کہنے لگے کہ میں کردہ گناہوں کی بہ نسبت ناکردہ گناہوں سے زیادہ ڈرتا ہوں، کیونکہ جو کچھ کیا ہے، اس کا مجھے علم ہے، لیکن معلوم نہیں آگے جا کر کیا کروں گا۔ (مراۃ الاسرار، صفحہ ۲۹۶)

ارشادات خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ

پوچھا گیا کہ کیا آدمی روحانی طبیب کی حیثیت سے کسی دوسرے کا علاج کر سکتا ہے؟

جواب دیا آدمی روحانی طبیب کی حیثیت سے کسی دوسرے کا علاج اس وقت تک نہیں کر سکتا جب تک کہ خود اپنا علاج نہ کر لے، کیونکہ جو خود ہی گم کردہ راہ ہو وہ دوسرے کی رہبری کیسے کر سکتا ہے۔

پوچھا گیا کہ ہمارے قلوب تو سوئے ہوئے ہیں ان پر آپ کا وعظ کس طرح اثر انداز ہوگا؟

فرمایا: سوئے ہوئے دل کو تو جگایا جا سکتا ہے البتہ مردہ دلوں کی بیداری ممکن نہیں۔

آپ کے ارادت مندوں کی یہ کیفیت ہوتی تھی کہ آیات قرآنی سن کر بے ہوش ہو جاتے

تھے۔ آپ نے تاکید فرمائی کہ رونے دھونے کے فعل میں اس بات کو ملحوظ رکھو کہ آواز نہ نکلنے پائے۔ کیونکہ آواز نکلنے سے ریا کاری کا اظہار ہوتا ہے جو آدمی کے لئے ہلاکت کا باعث ہے۔ اگر کسی پر حال طاری نہ ہو بلکہ وہ قصداً طاری کرے اور کوئی نصیحت بھی اس پر کارگر نہ ہو تو وہ گنہگار ہے۔ جو شخص اس طرح دکھاوے کا رونا روتا ہے اس کا رونا شیطان کا رونا ہے۔

بچپن میں آپ سے ایک گناہ سرزد ہوگیا جس کی پاداش میں آپ جب کبھی نیا لباس سلواتے اسکے گریبان پر اس گناہ کو درج کروا دیتے۔ اس تحریر کو دیکھ دیکھ کر اس قدر گریہ و زاری کرتے کہ بیہوشی طاری ہو جاتی۔

ایک مرتبہ حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے آپ کو مکتوب ارسال کرتے ہوئے تحریر کیا کہ مجھے کوئی ایسی نصیحت کیجئے کہ جو میرے تمام کاموں میں معاون ہو سکے۔ جواب میں آپ نے تحریر فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہارا معاون نہیں ہے تو پھر کسی سے ہرگز معاونت نہ رکھو۔

پوچھا گیا کہ کیا مجلس وعظ میں کثیر لوگوں کے اجتماع سے آپ کو خوشی ہوتی ہے؟ فرمایا: نہیں۔ بلکہ خوشی تو اس وقت ہوتی ہے جب عشق الٰہی میں جلا ہوا کوئی شخص شریک مجلس ہوتا ہے۔

جب آپ سے دین کی اساس کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا کہ تقویٰ دین کی اساس ہے اور لالچ تقویٰ کو بیکار کر دیتا ہے۔

صوفیاء کہتے ہیں کہ ایک برائی کو دوسری برائی سے کبھی ہرگز دور نہیں کیا جاسکتا۔ اگر کتا کسی انسان کو کاٹ لے تو کیا انسان بھی جواب میں کتے کو کاٹے گا؟ (ماخذ تذکرۃ الاولیاء)

محبت کے انداز

خواجہ شمس الدین حضرت امیر خسرو کے بھانجے اور سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے آپ اپنے شیخ عالی مرتبت کی محبت میں مشہور تھے۔ نماز کے وقت جب تک آپ سلطان المشائخ کے چہرے مبارک پر نظر نہ ڈال لیتے تھے تکبیر تحریمہ نہیں پڑھتے

تھے۔ یہاں تک اپنے آخری وقت میں جب اس عاشقِ صادق اور سوختہ عشق پر بیماریٔ عشق غالب آ گئی تو سلطان المشائخ خود اُن کی مزاج پرسی کے لئے روانہ ہوئے۔ راستے میں جب اُن کی وفات کی خبر سنی تو فرمایا: الحمدللہ دوست بدوست رسید'' (الحمدللہ دوست دوست سے جاملا)

حضرت میر سید مکی ''بحر المعانی'' میں تحریر فرماتے ہیں ''بیس سال تک مشاہدان حضرت لا یزال کے آستانہ پر جبیں سائی کی ہے۔ چار سال تین ماہ اور بارہ دن اپنے پیر فرد حقیقت حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی کی خدمت میں رہا۔ مرید ہونے کے بعد تین کاموں میں مشغول ہو گیا۔ اول یہ کہ نماز پنجگانہ کے لئے حضرت کو وضو کرانا اس فقیر کے ذمہ تھا دوم آپ کے چراغ کیلئے تیل بہم پہنچانا سوم یہ کہ آپ کے استنجا کے ڈھیلوں کو اپنے چہرہ پر رگڑ کر ہموار کرتا تھا۔ یہ خدمت میں نے سلطان محمد تغلق کے عہد میں کی یعنی جب میرے والد بزرگوار ایک ہزار سوار لے کر کہنانچ پر حملہ آور ہوئے تھے'' سبحان اللہ امیر الامراء کے ناز آفریں بیٹے کی یہ سمجھداری اور سعادت مندی کے شیخ کی خدمت ومحبت کے جذبہ سے لبریز مٹی کے کھردرے ڈھیلوں کو اپنے نرم ونازک گالوں پر رگڑ کر ہموار کرتے تھے۔ (بحوالہ تزکیہ نفوس سہ ماہی، منگروہ اعظم گڈھ)

مرید صادق کی زندگی کے آٹھ مراحل

(۱) پہلا مرتبہ غفلت سے بیدار رہنا ہے۔ جیسا کہ پہلے جو جی میں آتا تھا کرتا تھا۔ جب غفلت سے چونک جاتا ہے تو یہ جان لیتا ہے کہ یہ کام کرنا اچھا نہیں ہے۔

(۲) دوسری چیز توبہ ہے، توبہ کی تعریف یہ ہے کہ گناہ سے منہ موڑ کر اطاعت میں لگ جائے توبہ کا سبب اللہ تعالیٰ کا ڈر ہوتا ہے۔

(۳) اس کے بعد انابت کا درجہ ہے۔ رحمت خداوندی اور دیدار خداوندی کی طرف راغب ہونے کا نام ''انابت'' ہے۔

(۴) جب انابت پا جاتی ہے تو ورع رونما ہوتا ہے۔ یعنی جس چیز میں حلال وحرام یا مکروہ ہونے کا اندیشہ ہو اس کے ترک کرنے کو صوفیاء ورع کہتے ہیں۔

(۵) اس کے بعد محاسبہ ہے۔ یعنی اپنے نفس سے حساب لیتے رہے اور اعمال وافعال کو گنتے رہے کہ کتنے اچھے کام کئے اور کتنے برے کام کئے۔ اگر بُرے کام سرزد ہو گئے ہوں تو اس سے توبہ واستغفار کرے اور نفس پر سختی اور مجاہدہ کرے تاکہ نفس دوبارہ اس طرف رخ نہ کرے اور اچھے کاموں پر خدا کا شکر بجالائے۔

(۶) اس کے بعد ارادت کا درجہ ہے۔ ارادت یہ ہے کہ طلبِ حق کا سودا سر میں پیدا ہو جائے اور اس کا دل خدا کے سوا کسی کو نہ چاہیے۔

(۷) جب ارادت میں استقامت پائی جاتی ہے تو زہد رونما ہوتا ہے۔ اور زہد یہ ہے کہ حلال میں بھی جو شہوت ولذت کا حامل ہو، اس کو ترک کر دے اور نفس کو لذتوں سے باز رکھے۔

(۸) جب سب کچھ ترک کر دے گا تو اس کے بعد فقر کے سوا کیا پیش آئے گا اور فقر عبارت ہے نیستی سے اور نیستی کہاں تک ہو سکتی ہے اور کہاں تک لے جا سکتی ہے (اس کا علم اللہ ہی کو ہے)

(ماخوذ از ''آداب المریدین'' مولفہ شیخ ضیاء الدین ابونجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ مترجمہ حضرت گیسودراز بندہ نواز رحمۃ اللہ علیہ)

نفس کی حقیقت، ایک مثال

خواجہ عبداللہ روغدی رحمۃ اللہ علیہ مشائخ طوس سے ہیں۔ آپ نے ابوعثمان حیری کی صحبت پائی ہے اور اکثر مشائخ وقت کو دیکھا ہے۔ سن وفات کا پتہ نہیں چلتا ہے لیکن اندازہ ہے کہ آپ کا شمار طبقہ چہارم کے صوفیاء کرام میں ہوتا ہے۔

خواجہ عبداللہ روغدی اپنے وقت کے صاحب ریاضات وکرامات عظیم بزرگ تھے آپ نے کے ابتدائے حال میں قحط عظیم رونما ہوا، یہاں تک کہ آدمی کو آدمی کھانے لگا۔ ایک دن اپنے گھر

آئے۔ دومن) اس وقت کے دس سیر کے قریب) گیہوں گھر میں پڑا ہوا تھا۔ آپ کے دل میں آگ لگ گئی کہ لوگ بھوکوں مر رہے ہیں اور میرے گھر میں اناج پڑا ہوا ہے۔ پس آپ نے گیہوں محتاجوں میں تقسیم کر دیا اور خود صحرا کی طرف چل پڑے اور ریاضات ومجاہدات میں مشغول ہو گئے۔

کسی نے آپ سے پوچھا کہ مرید کی صفت کیا ہے؟ فرمایا: تکلیف میں ہے لیکن اس کی تکلیف طلب کی وجہ سے ہے۔ آپ سے کسی نے صوفی اور زاہد کے فرق کی نشاندہی طلب کی۔ فرمایا: صوفی بحق ہوتا ہے اور زاہد بہ نفس۔ یہ بھی فرمایا کہ حق تعالیٰ نے ہر شخص کو معرفت اس کی ہمت اور عمل کے مطابق بخشی ہے۔ فرمایا: دنیا کو دنیا کی خاطر ترک کرنا حد درجہ کی دنیا داری ہے۔ فرمایا: حق تعالیٰ تک رسائی کے لئے حق تعالیٰ کے سوا اور کوئی ذریعہ نہیں۔

ایک دن آپ اپنے اصحاب کے ساتھ دستر خوان پر بیٹھے تھے کہ حسین بن منصور حلاّج سیاہ قبا (لباس امراء) پہنے اور دو کتے ہاتھ میں لئے کشمیر سے آرہے تھے۔ خواجہ عبداللہ روغدی نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ اس صفت کا جوان آرہا ہے، استقبال کرو کہ وہ بڑے بزرگ ہیں۔ وہ لوگ گئے اور ان کو لے آئے۔ آپ نے جب خواجہ منصور کو دیکھا اپنی جگہ پر انہیں بٹھایا، وہ بیٹھ گے اور کتوں کو بھی اپنے ساتھ دستر خوان پر بٹھایا۔ وہ کھانا کھا رہے تھے اور کتوں کو کھلا رہے تھے۔ خواجہ عبداللہ تماشہ دیکھ رہے تھے اور آپ کے اصحاب سخت نفرت کی حالت میں حیران تھے۔ جب وہ کھانے سے فارغ ہوئے اور جانے لگے تو خواجہ عبداللہ نے کھڑے ہو کر آپ کو الوداع کہا۔ آپ ان کو رخصت کر کے واپس آئے تو آپ کے اصحاب نے پوچھا کہ اے خواجہ یہ کیا حالت ہے؟ آپ نے انہیں کتوں سمیت اپنی مسند پر جگہ دی اور ہمیں ایسے شخص کے استقبال کے لئے بھیجا کہ نجاست کے اثر سے ہم نماز پڑھنے کے لائق نہ رہے۔ آپ نے فرمایا: ہاں! اُس کا کتا (نفس) اس کا غلام بن گیا اور جہاں جاتا ہے کتا اس کے پیچھے دوڑتا ہے۔ اور ہمارا کتا ہمارے اندر رہ گیا ہے اور ہم اس کے پیچھے دوڑتے ہیں۔ پس جو شخص کتے کا مطیع ہے اس کے اور اُس شخص کے درمیان جس کا کتا مطیع ہے

کافی فرق ہے"۔ واقعی نفس کی حقیقت اور اس کے عالم ظاہر میں متشکل ہونے کی یہ ایک عجیب و غریب اور نہایت مؤثر تمثیل ہے، خدا کرے ہمیں فہم و بصیرت حاصل ہو۔ (مراۃ الاسرار صفحہ ۴۱۲)

حوصلہ پکا اور سچا ہو تو نفس کا تزکیہ ہو سکتا ہے

بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اب تک کی اپنی عبادتوں کو دیکھا ان میں ملاوٹ پائی، میں نے نفس کو دیکھا اس کو گرفتار بلا و ریاء پایا۔ مجھے معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ ریاء اور شرک کو پسند نہیں فرماتے۔ میں نے نفس کو خطاب کیا کہ اسے شرارتوں کی جڑ اللہ نے تجھے توحید کی دعوت دی ہے مگر تو متوجہ نہیں ہے۔ اپنے نفس کی ریاء اور شرک کو سوچ سوچ کر غم میں ڈوب گیا۔ میں نے سوچا کہ اس کا علاج کرنا چاہیے۔ چنانچہ میں نے ایک معنوی سانحہ تیار کیا۔ اس میں حق کی آگ لگائی، اس کو "جرأت" کی بھٹی میں ڈال دیا۔ "وحدانیت" کا سندان نصب کیا، اوامر ونواہی کے ہتھوڑے سے اس کو پیٹا، جب تک تھک نہ گیا اس عمل کو جاری رکھا۔ پھر میں نے نفس کو دیکھا کہ اب اس کا کیا حشر ہوا ہے۔ کیا دیکھتا ہوں وہ اب بھی مشرک وریاء کار ہے میں نے انا اللہ پڑھی۔ میں نے سوچا کہ نفس سخت مجاہدوں اور ریاضتوں سے پاک ہونے والا نہیں ہے شاید نرمی سے مروت سے سُدھر جائے۔ چنانچہ میں اس کو نیکیوں کے گلستان میں لے گیا اور احترام و اعزاز کے باغیچوں میں اس کو پھرایا، احسان اور لطف و رحم کے پنکھوں سے اس کو ہوا دی، اس کی ناز برداری میں اتنا لگا کہ تھک گیا۔ میں نے سوچا کہ اب دیکھوں نفس کا یا حال ہے۔ میں نے اس کو پھر بھی مشرک وریاء کار ہی پایا۔ میں نے اس کو ملامت کی کہ اے شرارتوں کی جڑ! اے فتنوں کی اصل! تو نہ تو سختی سے سُدھرتا ہے اور نہ نرمی سے درست ہوتا ہے۔ میں اس کو رب کی احدیت کے گھاٹ پر لے گیا تا کہ فردانیت کے پتھر پر اس کو اٹھا کر پٹکوں اور پچھاڑوں۔ یہ مشقت بھی اتنی اٹھائی کہ میں تھک گیا۔ میں نے نفس کو دیکھا کہ اس اٹھا پٹک سے اس میں کیا پاکی وصفائی آئی ہے لیکن ابھی تک اس کو مشرک وریاء کار پایا۔ میں نے کہا انا اللہ۔ میں نے سوچا کہ اس کے لئے ایک اور طریقہ اختیار کرنا چاہیے، چنانچہ میں نے اس سے وہ برتاؤ کیا جو مرد اپنی

حائضہ عورت کے ساتھ کرتا ہے میں دور دور سے اس کو دیکھتا، اس کی رغبت کے باوجود اس سے اجتناب کرتا۔ اس برتاؤ پر بھی ایک عرصہ گزر امگر باوجود اس احتراز کے وہ سُدھرا نہیں۔ آخر کار میں نے نفس کو تین طلاق دے دیں اور اس سے ایک دم بے گانہ بن گیا اور رب کے لئے مجرد ہو گیا۔ میں نے رب سے التجا کی کہ اے عزت والے! میں تیرے حضور گڑ گڑاتا ہوں اس غلام کی طرح جس کی گردن میں صرف تیرا ہی طوق ہے۔ جب اللہ بزرگ و برتر نے دیکھا لیا کہ التجا سچی ہے تو اس نے دعاء کو شرف قبولیت عطا فرما دی۔

ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''اگر سب مخلوق مل کر مجھے اس درجہ ذلیل کرنا چاہیں جتنا کہ میں خود اپنے نفس کو سمجھتا ہوں وہ کم پڑ جائیں گے''۔ خوش نصیب ہے وہ بندہ جس کو خدائے پاک نفس کے شر سے اس کی اصلیت سے، اس کی بیماریوں سے، اس کی پسندیدہ و ناپسندیدہ چیزوں سے، اس کے نرم و گرم پہلوؤں سے واقف فرما دیتا ہے۔ (ماخوذ از ''اللہ کے ساتھ اولیاء اللہ کا حال'' ترجمہ ''حالۃ اھل الحقیقۃ'' مع اللہ مولفہ سید احمد کبیر رفاعیؒ مترجمہ شاہ قادری مصطفی رفاعی ناشر فرید بک ڈپو نئی دہلی)

خشوع اور خضوع کی حقیقت

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ ایک روز جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجمع میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص آیا جس کو کوئی پہچانتا نہ تھا اس کے کپڑے نہایت سفید اور صاف شفاف تھے، وہ آ کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گھٹنے سے گھٹنے ملا کر بیٹھ گیا۔ صحابہ کو تعجب ہوا کیونکہ اگر وہ باہر سے آیا ہوتا تو کپڑے اس کے میلے ہوتے، گرد و غبار سے اس کے بال بکھرے ہوتے، کپڑوں میں میل کچیل ہوتا، اس نے پوچھا حضور! ایمان کس کو کہتے ہیں؟ آپ نے ایمان کی تعریف بتائی: ''اَنْ تُؤْمِنَ بِاللهِ وَ مَلَائِکَتِہٖ وَ کُتُبِہٖ وَ رُسُلِہٖ وَالْقَدْرِ خَیْرِہٖ وَ شَرِّہٖ'' (ایمان یہ ہے کہ تصدیق کرے اللہ کی، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کی

اور قیامت کے دن کی اور اچھی بری تقدیر کی)۔

اس کے بعد اس نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اسلام کس چیز کا نام ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کر، زکوٰۃ ادا کر، رمضان کے روزے رکھ اور اگر استطاعت ہو تو بیت اللہ کا حج کر۔

اس کے بعد اس نے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم احسان کس چیز کا نام ہے، آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ (تو خدا کی عبادت اس طرح کر اور خشوع وخضوع اس طرح انجام دے کہ گویا تم اللہ کو دیکھ رہے ہو)

غلام اپنے آقا کو دیکھتا ہے تو اس کی اطاعت وفرمانبرداری میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرتا اور جب کوئی کام کرتا ہے اور آقا سامنے نہیں ہوتا ہے تو کام بے توجہی سے کرتا ہے، آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ہر عبادت میں تم اس طرح تصور کرو اور اس طرح خشوع وخضوع کا لحاظ کرو جیسا کہ تم اپنے آقا و مالک کے دیکھنے کی حالت میں کرتے ہو، یہ احسان ہے، اگر تم یہ تصور نہیں کر سکتے تو فرمایا: فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ ' یعنی اللہ تو ہر حال میں تم کو دیکھ ہی رہا ہے، کسی بھی وقت تم اللہ کی نظر سے اوجھل نہیں ہو سکتے، بہر حال یہ احسان کا بڑا اعلیٰ درجہ ہے۔

قرآن مجید میں بہت سی جگہوں پر احسان کا ذکر کیا گیا ہے۔ قرآن میں فرمایا گیا ہے ''اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ'' (اللہ کی رحمت احسان کرنے والوں سے بہت قریب ہے)

''اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّ الَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ'' (اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو کہ پرہیز کرتے ہیں اور احسان کو عمل میں لاتے ہیں)۔

لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى'' (جن لوگوں نے احسان کیا اللہ تعالیٰ ان کو بھلا بدلہ دے گا)۔ اس طرح اور بہت سی آیتوں میں احسان کے سلسلے میں بڑے بڑے وعدے

آئے ہیں، اسی کو تیسرے سوال میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دریافت فرمایا، اسی احسان کو حاصل کرنا تصوف کا مدار ہے۔

آقائے نامدار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہ احسان آپ کی مجلس میں ایمان کے ساتھ حاضر ہونے سے حاصل ہوجاتا تھا، حضور کی روحانی طاقت اس قدر قوی تھی کہ جو شخص آپ کے سامنے اخلاص کے ساتھ اور اسلام کے ساتھ حاضر ہوا اس کے قلب کے اوپر ایسا اثر پڑتا تھا کہ اللہ کے سوا ہر چیز کو بھول جاتا تھا اور خلوص دل کے ساتھ اللہ کی طرف متوجہ ہوجاتا تھا۔

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کئی روز جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر نہیں ہوئے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ اپنے لوگوں کو خاص طور پر یاد رکھتے تھے ایک وقت نہ آئے دو وقت نہ آئے تو آپ نے دریافت فرمایا: ''مَا فَعَلَ حَنْظَلَۃُ'' حنظلہ کا کیا حال ہے؟ لوگوں کو کچھ نہیں معلوم تھا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں ابھی خبر لاتا ہوں۔ ان کے گھر گئے پوچھا حنظلہ کا کیا حال ہے؟ ان کی بیوی نے جواب دیا کوٹھری میں سر جھکائے بیٹھے ہیں۔ اجازت لے کر گھر میں اندر گئے دیکھا کہ سر جھکائے رو رہے ہیں۔ ان سے حال پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کا حنظلہ تو منافق ہوگیا، کہا کیسے؟ کیا بات ہے؟ جواب دیا کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بار گاہ میں حاضر ہوتے ہیں، آخرت کا، جنت کا، دوزخ کا قیامت کا ذکر سنتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہماری آنکھوں کے سامنے جنت، دوزخ اور آخرت کی چیزیں موجود ہیں۔ ہمارا دل اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہے وہاں سے گھر آئے اور بیوی بچوں سے میل جول ہوا، تو وہ حالت جاتی رہتی ہے یہی تو نفاق ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ حالت تو میری بھی ہے، وہ بھی رونے لگے، تھوڑی دیر بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہمارے لیے تمام باتوں کا حل کرنے والے ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں چلو وہاں اپنی حالت عرض کریں گے۔ دونوں نے حضور کی

خدمت میں حاضر ہوکر اپنی حالت عرض کی۔آ قائے نامدار علیہ السلام فرماتے ہیں تم جیسے میری حضوری اور میری مجلس میں ہوتے ہو اگر ہر وقت اسی حالت میں رہو تو تمہارے بستروں پر فرشتے آ کر تم سے مصافحہ کیا کریں جیسے سورج کے سامنے کوئی چیز آئے گی تو چمکدار اور روشن ہو جائے گی۔حضور کی مجلس میں جو بھی سچائی کے ساتھ آنیوالے تھے ان کے دلوں کا میل کچیل غفلت، دنیا پرستی، نفس پرستی جاتی رہی تھی اور جہاں مجلس سے علیحدہ ہوئے اس میں کمی ہو جاتی تھی مگر آ قائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَيَتْلُو عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَ الْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چار بڑے بڑے کام انجام دیتے تھے اس بات کو قرآن شریف میں کئی جگہ ذکر کیا گیا ہے ایک یہ کہ قرآن کی آیتیں سناتے ہیں اور دوسرے اللہ کی کتاب کو سکھاتے ہیں اور تیسری حکمت کی باتیں بتلاتے ہیں کہ کس حکم میں کیا نتیجے پیدا ہوں گے چوتھا کام یہ تھا کہ تزکیہ فرماتے تھے، پاک وصاف کرتے تھے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی وقلبی طاقت کا ان لوگوں کے دلوں پر ایسا اثر پڑتا تھا کہ دلوں سے غیر اللہ کی محبت اور ہر قسم کی برائی جاتی رہتی ہے، کسی کو کم کسی کو زیادہ مگر اثر ضرور ہوتا تھا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''مَا نَفَضْنَا اَيْدِيَنَا عَنِ التُّرَابِ بِاللّٰهِ وَ قَدْ اَنْكَرْنَا قُلُوْبَنَا'' جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کرنے کے بعد ہم نے ابھی مٹی اپنے ہاتھوں سے جھاڑی بھی نہیں تھی کہ ہم نے اپنے دلوں کو اترا ہوا دیکھا۔اسی وجہ سے تمام اہل سنت والجماعت کا متفقہ مسئلہ ہے کہ صحابی چاہے آپ کی خدمت میں چند منٹ ہی رہا ہو وہ بڑے ولی ومتقی سے افضل واعلیٰ ہے۔

چونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی طاقت بجلی سے بھی زیادہ قوت رکھنے والی تھی، دل ودماغ کو روشن کرنے والی تھی، اس واسطے اس وقت بڑی بڑی ریاضتوں کی ضرورت نہیں پڑتی تھی، صرف اس بات کی ضرورت تھی کہ آ قائے نامدار کی مجلس میں اخلاص کے ساتھ حاضر ہو جایا کریں، مگر جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی کے بعد وہ

طاقت باقی نہ رہی۔ اسی طرح جتنا زمانہ دور ہوتا گیا اسی قدر روحانی اور قلبی روشنی کے اندر کمی ہوتی گئی، تو جس طرح سے برتن کے صاف کرنے اور مانجھنے میں اگر اس کے اوپر میل کچیل اور زنگ کچھ کم ہو تو معمولی طور پر مانجھنے سے وہ زنگ دور ہو جاتا ہے اور زیادہ ہو تو رگڑتے یا مختلف طریقوں سے مانجھا جاتا ہے، تو وہی احسان حاصل کرنا مقصد ہے، جس چیز کو حضرت جبرئیل کی حدیث میں ذکر کیا گیا وہی مقصد ہے مگر زمانہ دور ہونے اور دنیاوی لگاؤ کی طرف طبیعتوں کے مائل ہونے کی وجہ سے مانجھنے کی زیادہ ضرورت پڑتی ہے۔

جو حضرات تصوف میں بڑے تجربہ کار تھے حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ حضرت سری سقطی رضی اللہ عنہ یہ حضرات تصوف کے امام ہیں۔ ان لوگوں نے اپنے تجربہ سے ذکر کرنے، ریاضت کرنے اور مجاہدے کرنے میں جو چیزیں بتلائیں اس کو بعض لوگ اعتراض کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اعتراض یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تو اس طرح کے اذکار و اوراد اور مراقبے تعلیم نہیں کیے جاتے تھے، کسی حدیث میں ان کا تذکرہ نہیں ہے لہٰذا یہ بدعت ہے اور غلط ہے، تو غور کرنے کی بات ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جہاد کے لئے تلواروں اور تیر کمان کا تذکرہ ملتا ہے، اس زمانہ میں توپوں، بندوقوں، مشین گنوں، جہازوں، ٹرینوں، منجنیقوں اور ایٹم بم کا کوئی تذکرہ نہیں تھا، آج اگر شرعی جہاد کی نوبت آئے تو مقابلہ تلوار اور تیر کمان سے نہیں ہوگا۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ ' جو تم سے ہوسکے دشمنوں کے مقابلہ کے واسطے تیاری کرو۔ آگے ارشاد ہے: ''تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ '' جس قسم کی ضرورت پڑے تیاری کرو مگر مقصود اصلی تو اعلاء کلمۃ اللہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قرآن شریف پر زیر و زبر نہیں تھے، آپ نے علیحدہ

علیحدہ لکھوایا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سب کو جمع کر دیا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے سب کو ترتیب دے دی۔ مگر ترتیب دیتے وقت زیر وزبر نہیں رکھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زبان عربی تھی۔ بغیر زیر وزبر کے صحیح قرآن پاک پڑھتے تھے جیسے آج ہم اردو کی عبارت بغیر زیر وزبر کے صحیح پڑھ لیتے ہیں۔ مگر تھوڑے ہی زمانہ بعد جب لوگوں کا میل جول باہر والوں سے ہوا تو زیر وزبر لگانے کی ضرورت سمجھی گئی۔ اب کوئی یوں کہے کہ زیر وزبر اور پیش نقطے لگانا تو بدعت ہے تو اس کو کیا کہا جائے؟

زمانہ کے بدلنے سے احوال بدلتے رہتے ہیں مگر ایسے احوال جو مقصود بدلنے والے نہ ہوں، قرآن میں کئی جگہ ذکر کی بڑی تاکید کی گئی ہے۔

"فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِكُمْ" حکم دیا گیا نماز کے بعد اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو، کھڑے کھڑے، بیٹھے بیٹھے اور کروٹوں پر، کوئی حد نہیں کوئی قید نہیں لگائی، ذکر کرو لفظ "اللہ" کا یا "لا الہ الا اللہ" کا یا "سبحان اللہ" کا ضرب کے ساتھ یا بلا ضرب۔

قرآن شریف میں فرمایا گیا "يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا"۔

اے ایمان والو! اللہ کا خوب ذکر کرو، کوی قید نہیں لگای کہ ذکر کس طرح سے کرنا ہے مطلقاً ذکر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اب اگر ہمارے بڑوں نے تجربہ کار لوگوں نے کہا کہ ذکر کرو روح کا، سر کا، خفی کا تو یہ کوئی نئی بدعت نہ ہوگی۔

ایسے ہی حج کا حکم دیا گیا ہے، پہلے زمانہ میں اونٹوں پر حج کو جاتے تھے، آج جہازوں، موٹروں، اور بسوں سے سفر کرنا پڑتا ہے، مقصد بیت اللہ کی حاضری ہے۔ چاہے جس طرح جائیں، زمانہ کی ضرورتوں کی حیثیتوں سے تھوڑا وسیلوں میں فرق پڑتا گیا، لیکن مقصد میں فرق نہیں ہے، تو خلاصۂ کلام یہ ہے کہ بیعت کے متعلق یہ خیال کرنا کہ یہ "شریعت کے خلاف ہے" بالکل غلط ہے۔ (کنزالعارفین)

بابا گنج شکر کا واقعہ

حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کا واقعہ ہے، ایک آدمی حضرت کے پاس آیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ آیا تو بہت زیادہ غمزدہ اور مایوس تھا حضرت نے پوچھا بھائی کیا پریشانی ہے عرض کیا حضرت بہت غم ہے بہت فکر ہے دو بیٹیاں ہیں ان کی شادی کے لئے میرے پاس کوئی انتظام نہیں، حضرت نے فرمایا کہ اچھا دو اینٹیں اٹھا کر لاؤ، وہ لایا حضرت نے ایک پر کچھ پڑھ کر دم کیا تو سونے کی بن گئی اور دوسری پر دم کیا تو چاندی کی بن گئی۔

حضرت نے فرمایا کہ ان کو فروخت کر کے شادی کرو وہ خوشی خوشی چلا گیا، شادی خوب دھوم دھام سے ہوئی، جب آدمی کو مفت میں ملتا ہے تو بہت زیادہ خرچ کرتا ہے تو چند دنوں کے بعد وہ سب ختم ہو گیا، بیوی سے مشورہ کیا، بیوی نے کہا حضرت نے جو دعا پڑھی تھی وہ تم سیکھ کر آؤ اور اس دعا کے ذریعہ ہم انشاء اللہ مالدار ہو جائیں گے، حضرت کے پاس آیا تو حضرت سمجھ گئے، سلام کے بعد ادھر اُدھر کی باتیں کی، اس کے بعد عرض کیا حضرت وہ دعا سکھا دیں جو آپ نے اس دن اینٹ پر پڑھی تھی تو حضرت نے ہنس کر فرمایا کہ بھائی ہم نے سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کیا تھا، اللہ تعالیٰ نے ایک کو سونا اور دوسرے کو چاندی بنا دیا، اس کو یقین نہیں آیا کہا وہی سورۃ فاتحہ جو قرآن کریم کے شروع میں ہے، فرمایا ہاں ہاں وہی تو ہے، عرض کیا کتنی بار پڑھی تھی، فرمایا میں نے تو ایک بار پڑھی تھی تم تین بار پڑھ لینا، اس کو نسخہ مل گیا چونکہ بے قراری تو پہلے سے تھی، فوراً سلام کر کے چل دیا، گھر میں آیا بیوی سے کہا کہ سارا گھر صاف کرو تمام گھر کا آنگن پاک صاف کیا، جتنی پرانی اینٹیں تھیں سب دھوئی، سب کو ایک جگہ جمع کر دیا اس نے سورۂ فاتحہ ایک بار پڑھی دو بار تین بار سات بار پڑھی کچھ بھی اثر نہیں ہوا، سوچا حضرت نے دعا اصلی والی نہیں بتلائی۔

پھر حضرت کے پاس آیا حضرت سمجھ گئے فرمایا بھائی کیا بات ہے؟ عرض کیا حضرت سو بار پڑھ کر دم کیا تب بھی کچھ نہیں ہوا، حضرت نے فرمایا سورہ فاتحہ بھی وہی ہے جو فریدؒ نے پڑھی تھی اور اینٹ بھی وہی ہے لیکن میرے دوست فرید کی زبان کہاں سے لائے گا، اس لئے کہ فرید کی زبان نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، فرید کی زبان نے کبھی گالی نہیں دی، فرید کی زبان نے کبھی حرام نہیں کھایا، فرید کی زبان نے کبھی غیبت نہیں کی، فرید کی زبان نے کبھی کسی پر بہتان نہیں باندھا، فرید کی زبان ہمیشہ ذکر میں مشغول رہی۔ اینٹ تم لا سکتے ہو سورہ فاتحہ تم پڑھ سکتے ہو لیکن فرید کی زبان تمہارے پاس نہیں۔

معلوم ہوا کہ زبان جتنی پاک اور صاف ہوگی اور اس کا ظاہر و باطن جتنا اچھا ہوگا اللہ تعالیٰ سے اتنا ہی قرب ہوگا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعاً وَخُفْيَةً تم عاجزی اور انکساری کے ساتھ یعنی بے انتہا اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو پکارو: إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ اور اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔ وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا اور تم زمین پر فساد مت کرو جبکہ اصلاح ہو جائے۔ (خطبات رحیمی جلد ہفتم ص/36)

لقمان حکیم رحمۃ اللہ علیہ کا شکر

لقمان حکیم رحمۃ اللہ علیہ کسی کے غلام تھے، ایک مرتبہ باغ میں ان کا آقا آیا اور ایک پھل کاٹ کر حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ کو دیا، تو وہ مزہ لے کر کھانے لگے، جب ایک ٹکڑا اس نے خود کھایا، تو معلوم ہوا کہ بڑا کڑوا پھل ہے، اس نے تھوک دیا اور کہنے لگا کہ لقمان! تم کو یہ پھل کڑوا نہیں لگ رہا ہے؟ تو حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ آپ کے ہاتھ سے میں نے کتنی میٹھی میٹھی چیزیں کھائی ہیں؟ آج ایک مرتبہ آپ کڑوا پھل کھلا دیں، تو کیا میں شکوہ کروں؟

اللہ اکبر! کیسا عجیب جواب دیا، اگر ہم بھی اللہ کے بارے میں ایسا ہی خیال کریں، تو ہماری

کیا حالت ہوگی؟ اللہ کو ناشکری پسند نہیں، اگر شکر کروگے تو نعمت میں اضافہ ہوگا {لَئِنۡ شَكَرۡتُمۡ لَأَزِيدَنَّكُمۡ} اگر اللہ مال دے دے تو بھی خوش رہو اور نہ دے تو بھی خوش رہو اور صحت دے تو بھی راضی رہو، بیماری دے تو بھی خوش رہو۔

قلب اللہ کا مکان ہے

اپنے دل کو دنیا اور اس کی محبت اور تمام نفسانی خواہشات سے پاک وصاف رکھنا چاہیے؛ کیوں کہ یہ دل تو اللہ کا گھر ہے، اس کی پاکیزگی، دوسرے اعضا اور دوسری اشیا کے مقابلے میں بہت زیادہ ضروری ہے۔ آج لوگ ذرا سے کپڑے میلے ہوجائیں، تو نکال دیتے ہیں؛ مگر دلوں کا حال یہ ہے کہ اس میں نجاست ہی نجاست بھری ہوئی ہے؛ مگر اس کے صاف کرنے کی کسی کو فکر نہیں۔

حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم اپنے گھروں کے صحن کو پاک وصاف رکھو۔'' (الجامع للترمذي: ۲۷۳۲)

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھروں کے صحن کو بھی پاک وصاف رکھنے کا حکم فرما رہے ہیں، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جب گھر کے صحن کو پاک رکھنا ضروری ہے، تو گھر کے اندر کا حصہ پاک رکھنا بہ درجۂ اولیٰ ضروری ہے، اسی طرح جب ظاہر کے صاف رکھنے کا حکم ہو، تو باطن کو پاک رکھنا کتنا ضروی ہوگا؟

یہاں ایک بات سمجھ لیں، وہ یہ کہ قلب ایک ایسی چیز ہے، جو دکھائی نہیں دیتی؛ بلکہ وہ تو ایک روحانی چیز ہے؛ اسی لیے قرآن میں فرمایا: إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكۡرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُۥ قَلۡبٌ أَوۡ أَلۡقَى ٱلسَّمۡعَ وَهُوَ شَهِيدٌ۔ (ق: ۳۷)

جس شخص کا دل ہے، اس کے لیے نصیحت کارگر ہوتی ہے، اب سوال یہ ہے کہ قلب تو کافر کے پاس بھی ہے، ملحد کے پاس بھی ہے، تو کیا قرآن سب کو کارگر ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس قلب سے روحانی قلب مراد ہے، وہ گوشت کا لوتھڑا مراد نہیں، جس میں کافر ومؤمن سب شریک ہیں اور یہی

روحانی قلب رب کا مکان ہے، حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلاشبہ اللہ کے لیے اہلِ زمین کے برتن ہیں اور تمھارے رب کے برتن، اس کے نیک بندوں کے قلوب ہیں اور اس کے نزدیک پسندیدہ قلوب وہ ہیں، جو نرمی اور رقت والے ہیں۔ (المقاصد الحسنۃ: ۴۳۹)

بھائی! اب ذرا غور کرو کہ جب ایک معمولی انسان کسی کے گھر آ جائے، تو گھر کو کتنا پاک وصاف کیا جاتا ہے؟! اس کو کتنا سجایا جاتا ہے؟ جب یہ دل خدا کا گھر ہے، تو کیا اس کو گندا و ناپاک رکھا جا سکتا ہے؟ کیا انسان کی قدر ہمارے نزدیک خدا سے بڑھی ہوئی ہے؟ کہ ہم اپنے گناہوں، خطاؤں کے گھر میں اس کو پانا چاہتے ہیں؛ اس لیے بھائی! اس دل کو سنوارو! سجاؤ! خوبصورت بناؤ! خدا کی محبت سے اپنے دل کو حسین وجمیل بناؤ! اس کے بعد دیکھنا کہ خدا کیسے دل میں آتا ہے!

حضرت خواجہ مجذوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک شعر یاد آ گیا:

ہر تمنا دل سے رخصت ہوگئی
اب تو آ جا اب تو خلوت ہوگئی

اور اسی مضمون پر میرے بھی دو اشعار ملاحظہ کیجیے:

نقشِ لیلیٰ ہو چکا ہے پاش پاش عشقِ مولیٰ اب تو حاصل ہوگیا
ہوگئی ہے ہر تمنا دل سے دور اب تو یہ دل تیرے قابل ہوگیا

اس میں اشارہ ہے کہ جب تک دل کو غیر اللہ اور دنیوی محبتوں سے خالی نہیں کیا جائے گا اس وقت تک اللہ دل میں نہیں آ سکتا؛ اس لیے دنیوی وفانی لیلیٰ کو مولی کے لیے قربان کردو۔

دل زنگ آلود ہو جاتا ہے

ایک مرتبہ حضرت مولانا مسیح اللہ خان جلال آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس دفتر میں جو فون تھا،

اس پر گرد وغبار پڑا ہوا تھا، رومال سے ایک بار جھاڑا گیا، تو وہ صاف ہو گیا، یہ دیکھ کر حضرت اقدس نے فرمایا: دل کی مثال بھی ایسی ہی ہے کہ گناہوں کی وجہ سے اس پر گرد آتا رہتا ہے؛ اس لیے روزانہ ہم دل کو استغفار کی کثرت، ذکر و تسبیح وغیرہ سے جھاڑتے رہیں گے، تو وہ صاف شفاف آئینے کی طرح رہے گا، جس کی وجہ سے طاعت میں حلاوت آئے گی، نیکیوں میں جی لگے گا اور اگر یوں ہی بغیر صفائی کے چھوڑ دیں گے، تو اس دل پر گناہوں کی دھول جمتے جمتے، وہ دل زنگ آلود ہو جائے گا، جیسے قرآن کریم میں ہے: کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِہِمْ (ان کے دلوں پر زنگ آ گیا ہے) (المطففین: ۱۴)

پھر جس طرح برتنوں وغیرہ میں زنگ آ جائے، تو اس کی صفائی دشوار ہوتی ہے، اسی طرح دل کی صفائی بھی مشکل ہوگی؛ اس لیے اس کی صفائی بار بار کرتے رہنا چاہیے۔ ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''إِنَّ هٰذِهِ الْقُلُوْبَ تَصْدَأُ كَمَا يَصْدَأُ الْحَدِيْدُ إِذَا أَصَابَهُ الْمَاءُ. قِيْلَ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! وَمَا جِلَاءُهَا؟ قَالَ: كَثْرَةُ ذِكْرِ الْمَوْتِ وَتِلَاوَةِ الْقُرْآنِ۔'' (مشکوۃ المصابیح: ۱۸۹)

بلا شبہ ان دلوں پر زنگ آ جاتا ہے، جیسے لوہے پر زنگ آ جاتا ہے، جب اسے پانی لگ جاتا ہے، پوچھا گیا کہ اے اللہ کے رسول! اس زنگ کو صیقل کس طرح کیا جا سکتا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ موت کی یاد اور تلاوت قرآن کی کثرت۔

جب موت کو یاد کرے گا، تو نرمی پیدا ہوگی، رونا آئے گا، جب روئے گا تو دل کی صفائی ہو گی؛ کیوں کہ آنسوں کا قطرہ جہنم کی آگ کو بجھا سکتا ہے تو دل کے زنگ کو بھی ضرور دور کر سکتا ہے۔

(فیضان معرفت جلد اول، ص/65)

دلوں پر زنگ کیوں آتا ہے؟

حکیم اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مرشدی حضرت شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: دلوں پر زنگ آنے کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح لوہے کو جب پانی لگتا ہے، تو زنگ آ جاتا

ہے؛ کیوں کہ پانی اور لوہے میں مناسبت نہیں ہے، دونوں میں جوڑ نہیں ہے، ناجنس کی صحبت کی وجہ سے اس کو زنگ لگتا ہے، اسی طرح سے جب دو بے جوڑ اور ناجنس چیزیں ملتی ہیں، تو فتور پیدا ہو جاتا ہے، فرمایا کہ اسی طرح جب دل ناجنس اور بے جوڑ چیز (یعنی گناہ) سے ملتا ہے، تو زنگ آجاتا ہے۔

بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے دودھ کا واقعہ

بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ بڑے اولیاء اللہ میں سے تھے، ان کا انتقال ہوا، تو کسی نے خواب میں ان کو دیکھ کر پوچھا کہ حضرت! اللہ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ تو جواب دیا کہ جب پیشی ہوئی تو اللہ نے پوچھا کہ بایزید! میرے لیے کیا لائے ہو؟ میں نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا: اے اللہ! کوئی عبادت اس لائق نہیں کہ تیری جناب میں پیش کرسکوں، سب میں عیب و قصور ہے؛ البتہ تیرے لیے توحید لایا ہوں؛ کیوں کہ میرا عقیدہ تو مضبوط تھا کہ تو ہی سب کچھ کرنے والا ہے، نفع کا مالک تو، نقصان کا مالک تو، مشکل کشا تو، حاجت روا تو؛ اس لیے میری جانب سے آپ کے لیے توحیدِ خالص کا تحفہ پیش ہے۔

فرماتے ہیں کہ اللہ نے فرمایا کہ اچھا! توحید لائے ہو، وہ دودھ کی رات والا قصہ یاد نہیں؟ تو میں نے لاعلمی ظاہر کی، تو اللہ نے خود یاد دہانی فرمائی اور کہا: ایک رات تم نے دودھ پیا تھا، پھر تمھارے پیٹ میں درد ہو گیا، تو تم نے کہا تھا کہ دودھ نے پیٹ میں درد پیدا کر دیا، بتاؤ! درد میں پیدا کرتا ہوں، یا دودھ کرتا ہے؟ کیا یہی تمہاری توحید ہے؟ جس کو تم میرے دربار میں پیش کرنا چاہتے ہو؟ جاؤ! اس میں شرک کی آمیزش ہے، حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کہ اے اللہ! میرے پاس تو کچھ نہیں ہے، نہ کوئی عمل و نیکی، نہ ایمان و توحید، جو تیرے شایانِ شان ہو؛ اس لیے محض تیرے فضل سے معاف فرما دے۔

کسی شاعر نے قیامت کے میدان کا نقشہ کھینچا ہے اور اپنے ایک شعر میں یہی مضمون بڑے

عجیب انداز سے ادا کیا ہے:

نیکیاں جن کو میں سمجھا، وہ معاصی نکلے
کفر ہی کفر تھا، ایمان بڑی مشکل ہے

کبھی کتے سے بھی سبق مل جاتا ہے

امام شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے والد حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ ایک راستے سے گزر رہے تھے، اُسی راستے میں دوسری طرف سے ایک کتا آ رہا تھا اور راستہ اتنا تنگ تھا کہ کوئی ایک ہی اس پر سے گزر سکتا تھا، جب کتا قریب آیا، تو شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ارے کتے! تو نیچے اتر جا، اس لیے کہ میں نیچے اتروں گا، تو میرے کپڑے گندے ہو جائیں گے اور مجھے نماز پڑھنا ہے اور تجھے کیا؟ تو تو گندگی ہی میں رہتا ہے، گندا ہوگا، تو پھر صاف بھی ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے کتے کو بولنے کی طاقت دے دی، کتا کہنے لگا، شاہ صاحب! آپ کی یہ بات تو صحیح ہے کہ اگر میں گندے نالے میں اتروں گا تو ناپاک ہو جاؤں گا، پھر پانی میں ایک ڈبکی لگاؤں گا، تو صاف ہو جاؤں گا؛ مگر آپ کے دل میں میری جو حقارت اور اپنی بڑائی آئے گی، اس سے آپ کے دل میں جو نجاست پیدا ہوگی، وہ سات سمندروں کے پانی سے بھی ختم نہیں ہو سکتی۔

اللہ اکبر! یہ سن کر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کتے سے معافی مانگنے لگے اور اللہ کی جناب میں توبہ کی، آج ہم لوگ کتے تو کتے، انسانوں؛ بلکہ اپنے سے بڑے وافضل لوگوں کی بھی تحقیر کرتے ہیں اور اپنے کو سب سے بڑا سمجھتے ہیں، غور کرو کہ ہمارے دلوں کی گندگی کا کیا حال ہوگا۔

حقیر سمجھنے کا انجام - ایک عبرت ناک حکایت

ابو عبداللہ اندلسی رحمۃ اللہ علیہ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھیوں میں ہیں، حافظِ حدیث

تھے، کئی ہزار احادیث یاد تھیں، وہ ایک مرتبہ کہیں جا رہے تھے، راستے میں کچھ لوگ بتوں کی پوجا میں مصروف تھے، ان کو دیکھ کر دل میں ان کی حقارت آ گئی اور دل دل میں کہنے لگے، یہ تو جانور سے بدتر ہیں، بس اسی پر اللہ کی پکڑ شروع ہوگئی آگے بڑھے تو ایک لڑکی پر نظر پڑ گئی، اس پر دل فریفتہ ہو گیا، اس سے جا کر کہا کہ میں تیرے ساتھ رہنا چاہتا ہوں، اس نے کہا کہ میرے والد سے بات کرو، انھوں نے اس لڑکی کے والد سے بات کی، تو اس نے کہا: میں دو شرطوں پر میری لڑکی سے تمھاری شادی کروں گا: ایک شرط یہ کہ تم عیسائی بن جاؤ، دوسری شرط یہ کہ میرے خنزیر ہیں، ان کو چرانا ہوگا، چوں کہ ان کا دل اس لڑکی کی طرف بہت مائل ہو چکا تھا؛ اس لیے انھوں نے ان دو شرطوں کو قبول کر لیا اور عیسائی بن گئے، بہت دنوں بعد ان کے پاس شبلی رحمۃ اللہ علیہ آئے، دیکھا کہ عیسائی بن گئے ہیں اور خنزیر چرا رہے ہیں، شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: تم کو کوئی آیت یاد بھی ہے؟ کہنے لگے کہ نہیں! صرف ایک آیت یاد ہے: {وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْإِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيْلِ} (جو اپنے سچے دین کو بدل دے وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا) پھر شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے دریافت کیا کہ احادیث میں سے کچھ یاد ہیں؟ انھوں نے کہا کہ ہاں صرف ایک حدیث یاد ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهُ فَاقْتُلُوْهُ'' (الصحیح للبخاري: ۶۹۴۷۲، الجامع للترمذي: ۱۴۵۸)

جو مرتد ہو جائے اسے قتل کر دو۔

پھر ان پر اللہ کا فضل ہوا اور شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے سمجھایا تو دوبارہ اسلام لائے، اس واقعے میں آپ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ان کو یہ سزا مخلوق کی حقارت کرنے پر ملی، حالاں کہ انھوں نے کافروں کو حقیر سمجھا تھا، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کافروں کو بھی حقیر نہیں سمجھنا چاہیے؛ بل کہ ان کے گناہ کو حقیر سمجھنا چاہیے۔ (فیضان معرفت جلد اول، ص/74)

گناہ کر کے حقیر سمجھنا بہتر ہے

’’مکتوبات امام ربانی‘‘ میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت! میرے اندر دو حالتیں ہیں: ایک یہ کہ عبادت کرتا ہوں تو تکبر میں مبتلا ہو جاتا ہوں، دوسری یہ کہ اگر گناہ ہو جائے تو اپنے آپ کو حقیر سمجھتا ہوں، ان دو حالتوں میں سے بہتر کونسی حالت ہے؟

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے جواب میں لکھا: تمھاری دوسری حالت کہ گناہ کر کے اپنے آپ کو حقیر سمجھتے ہیں، یہ ہزاروں درجہ بہتر ہے پہلی حالت سے، جس میں عبادت کر کے فخر میں مبتلا ہو جائے۔ اللہ ہماری حفاظت فرمائیں۔ آمین۔

واعظین اپنے کو بڑا نہ سمجھیں

آج لوگ وعظ و نصیحت کر کے اپنے آپ کو بڑا اور مخلوق کو حقیر سمجھتے ہیں، یہ بڑی غلط بات ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جو اپنے زمانے کے ’’حکیم الامت‘‘ مانے جاتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ جب میں کسی کو وعظ کہتا ہوں یا نصیحت کرتا ہوں، تو اپنے آپ کو یوں سمجھتا ہوں کہ بادشاہ نے حکم دیا ہے کہ شہزادے کو یہ بات سنا دو۔

بہت بڑی بات فرمائی حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے، جو انسان سامعین کو شہزادہ تصور کرے وہ ان کو حقیر کیسے سمجھ سکتا ہے؟ اس لیے کہ بادشاہ کسی خادم کے ذریعے شہزادے کو کوئی بات کہلوائے تو خادم شہزادے سے بڑا نہیں ہو جاتا؛ مگر افسوس ہے کہ واعظین آج لوگوں کو حقیر سمجھتے ہیں اور ان کے لیے نامناسب القاب استعمال کرتے ہیں۔

جانور سے بھی اپنے کو افضل نہ سمجھے

حضرت مسیح الامتؒ نے فرمایا: بچو! تم سب میرے سے افضل ہو، میں تم میں سب سے زیادہ حقیر

ہوں، پھر فرمایا: میں تو خنزیر سے بھی حقیر ہوں۔

اللہ اکبر! یہ اللہ والے سب کچھ کرنے کے باوجود اپنے آپ کو کچھ نہیں سمجھتے، ہم کچھ کیے بغیر ہی اپنے آپ کو سب کچھ سمجھتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ اپنے آپ کو خنزیر سے بھی افضل سمجھنے کی اجازت نہیں۔

ایک بزرگ کے سامنے کسی نے خنزیر کو برا جانور کہا جیسا کہ عام طور پر کہا جاتا ہے، تو انھوں نے کہا کہ تم غلط کہتے ہو، برے تو ہم ہیں؛ کیونکہ وہ تو اپنی ڈیوٹی پوری کررہا ہے، جس کے لیے اللہ نے اس کو پیدا کیا ہے؛ مگر ہم اپنی ڈیوٹی انجام نہیں دے رہے ہیں جس کے لیے اللہ نے ہمیں پیدا کیا، اب بتاؤ! ہم بہتر ہیں یا خنزیر بہتر ہے؟

بچوں کو نیک بنانے ماں باپ کا نیک ہونا ضروری ہے

ایک میاں بیوی نے عہد کیا کہ ہم صحیح اور نیک زندگی گزاریں گے اور کوئی کام خلاف شرع نہیں کریں گے؛ تاکہ ہمارے بچے پر اچھے اثرات مرتب ہوں، چناں چہ ان دونوں نے صحیح طریقے پر اپنی ازدواجی زندگی کا آغاز کیا اور احتیاط کی زندگی گزارتے رہے، ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ان کے بچے نے اسکول میں دوسرے بچے کا کچھ سامان چوری کرلیا، تو استاذ نے ماں باپ کو اطلاع دی، ماں باپ گئے اور بچے کو تنبیہ کی، پھر گھر آکر غور کرنے لگے کہ ہم نے عہد کیا تھا، نیک زندگی گزاریں گے، پھر بچے میں یہ چوری کا اثر کیسے ہوگیا؟ تو ماں نے کہا کہ اس میں غلطی میری ہے؛ کیوں کہ ہمارے پڑوس کے گھر میں ایک بیر کا درخت ہے، جس کی ایک شاخ ہمارے گھر میں آئی تھی اور اس بچے کا جب حمل مجھے تھا، تو میں نے اس میں سے بغیر اجازت کے کچھ بیر کھا لیے تھے؛ اسی چوری کا اثر بچے پر ہوا ہے۔

شکر گزار فقیر افضل ہے

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ حضرت مال دار شکر گزار افضل ہے یا

فقیر صابر افضل ہے؟ فرمایا: ان میں سے کوئی بھی افضل نہیں ؛ بلکہ شکر گزار فقیر افضل ہے کہ مصیبت آئی تب بھی شکر کر رہا ہے، میں اس کی مثال دیتا ہوں ، جیسے کوئی بیمار ہوا ، ڈاکٹر نے کہا آپریشن کرنا ہوگا اور پیسے بھی دینے پڑیں گے، مریض نے ڈاکٹر سے آپریشن بھی کرایا اور پھر باادب روپیے بھی دیے اور اس پر ڈاکٹر کا شکریہ بھی ادا کیا، یہاں کوئی مریض یہ نہیں کہتا کہ ڈاکٹر صاحب! آپ نے میرا جو آپریشن کیا، اس پر میں آپ کا کوئی شکوہ نہیں کرتا؛ بلکہ اس پر میں صبر کرتا ہوں ؛ بلکہ یہ کہے گا کہ آپ کا شکریہ کہ آپ نے میرا علاج کر دیا اور میرے اوپر آپ نے احسان فرمایا، جب دنیا کا ادنیٰ ڈاکٹر جس کی طرف سے یہ بھی امکان ہے کہ غلط کر ڈالے اور یہ بھی امکان ہے کہ اپنی غرض کے لیے آپریشن کرتا ہو، جب وہ ہمیں تکلیف و مصیبت دے رہا ہے اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اس میں ہمارا فائدہ اور مصلحت ہے، تو ہم اس کا شکریہ ادا کرتے ہیں ، تو حقیقی ڈاکٹر اللہ تعالیٰ کوئی بیماری ہمارے ہی فائدہ کے لیے دیتا ہے، تو کیا شکر نہیں کیا جا سکتا؟ اور وہ ہماری مصلحت کے لیے کبھی فقر و فاقہ دے تو کیا اس پر اس کا شکر نہیں ہو سکتا؟ بے شک ہو سکتا ہے، اس لیے فقیرِ شاکر سب سے افضل ہے۔

اللہ والا بننے کے لیے دنیا چھوڑنا ضروری نہیں

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ والا بننے کے لیے تجارت ، بیوی ، بچے ، سب کچھ چھوڑنا ضروری ہے، یہ غلط بات ہے، شیطانی وسوسہ اور دھوکہ ہے؛ بلکہ اگر آپ تاریخ کا مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تجارت بھی کرتے تھے، ملازمت بھی کرتے تھے، بیویوں کے حقوق بھی ادا کرتے تھے، بچوں کی دیکھ ریکھ بھی کرتے تھے، پھر بھی سب سے بڑے اللہ والے تھے، ان سے بڑا اللہ والا اور کون ہو سکتا ہے؟ اور مذہب اسلام بھی یہی تعلیم دیتا ہے کہ کاروبار اور تمام کام کرتے ہوئے تم اللہ والے بن کر رہو اور سب کے حقوق ادا کرو اور یہی ذریعہ ہے اللہ تک پہنچنے کا،

اس کے برخلاف اگر کوئی اپنے اہل وعیال کے، ماں باپ کے، پڑوسیوں کے اور رشتہ داروں کے حقوق ادا نہ کرے، تو وہ حقیقی اللہ والا ہی نہیں۔

چنانچہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ کچھ لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر آکر ازواج مطہرات سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے متعلق دریافت کرنے لگے، جب ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا اصول وطریقہ بتایا گیا کہ آپ نماز بھی پڑھتے ہیں اور کبھی آرام بھی کرتے ہیں، کبھی روزے رکھتے ہیں اور کبھی افطار کرتے ہیں؛ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں اور بچوں کے ساتھ رہتے ہیں، تو انھوں نے اس کو بہت کم شمار کیا اور کہنے لگے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات تو دوسری ہے؛ اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بخشے بخشائے ہیں، پھر ان میں سے ایک کہنے لگا کہ میں ہمیشہ رات بھر نماز پڑھوں گا، دوسرے نے کہا: میں ''صوم دہر'' رکھوں گا (بالکل افطار نہیں کروں گا)، تیسرے نے کہا: میں عورتوں سے الگ رہوں گا، شادی نہیں کروں گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا: خدا کی قسم! میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور تم سے بڑا متقی ہوں؛ لیکن میں روزہ بھی رکھتا ہوں، افطار بھی کرتا ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں، سوتا بھی ہوں، شادی بھی کرتا ہوں، پس جو میرے طریقے سے اعراض کرے، وہ مجھ سے نہیں ہے۔ (الصحیح للبخاري: ۴۶۷۵، الصحیح للمسلم: ۲۴۸۷)

اس حدیث میں بڑی عبرت ہے؛ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رأس الاولیا ہونے کے باوجود، دنیوی سارے کام انجام دیتے تھے، تمام کے حقوق ادا کرتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ والا بننے کے لیے راہب بننا ضروری نہیں؛ بلکہ جائز بھی نہیں۔

اسی لئے جو یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ والا بننا دنیا چھوڑنے سے ہی ہوتا ہے؛ یہ غلط ہے، اصل یہ ہے کہ محنت وکوشش کی جائے احکام الٰہی پر چلنے کی، یہی اللہ والا بننا ہے؛ ورنہ تو بعض لوگ دنیا چھوڑ کر بھی اللہ والے نہیں بنتے۔ مثلاً بعض لوگ مدرسے کے ماحول میں جو دینی، اصلاحی

ماحول ہوتا ہے، رات دن’’ قال اللہ وقال الرسول‘‘ ہوتا ہے، اس کے باوجود بعض طلبہ ہیں، جونماز تک نہیں پڑھتے ۔

معلوم ہوا اللہ والا بننے کے لیے اصل فکر وتڑپ ہے، آپ سب کچھ کرتے ہوئے بھی اگر تڑپ وفکر ہو، تو اللہ والے بن سکتے ہیں، دنیا کے جھمیلے ومصروفیات آپ کو اللہ والا بننے سے نہیں روک سکتے ۔

ہم تو سنار تھے لوگوں نے لوہار سمجھ لیا

ایک پتھر کا خوفِ خدا میں رونا

آج ہمارے دلوں کے اندر سے اللہ کا خوف نکل گیا، حالانکہ یہ خوف وہ چیز ہے کہ اللہ کی وہ مخلوق جس کو ہم بے جان سمجھتے ہیں اس کو بھی حاصل ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ حضرت موسی علیہ السلام ایک دفعہ جارہے تھے اوران کو جانا تھا کوہِ طور پر اللہ سے ملاقات کے لیے، وہ کلیم اللہ تھے، اللہ سے گفتگو ہوتی تھی، اللہ سے ملاقات ہوتی تھی، جاتے جاتے راستے میں ایک جگہ ان کو نظر آیا کہ ایک پتھر بہت زور سے رو رہا ہے۔ آپ کہیں گے کہ پتھر کس طرح روسکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جس کو ہم بے جان اور بے شعور مخلوق سمجھتے ہیں، وہ حقیقت میں نہ بے جان ہے اور نہ بے شعور؛ بلکہ یہ سب چیزیں جاندار ہیں۔ (فیضان معرفت جلد اول، ص/ 108)

عشقِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک لکڑی کا رونا

خود ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ ’’بخاری شریف‘‘ میں موجود ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک منبر لکڑی کا تھا، جو ویسا ہی معمولی سا بنا ہوا تھا، کوئی مستقل منبر نہ تھا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس پر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے، کچھ لوگوں کو توجہ ہوئی، تو انھوں نے مسجد کے اندر مستقل ایک منبر تعمیر کر کے وہاں نصب کر دیا اور لکڑی کا عارضی منبر جو وہاں پر موجود تھا، اس کو وہاں

سے ہٹا دیا، اس کے بعد حسبِ معمول اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ میں خطبہ ارشاد فرمانے تشریف لائے اور منبر پر کھڑے ہوئے، تو دیکھا کہ کسی کے بلک بلک کر رونے کی آواز آرہی ہے، سب پریشان کہ یہ کون رو رہا ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم ادھر ادھر پریشان ہو کر دیکھنے لگے، پھر کسی نے بتایا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادھر، وہ منبر رو رہا ہے جس کے اوپر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اب تک کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ چھوڑ کر اس کی طرف تشریف لے گئے اور جا کر اس سے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ کیوں رو رہا ہے؟ منبر جواب دینے لگا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! اب تک آپ کی قربت مجھے نصیب تھی، نئے منبر کے بننے کے بعد مجھے ایک کونے میں ڈال دیا گیا، میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی برداشت نہیں کرسکتا۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سینے سے لگایا اور اس کو تسلی دی تو وہ خاموش ہو گیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ صلی الله علیه وسلم بِيَدِهٖ لَوْ لَمْ أَلْتَزِمْهُ مَازَالَ بَاكِياً حطباً حَتّٰى يَوْمَ الْقِيَامَةِ، حزناً عَلٰى فِرَاقِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم"۔

اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر میں اس کو اپنے سینے سے نہ لگاتا، تو یہ میری جدائی کے صدمے میں قیامت تک روتا رہتا، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جاؤ! اس کو دفن کر دو۔ (الصحیح للبخاري: ۳۳۱۹، سنن ابن ماجۃ: ۱۴۰۷، سنن الدارمي: ۴۱)

دنیا میں رونا سیکھو

قیامت کے دن کے رونے سے بچنے کے لیے، اس دنیا میں کچھ ندامت کے آنسو بہالو ، رات میں اٹھ کر رویا کرو، اپنے گناہوں کو یاد کر کر کے رویا کرو اور اس سے مانگا کرو کہ اے اللہ ! میں گنہ گار بندہ ہوں، مجھے معاف فرما! جب یہاں روئے گا، وہاں اس کی آنکھ محفوظ ہوگی، یہاں

سوتا پڑا رہا، عیش کرتا رہا، اللہ اس کو کبھی یاد نہیں آیا، گناہوں کی گندگی میں زندگی کو ملوث کرتا رہا، ایک آنسو اللہ کے لیے کبھی نہیں بہایا، یوں ہی اس کی زندگی ہوگئی، قیامت کے میدان میں جا کر "کُلُّ عَیْنٍ بَاکِیَۃٌ" (ہر آنکھ روتی رہے گی) اس کو بھی روتے رہنا ہوگا اور یاد رکھو! یہاں کا رونا ختم ہوجائے گا، قیامت کا رونا کبھی ختم نہ ہوگا، جیسے جہنم کبھی ختم نہ ہوگی، وہاں کی تکلیفیں بھی ختم نہ ہوں گی: اس لیے اس سے پہلے کہ وہ دن آئے، دنیا میں کچھ رولیا کرو، کبھی اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر ٹھنڈے دل سے غور کرلیا کرو اور ساتھ ساتھ سوچو کہ ہم نے کیا کیا؟ گناہ کیے، اللہ کے سامنے کیا منھ لے کر ہم جائیں گے؟ پھر جو آنسو نکلے گا؟ وہ دل کو صاف کردے گا، وہ دل کو پاک کردے گا۔

اللہ کو رونا بہت پسند ہے-ایک واقعہ

ایک بزرگ تھے، جو بہت مقروض تھے، جب قرض خواہوں کا مطالبہ زیادہ ہونے لگا، تو ایک دن تمام قرض خواہوں کو بلایا کہ فلاں دن آجانا، قرض ادا کردوں گا، تو سب جمع ہوگئے، انتظار کرتے رہے؛ مگر ان کے پاس کچھ تھا ہی نہیں، کیا دیتے؟! لوگوں سے کہہ دیا کہ بیٹھ جاؤ، اللہ دے گا تو دیدوں گا۔

لوگ ٹھان کر آئے تھے کہ آج تو لے کر ہی جانا ہے، اس سے پہلے ٹلنا نہیں ہے؛ لہٰذا سب انتظار میں بیٹھ گئے، کچھ دیر بعد ایک بچہ مٹھائی بیچتا ہوا وہاں سے گزرا، تو ان بزرگ نے اپنے خادم سے کہا کہ دیکھو کیا آواز ہے؟ خادم نے بتایا کہ ایک لڑکا مٹھائی، حلوا بیچ رہا ہے اور آواز لگا تا جارہا ہے، ان بزرگ نے کہا کہ بھائی! اس کو بلاؤ اور ان مہمانوں کو حلوا لے کر کھلاؤ، چناں چہ اسے بلایا اور ساری مٹھائی خرید کر سب کو کھلادی، جب سب لوگ کھا چکے تو اس بچے نے مٹھائی کی رقم مانگی، وہ بزرگ کہنے لگے کہ اگر پیسے ہوتے تو یہ سب کیوں بیٹھے ہوتے؟ تو بھی ان کے ساتھ بیٹھ جا، جب

اللہ دیں گے تو دے دوں گا، اس پر وہ خوب رونے لگا اور چیخ چیخ کر رونے لگا، پوچھا کہ کیوں روتا ہے؟ کہا کہ میری ماں مارے گی، اگر میں اس مٹھائی کی رقم نہ لے جاؤں، اسی درمیاں میں کچھ دیر بعد اللہ نے رقم کا انتظام فرما دیا، ایک صاحب نے ان بزرگ کے دروازے پر دستک دی اور ایک تھیلی میں اشرفیاں لاکر حضرت کی خدمت میں پیش کر دیں، بزرگ نے خادم کو گننے کا حکم دیا کہ دیکھیں کتنی ہیں؟ جب گنی گئیں تو وہ اشرفیاں اتنی تھیں کہ قرض خواہوں کے قرض اور مٹھائی کی قیمت کے لیے کافی ہو گئیں اور اس سے قرض بھی ادا کر دیا گیا اور اس مٹھائی والے بچے کو اس کی قیمت بھی دے دی گئی، سب چلے گئے، اس کے بعد یہ بزرگ اللہ تعالیٰ سے کہنے لگے کہ اے اللہ! تو نے انتظام تو کر دیا؛ مگر رسوا کر کے دیا، جلدی نہیں دیا، اس کی کیا حکمت ہے؟ اللہ کی طرف سے الہام ہوا کہ ہماری طرف سے تاخیر اس لیے ہوئی کہ یہاں مانگنے والے تو سب تھے؛ مگر ان میں کوئی رونے والا نہیں تھا، جب ایک بچہ رونے والا آگیا تو میں نے دے دیا۔

معلوم ہوا کہ اللہ کو رونا بہت پسند ہے؛ اس لیے اس کی جنابِ عالی میں رونے اور گریہ وزاری کی عادت ڈالنا چاہیے۔

سید احمد شہید رائے بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ

میں آپ کو ایک واقعہ سناتا ہوں جو عبرت انگیز ہے اور یہ واقعہ میں نے حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک وعظ میں سنا ہے اور یہ واقعہ ہے حضرت سید احمد شہید رائے بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا، حضرت سید احمد شہید بریلوی رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان کے ایک مشہور بزرگ اور بڑے اللہ والے تھے اور انھوں نے ہندوستان کے اندر حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے فتوے پر جہاد کی مہم کا آغاز کیا تھا، انھی جہادی مہموں کا نتیجہ ہے کہ آگے چل کر یہ ملک آزاد ہوا اور اگرچہ بہ ظاہر یہ

تحریکات ناکام ہوئیں، ؛مگر درحقیقت بعد کی تمام تحریکات کے لیے یہی تحریکات پیش خیمہ تھیں، انگریزوں کے یہاں سے بھاگنے کا ذریعہ ان ہی علمائے کرام کا طفیل ہے، بعض جاہل کہتے ہیں کہ صوفیا نے جہاد نہیں کیا، حضرت سید احمد شہید بریلوی رحمۃ اللہ علیہ مایۂ ناز صوفی ہونے کے ساتھ مایۂ ناز مجاہد بھی تھے، انھوں نے سب سے پہلے آزادی کی جنگ لڑی ہے، حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے فرمان پر وہ کئی جہاد کی مہموں پر گئے ؛ بلکہ وہی سپہ سالار بھی تھے اور اسی میں ان کی شہادت واقع ہوئی، بعض جاہلوں نے صوفیائے کرام کے بارے میں یہ بات پھیلا رکھی ہے کہ صوفیا صرف تسبیح گھونٹتے رہتے ہیں ، دیکھو! اگر تمہاری آنکھ ہو اور اگر تمھارے پاس دل ودماغ صحیح موجود ہو، تو صوفیائے کرام کے کارناموں کو دیکھو اور یہ کتنا بڑا صوفی ہے، جن کا نام سید احمد شہید رائے بریلوی رحمۃ اللہ علیہ ہے، جو سب سے پہلے جہاد کی مہم کا آغاز کرنے والا تھا۔

الغرض سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ ایک جہاد کی مہم پر گئے، پنجاب کا علاقہ تھا، وہاں پر پنجابی عورتیں باہر آتی جاتی تھیں، گھومنے اور پھرنے آتی تھیں، بازاروں میں بھی آتی جاتی تھیں، ایسے علاقے میں حضرت کا اور تمام مجاہدین کا قیام تھا، ایک دن ایک پنجابی آدمی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آیا اور کہا کہ مولانا! میں ایک بات پوچھنے آیا ہوں کہ آپ ان اندھوں کو لے کر یہاں کیوں آئے ہیں؟ اور کیا بستی کے لوگوں میں آپ کو کوئی صحت مند لوگ نہیں ملے کہ آپ اندھوں کو لے کر آ گئے؟ آپ تو کچھ دیکھتے ہوئے نظر آتے ہیں؛ مگر اتنے سارے یہ اندھے جو کچھ دیکھتے ہی نہیں، ان کا کیا کام ہے؟ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میرے پاس تو کوئی اندھا نہیں ہے، سب آنکھ والے ہیں، اچھی طرح دیکھتے ہیں، پھر پوچھا کہ تم نے کیسے سمجھ لیا کہ یہ سب اندھے ہیں؟ اس نے کہا: میں ان سب کو اندھا؛ اس لیے کہہ رہا ہوں کہ میں دیکھتا ہوں کہ ہماری عورتیں یہاں آتی جاتی ہیں، بازاروں میں بھی گھومتی پھرتی ہیں، حسین وجمیل ہیں؛ لیکن آپ کے ساتھیوں میں کوئی ایک آدمی بھی کسی عورت پر نگاہ

نہیں ڈالتا، ان کو آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھتا، اس سے میں نے سمجھا کہ یہ سب اندھے ہوں گے، حسن وجمال کا کیا نظارہ کریں گے، حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بھائی! تم نے صحیح دیکھا؛ اس لیے کہ ہمارا کوئی آدمی کسی عورت کو نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھتا؛ اس لیے کہ ہمارے قران کا حکم ہے:

قُلۡ لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ يَغُضُّوۡا مِنۡ اَبۡصَارِهِمۡ ۔

اے نبی! آپ مؤمنوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نگاہوں کو نیچا رکھا کریں۔

یہ عفت اور پاکدامنی کا تقاضا ہے، ہمارے یہ مجاہدین کسی عورت پر نگاہ نہیں ڈالتے، وہ شخص کہنے لگا کہ میں نے تو ان کو اندھا سمجھ لیا تھا، دراصل میں ہی اندھا تھا اور آج آپ نے مجھے بینا بنا دیا۔

حضرات! جو قرآن نہ پڑھتا ہو، وہ سب سے بڑا اندھا ہے، جو حدیث نہ پڑھتا ہو، وہ سب سے بڑا اندھا ہے، یہ اندھے نہیں ہیں، جو نیچے دیکھ رہے ہیں، وہ تو اللہ کے حکم کو دیکھ رہے ہیں۔

غرض یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین قسم کی آنکھ قیامت کے دن رونے سے محفوظ رہے گی: اللہ کے ڈر سے رونے والی آنکھ اور اللہ کے راستے میں جاگنے والی آنکھ اور تیسرے ''كَفَّتۡ عَنۡ مَحَارِمِ اللهِ'' وہ آنکھ جو اللہ کی حرام کردہ چیزوں سے اپنے آپ کو بچائے۔

ایک حیرت ناک واقعہ

یہ آنکھوں کے آنسوں بڑے قیمتی ہوتے ہیں اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی آنکھ پر جہنم حرام ہو جاتی ہے اور اس کے آنسو جہنم کی آگ کو بھی بجھا دیتے ہیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں ایک عجیب قصہ پیش آیا، وہ یہ کہ لکھنؤ کا رہنے والا ایک آدمی تھا، کام دھام نہ ملنے کی وجہ سے پریشان تھا، ایک دفعہ اسے کسی نے مشورہ دیا کہ تو کسی اور شہر اور علاقے میں چلا جا، ہوسکتا ہے کہ وہاں کچھ کام لگ جائے، وہ آدمی ایک

سواری پر سوار ہوکر دوسری بستی کے لیے نکلا، راستے میں ایک بستی پر سے گزر ہوا اور بھوک تیز لگ رہی تھی، وہاں اُترا اور کچھ کھایا پیا اور آگے بڑھ گیا، ایک دوسرے مقام پر جانا تھا، وہاں گیا اور خوب کمایا، اس کی لڑکی کی شادی طے ہوگئی، اس نے کہا: اب شادی کرنے جانا ہے، روپئے پیسے جمع کر کے تھیلی باندھ کر، سوار ہوکر، پھر واپس آرہا تھا کہ راستے میں ایک جگہ پر کھانے پینے کی ضرورت پڑ گئی، وہاں پر اُترا، تو لوگوں نے بتایا کہ یہاں پر ایک شخص کا انتقال ہوگیا ہے؛ اس لیے جنازے میں شریک ہوجاؤ، تو وہ شخص جنازے میں شریک ہوگیا اور وہ خود تدفین میں شریک رہا، فراغت کے بعد جب وہاں سے نکلنا چاہا، تو دیکھتا ہے کہ پیسوں کی تھیلی غائب، جس میں ہزاروں روپئے موجود تھے اور وہ اسی رقم سے اپنی بچی کی شادی کرنا چاہتا تھا، وہ سوچنے لگا کہ پیسے غائب ہو گئے ہیں، تو اپنے گاؤں جا کر کیا کروں گا، لوگ تھوتھو کریں گے، برا بھلا کہیں گے، اتنے سال غائب رہا، اب بچی کی شادی کا نمبر آیا، اب بھی کچھ لے کر نہیں آیا، گھر والوں کو کیا جواب دوں گا؟ پریشان ہوکر بیٹھا تھا کہ ایک آدمی نے اس سے پوچھا کہ کیا ہوا؟ اس نے کہا میری تھیلی غائب ہوگئی ہے، پوچھا کیسے غائب ہوئی؟ اس نے کہا میں یہاں آیا ہوا تھا اور اس آدمی کی تدفین میں شریک رہا، جب باہر آ کر دیکھتا ہوں تو یہ حال اور نوبت کہ پیسے غائب ہیں، اس نے کہا: ہوسکتا ہے کہ کہیں قبر میں گر گئے ہوں، ذرا قبر کھود کر دیکھ لو! اس نے کہا: ٹھیک ہے، اب یہ آدمی قبر کھودنے لگا، ابھی ذرا سی کھودا تھا کہ کیا دیکھتا ہے کہ اس کے اندر سے آگ کی لپیٹیں آرہی ہیں اور اس کی وجہ سے اس کے ہاتھ بھی جل گئے اور وہ چیخیں مارتا ہوا بھاگا قبر کی آگ کی تپش کی وجہ سے ہاتھ میں جلن اور درد و تکلیف محسوس ہو رہی تھی، جو وہاں پر ڈاکٹر وغیرہ تھے، ان سے اس کا علاج کرایا؛ لیکن تکلیف بڑھتی ہی چلی جا رہی ہے، یہاں تک کہ بعض لوگوں نے اس کو مشورہ دیا کہ اس زمانے میں تمھاری بستی نہیں ہے اور یہ کہ تم وہاں جاؤ تو کوئی فائدہ نہیں؛ اس لیے ہمارا مشورہ یہ ہے کہ اس زمانے میں ہندوستان میں بہت بڑے عالم ومحدث ہیں، جن کا نام

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ہے، ان کی خدمت میں چلے جاؤ، ان کی خدمت میں تمھارا پورا واقعہ سناؤ، ہوسکتا ہے کہ وہ تم کو کوئی مشورہ دیں، لوگوں نے اس کو کچھ رقم دی اور اس کو دہلی کا راستہ بتا دیا، اب وہ دہلی پہنچ کر سیدھے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا، وہ زمانہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بہت ہی عروج کا زمانہ تھا، ان کی عظمت کا سکہ سارے دلوں پر بیٹھا ہوا تھا، ہر جگہ ان کو جاننے والے لوگ تھے اور ان کی فنِ حدیث میں بصیرت و مہارت ساری دنیا میں مشہور تھی، وہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ملا اور کہا کہ میرے ساتھ ایسا ایک واقعہ پیش آیا اور میری تکلیف انتہائی شدید ہوگئی ہے، مجھے اس کا علاج بھی بتائیے اور یہ راز بھی بتائیے کہ یہ میرے ساتھ کیا واقعہ ہوا؟ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی گفتگو پوری تفصیل کے ساتھ سنی، پھر کہا کہ تمھاری بات سچی ہے؛ اس لیے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آخرت اور دنیا کے زمانے میں بڑا فرق ہے کہ وہاں ذرا سی دیر تم جا کے آئے اور یہاں سالہا سال گذر گئے، چناں چہ حدیث میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو نیک بندہ قبر میں چلا جاتا ہے، اسے قیامت تک کا زمانہ صرف اتنا معلوم ہوگا، جیسے ظہر سے عصر تک کا زمانہ: ظہر سے عصر تک کا زمانہ دو تین گھنٹے کا ہوتا ہے، قبر میں جانے کے بعد نیک آدمی جب قیامت میں اٹھے گا تو وہ کہے گا کہ الحمد للہ! میں ظہر میں سویا تھا، عصر میں اٹھ رہا ہوں؛ مگر یہاں دنیا میں نہ معلوم کتنی صدیاں گزر جائیں گی؟

یہ راز اللہ والے جانتے ہیں، دنیا والے نہیں جانتے، یہ وہ علوم ہیں جو صرف انبیاء کے ذریعے آتے ہیں، کوئی سائنس دان نہیں بتا سکتا، سائنس دانوں کا علم اور ان کی عقل اس دنیا کی سطح پر گھومتی ہے اور یہ علوم دینے والے حضرات انبیاء ہوتے ہیں، یا ان کی وراثت پانے والے علمائے کرام ہوتے ہیں۔

بہ ہر حال شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ تمہاری بات سچی ہے، تم چوں کہ قبر میں اُترے تھے، جو تم نے دیکھا تھا، وہ قبر اور دوسرے عالم سے تعلق رکھنے والی چیز تھی، جو ذرا سا لمحہ وہاں گزر گیا،

تو یہاں زمانہ بدل گیا، حکومتیں بدل گئیں، خاندان تباہ ہو گئے اور معلوم نہیں کہ تمھارے خاندان کا کیا حال ہوا ہوگا؟ اب رہا یہ کہ تمھارا ہاتھ جل گیا، یہ دنیا کی آگ سے نہیں جلا ہے؛ بلکہ یہ دوزخ کی آگ سے جلا ہے، قبر کی آگ دوزخ کی آگ ہے، دنیا کی آگ نہیں ہے، اگر دنیا کی آگ ہوتی تو ڈاکٹر کا علاج کافی ہو سکتا تھا، جہنم کی آگ کے لیے ڈاکٹر کا علاج کافی نہیں، دنیا کی آگ سے جل جائے تو ڈاکٹروں سے علاج کراتے ہیں؛ مگر یہ تو جہنم کی آگ ہے جس کا کوئی ڈاکٹر علاج نہیں کر سکتا، اس کا ایک ہی ایک علاج میرے ذہن میں ہے اور وہ یہ کہ تم جاؤ کسی مسجد کے کونے میں بیٹھو اور اپنے گناہوں کو یاد کر کے رویا کرو اور جو آنسو نکلیں، اس کو تکلیف کی جگہ پر لگایا کرو، یہی ایک چیز دوزخ کی آگ کو بجھا دینے والی ہے یعنی اپنے گناہوں پر یاد کر کے رونا، اللہ کے ڈر سے رونا۔

جو آدمی اللہ کے ڈر سے اپنے گناہوں کو یاد کر کے روتا ہے، دوزخ کی آگ کو اس سے بجھایا جا سکتا ہے؛ اس لیے اب اس کا ایک ہی علاج ہے کہ تم یاد کرو اپنے گناہوں کو اور روتے رہا کرو۔

یہ واقعہ بڑا عجیب و غریب واقعہ ہے، ہمارے لیے عبرت کا سامان ہے، اللہ کے سامنے روؤ اور گڑگڑاؤ، جو آنکھ روتی ہے، جہنم اس پر حرام ہے، جو آنکھ کہ اپنے گناہوں پر اللہ کے خوف میں روتی ہے، وہ ضرور جنت میں داخل ہوگی اور جب خود جنت میں جائے گی تو پورے جسم کو لے کر جائے گی، تنہا آنکھ تو جانے کی نہیں۔

کبھی کبھی قبر کے احوال کھل جاتے ہیں

اللہ تعالیٰ بعض مرتبہ اس دنیا کے اندر برزخ کے حالات کو ظاہر کر دیتا ہے، لوگ کہتے ہیں کہ قبر میں کیا ہوتا ہے؟ اور بعض جاہل کہتے ہیں کہ ہم نے بعض قبروں کو کھود کر دیکھا؛ مگر کچھ نہ نکلا؛ لیکن بھائیو! جب اللہ دکھانا چاہتا ہے، تب ہی ہم دیکھ سکتے ہیں، جب اللہ دکھانا نہیں چاہتا، آپ لاکھ کوشش کریں

نہیں دکھائی دے گا؛ کیوں کہ ان چیزوں کا دکھانا اور نا دکھانا یہ اللہ کے اختیار میں ہے۔ مگر ہم کو اللہ نہ دکھائے تو اس کا انکار کرنا درست نہیں؛ کیوں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، جن سے زیادہ روئے زمین پر سچا کوئی نہیں اور نہ آئندہ کوئی ان سے زیادہ سچا انسان ہوسکتا ہے، انھوں نے ہم کو خبر دی کہ قبر میں حالات پیش آتے ہیں، اچھے بھی اور برے بھی، عذاب قبر بھی ہوتا ہے، ثواب قبر بھی ہوتا ہے، اچھوں کے لیے اچھے معاملات ہوتے ہیں، بروں کے لیے برے معاملات ہوتے ہیں، جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جیسے سچے انسان نے سچی روایات میں، صحیح احادیث میں ہم کو بتا دیا ہے، تو اس پر یقین کرنا ہمارا فرض ہے اور صرف اس بات پر ان باتوں کا جھٹلانا کہ ہم کو نظر نہیں آتا ہے، خلاف عقل ہے۔ آپ کیا کیا جھٹلائیں گے، اگر آپ کو نظر نہیں آتا ہے؟ خدا بھی تو نظر نہیں آتا، کیا خدا کو بھی جھٹلاؤ گے؟ جنت بھی تو نظر نہیں آتی، کیا جنت کا بھی انکار کروگے؟ دوزخ بھی نظر نہیں آتی، کیا دوزخ کو بھی جھٹلاؤ گے؟ فرشتے بھی نظر نہیں آتے، کیا ان کا بھی انکار کروگے؟ نہ معلوم کیا کیا چیزیں ہیں جو ہم کو نظر نہیں آتی؟ لیکن ان سب کو ماننا اس لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث صحیحہ اس سلسلے میں مروی ہیں، تو بہر حال عذاب قبر ہوتا ہے۔

تہجد کے دو رکعت ہی کام آئے

ایک مرتبہ کسی بزرگ نے اپنے خواب میں حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا اور انھوں نے ان سے پوچھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مجھے اللہ کے دربار میں پیش کیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جاؤ ہم نے تمھاری مغفرت کردی، پوچھنے والے نے دریافت کیا کہ آپ کی بخشش کس بنیاد پر ہوئی؟ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ’’طَاحَتْ تِلْكَ الْإِشَارَاتُ، وَغَابَتْ تِلْكَ الْعِبَارَاتُ، وَفَنِيَتْ تِلْكَ الْعُلُوْمُ، وَنَفِدَتْ تِلْكَ الرُّسُوْمُ، وَمَا نَفَعَنَا إِلَّا رُكَيْعَاتٌ كُنَّا نَرْكَعُهَا فِي الْأَسْحَارِ۔‘‘

(صفوۃ الصفوۃ:۲/ ۴۲۴،حلیۃ الأولیاء:۱۰/ ۲۵۰)

ساری کی ساری عبارتیں ختم ہوگئیں، وہ رموز ونکات ضائع ہو گئے، وہ علوم فنا کے گھاٹ اتر گئے ،بس ہمارے حق میں سودمند ثابت ہوئیں تو وہ الٹی پلٹی ، ٹیڑھی میڑھی، غلط سلط ، دو رکعتیں ثابت ہویں جو ہم راتوں میں اُٹھ کر پڑھ لیتے تھے۔

جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ جنھوں نے احادیث کو سمجھا اور اس پر عمل کیا، جنھوں نے قرآن وحدیث کو سمجھا اور اس پر عمل کیا، نکات کو واضح کیا، جو''سید الاولیاء'' کا لقب پانے والے بزرگ ہیں، جنھوں نے اللہ کی خاطر ساری دنیا سے بغض وعداوت مول لی، جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دیا، جنھوں نے اللہ کی محبت کی طلب میں رات دن عبادتوں پر عبادتیں کیں، وہ بزرگ کہتے ہیں کہ نہ وہ فرائض و واجبات کام آئے، نہ وہ رموز واسرار کام آئے ، نہ وہ تصوف وسلوک کے حقائق ومعارف کام آئے ، کام آئے تو وہ دو رکعت نفل جو رات میں اٹھ کر پڑھے تھے، وہ کام آئے ، اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کبھی کبھی چھوٹی نیکی میں بھی جنت رکھ دیتا ہے، بندہ جب اس کو کرتا ہے، تو وہ اس جنت کو پالیتا ہے۔

عمل پر نہیں، رحمت پر بھروسہ ہو

آدمی صرف نیکیوں پر بھروسہ کر کے بیٹھ جائے، اللہ کی رحمت سے اپنے آپ کو الگ کر لے اور سمجھے کہ مجھے اللہ کی رحمت اور اس کے فضل کی کوئی ضرورت نہیں، یہ انتہائی نامعقول بات ہے ،حدیث میں فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی بھی آدمی اپنی نیکیوں کے سبب جنت میں نہیں جائے گا؛ بلکہ اللہ کی رحمت سے ہی جنت میں جائے گا۔(الصحیح للبخاري:۵۲۴۱،الصحیح للمسلم:۵۰۴۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس پر کہنے لگیں کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ بھی؟ فرمایا کہ ہاں! میں بھی اللہ کی رحمت سے ہی جاوں گا۔

اس پر غور کرو کہ کتنی بڑی بات ہے! خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں بھی اللہ کی رحمت

سے جنت میں جاؤں گا، تو ہم اور آپ کس کھیت کی مولی ہیں؟ ہم کیسے اپنے اعمال پر بھروسہ کر سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں کر سکتے، ہم ہر وقت، ہر آن، ہر گھڑی اللہ کے محتاج ہیں، اس کی رحمت کے بھکاری ہیں۔

بنی اسرائیل کے ایک عابد کا واقعہ

حدیث میں آتا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک عابد رہا کرتا تھا، جو بڑی بڑی عبادتیں کرتا تھا، بہت بڑا زاہد تھا، جو ہمیشہ اللہ کی یاد میں مصروف رہتا تھا، پانچ سو برس تک اس نے عبادت کی اور اللہ نے اس کے لیے ایک چشمہ پانی پینے کے لیے جاری فرمایا تھا اور روزانہ ایک انار کھانے کے لیے اس کو دیا جاتا تھا، جب اس کا انتقال ہوا اور اس کو اللہ کے دربار میں پیش کیا گیا، تو اللہ تعالیٰ نے اس سے فرمایا کہ جاؤ ہم اپنی رحمت سے جنت میں داخل کرتے ہیں، اس پر اس نے کہا کہ یا اللہ! وہ جو میں نے پانچ سو برس عبادت کی تھی، وہ کیا ہوئی؟ اللہ نے دو فرشتوں سے کہا کہ میری نعمتوں کا اس کی عبادت سے حساب لگاؤ، فرشتوں نے حساب لگایا تو پانچ سو برس کی عبادت کے بدلے میں صرف ایک آنکھ کی نعمت آئی تو اللہ تعالی نے فرشتوں سے کہا کہ اس کو جہنم میں ڈال دو؛ اس لیے کہ اس کے پاس جنت میں جانے کا کوئی سامان ہی نہیں ہے۔

جب اس کو جہنم میں ڈال دیا گیا تو وہ اللہ کو پکار کر کہنے لگا کہ اے اللہ! اپنی رحمت سے مجھے بخش دے۔ الغرض اس کو جہنم سے نکال کر لایا گیا اور اللہ نے اسے اپنی نعمتیں یاد دلائیں اور فرمایا کہ بتا! اب میری رحمت سے تو جنت میں جائے گا یا اپنی عبادت سے؟ اللہ فرماتے ہیں کہ اے میرے بندے تو نے دنیا میں کتنے ہزار لوٹے پانی پیے ہوں گے، ان کا بدلہ کون دے گا؟ کیا اب بھی تم اپنے اعمال کے بدلے جنت میں جانا چاہتے ہو، وہ فوراً سجدے میں گر جاتا ہے اور روتا ہوا کہتا ہے کہ اے اللہ! میں نادان تھا، اپنی نادانی کی وجہ سے غلطی کر بیٹھا، مجھے معاف فرما دیجیے! اللہ اس کو معاف کر دیتے ہیں اور جنت میں داخل کر دیتے ہیں۔ اب بتاؤ بھائی! کوئی اپنے اعمال پر اعتماد کر سکتا ہے؟ اللہ ہم پر اپنا فضل

فرمائے۔ (المستدرک للحاکم: ۴/ ۷۸۴، شعب الایمان: ۴/ ۱۵۱)

عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی عاجزی

امام عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ مجلس میں بڑے بے چین تھے، مضطرب تھے، پوچھا گیا کہ حضرت کیا بات ہے؟ کیوں پریشان ہیں؟ تو فرمایا کہ میں نے آج ایک جرأت کا کام کرلیا ہے، جس کی وجہ سے افسوس ہورہا ہے اور پریشانی ہورہی ہے کہ میں نے کتنی بڑی جرأت کی ہے، لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے ایسا کیا کام کردیا ہے؟ تو فرمایا کہ آج میں نے اللہ سے دعا کرتے ہوئے جنت مانگ لی، میں کہاں اس کا حق دار ہوں کہ میں نے اس کی مانگ کی ہے؟

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی عاجزی

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کہتے تھے کہ اے اللہ! مجھ جیسا گنہگار جنت نہیں مانگ سکتا، اتنی درخواست کرتا ہوں کہ جنتیوں کی جوتیوں میں جگہ عطا فرمادے اور فرماتے کہ یہ جنتیوں کی جوتیوں میں رکھنے کا سوال بھی اس لیے کرتا ہوں کہ دوزخ کو برداشت کرنے کی سکت نہیں ہے؛ ورنہ تو میں دوزخ کا حق دار تھا۔

یہ حضرات بھی عجیب تھے، علم وعمل، تقوی وطہارت، عبادت و ریاضت، سب ہے؛ مگر عاجزی کا یہ عالم اور ایک ہم ہیں کہ کرتے تو کچھ نہیں؛ مگر جنت سے کم پر راضی ہی نہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اس کے پوری طرح مستحق ہیں۔

دعا کی مقدار بڑھاؤ اور بڑوں کے زیر سایہ رہو

حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کام کے مقابلہ میں دعا کی مقدار کو زیادہ بڑھاؤ، اور کہو کہ اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو مجھ سے یہ کام ہوگیا۔

چھوٹوں سے ملتے رہنا، اور بڑوں کے سایہ میں (یعنی علماء ومشائخ کے سایہ میں) زیادہ رہنا۔ (مکتوبات وارشادات حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ ص ۸۲ و ۸۴)

اہل اللہ کی خدمت میں فنائیت ہی کام آتی ہے

حضرت حاذق الامتؒ نے فرمایا: کہ حضرت مسیح الامتؒ کے یہاں ایسے ایسے بڑے علماء آتے تھے کہ ہم سمجھتے تھے کہ یہ بھی حضرت کے خلفاء میں سے ہوں گے۔ حضرت والا بھی ان کی عزت فرماتے تھے بہت محبت فرماتے تھے لیکن جب حضرت والا کی خلفاء کی فہرست طبع ہوئی تو اس میں بڑے بڑے علماء کا نام ہی نہیں تھا گمنام لوگوں کے نام تھے ایک جلال آباد کے نابینا صاحب تھے وہ بھی خلفاء کی فہرست میں تھے، معلوم ہوا کہ اہل اللہ کی خدمت ہی کام آتی ہے اور حقیقت میں گمنام ہوجاؤ پروانہ بن کر جاؤ شمع بن کر آؤ گے۔ (سوانح حیات حضرت حاذق الامت، ص/103)

بوڑھوں اور بزرگوں کی خدمت

جوانوں کو چاہئے کہ اپنے بڑے بوڑھوں اور سن رسیدہ لوگوں کی ان کے بڑھاپے اور معمر ہونے کی وجہ سے عزت کریں۔ ان کے سامنے ادب ولحاظ سے رہیں اور جہاں تک ممکن ہو ان کو آرام پہنچانے کی کوشش کریں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو نوجوان کسی بوڑھے کی اس کے بڑھاپے کی وجہ سے عزت کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے بڑھاپے میں دوسرے جوانوں کو اس کی عزت کے لئے مقرر کردیگا اور فرمایا بوڑھے مسلمان کی تعظیم وتکریم بھی اللہ تعالیٰ کی تعظیم سے ہے اور فرمایا جو بڑوں کا ادب واحترام نہیں کرتا وہ ہمارے طریقے پر نہیں۔ (دعوت فکر وعمل، ص/11)

حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حضرت تھانوی اور ان کے متعلقین سے استفادہ کیا جائے

حضرت جی مولانا محمد الیاس صاحب چاہتے تھے کہ تبلیغی احباب علماء سے منسلک رہیں، ایک

خط میں کارکنانِ میوات کو چند ہدایات تحریر فرمائی، اس خط میں یہ بھی تحریر فرمایا: حضرت تھانوی کے لئے ایصالِ ثواب کا بہت اہتمام کیا جاوے، ہر طرح کی خیر سے ان کو ثواب پہنچایا جائے، کثرت سے قرآن شریف ختم کرائے جائیں، یہ ضروری نہیں کہ سب اکٹھے ہو کر ہی پڑھیں بلکہ ہر ہر شخص کا تنہائی میں پڑھنا زیادہ بہتر ہے، تبلیغ میں نکلنے کا ثواب سب سے زیادہ ہے اس لئے اس صورت سے زیادہ پہنچاؤ۔

حضرت تھانوی سے منتفع ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ان کی محبت ہو اور ان کے آدمیوں سے اور ان کی کتابوں کے مطالعہ سے منتفع ہوا جاوے، ان کی کتابوں کے مطالعہ سے علم آوے گا اور ان کے آدمیوں سے عمل (مکاتیب حضرت مولانا شاہ محمد الیاس، ص: ۱۳۷-۱۳۸)

علماء کی خدمت میں حاضری صرف استفادہ کی نیت سے ہو

فرمایا: ہمارے عام کارکن جہاں بھی جائیں وہاں کے حقانی علماء و صلحاء کی خدمت میں حاضری کی کوشش کریں، لیکن یہ حاضری صرف استفادہ کی نیت سے ہو (ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاس، ص: ۲۹)

کام کرنے والوں کو حضرت تھانوی کی ہدایات پر چلنے کی تلقین

حضرت مولانا منظور احمد نعمانی صاحب لکھتے ہیں کہ: چند روز پہلے حکیم الامت حضرت تھانوی کا وصال ہوا تھا، حضرت ممدوح سے تعلق بیعت رکھنے والے ایک صاحب زیارت کے لئے تشریف لائے، راقمِ سطور نے ان کا تعارف کرایا، اس پر حضرت نے فرمایا: ''جن حضرات کا حلقۂ محبت و تعلق اتنا وسیع ہو جتنا کہ ہمارے حضرت تھانوی قدس سرہ کا تھا چاہئے کہ ان کی تعزیتِ عامہ کی فکر کی جائے، میرا جی چاہتا ہے کہ اس وقت حضرت کے تمام تعلق رکھنے والوں کی تعزیت کی جائے اور خاص طور سے یہ مضمون آج کل پھیلایا جائے، ترقیٔ درجات کی کوششوں میں حصہ لینے اور

حضرت کی روح کی مسرتوں کو بڑھانے کا سب سے اعلیٰ اور محکم ذریعہ یہ ہے کہ حضرت کی تعلیماتِ حقہ اور ہدایت پر استقامت کی جائے اور ان کو زیادہ سے زیادہ پھیلانے کی کوشش کی جائے، جتنا حضرت کی ہدایات پر کوئی چلے گا اتنا ہی بقاعدہ **من دعٰی الی حسنۃٍ فلہ اجرھا و اجر من عملھا** (حدیث) حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کے سرمایۂ حسنات اور درجات عالیہ میں ترقی ہوگی، پھر فرمایا: کہ یہ ایصال ثواب کا اعلیٰ طریقہ ہے (ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاس صاحب، ص: ۵۵)

حضرت مولانا تھانوی کے متعلقین کی وجہ سے میرے کام میں بہت برکت ہوئی

ایک بار بانی تبلیغی جماعت حضرت جی مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حضرت مولانا تھانوی کے لوگوں کی مجھے بہت قدر ہے، کیونکہ وہ قریب العہد ہیں، اسی وجہ سے تم میری باتیں جلدی سمجھ جاتے ہو کہ مولانا کی باتیں سن چکے ہو اور تازہ سنی ہوئی ہیں۔ پھر فرمایا: تمہاری وجہ سے میرے کام میں بہت برکت ہوئی، میرا جی بہت خوش ہوا، پھر بہت دعائیں دیں اور فرمایا: تم خود بھی رورو کر اس نعمت کا شکر کرو (ایضاً ص: ٤٧)

حضرت گنگوہی سے عقیدت اور ان کے خلفاء سے استفادہ کا تعلق

حضرت جی کی حیات کے دس برس، گنگوہ میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کی کیمیا اثر صحبت بابرکت میں گذرے، جب حضرت گنگوہی کا وصال ہوا تو بیس سال کے جوان تھے، حضرت گنگوہی سے بے پناہ محبت وعقیدت تھی، علاوہ ازیں حضرت گنگوہی کے خلفاء و متعلقین سے بھی حد درجہ لگاؤ اور تعلق تھا، اور ان حضرات سے مسلسل استفادہ کرتے رہے، مولانا ابوالحسن علی ندوی رقمطراز ہیں: اس عرصہ میں دوسرے مشائخ اور مولانا گنگوہی کے دوسرے خلفاء سے عقیدت مندی اور صحبت واستفادہ کا تعلق برابر قائم رہا، شاہ عبدالرحیم رائے پوری، مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی، اور مولانا اشرف علی صاحب تھانوی سے ایسا تعلق تھا کہ فرماتے تھے یہ حضرات

میرے جسم وجان میں بسے ہوئے تھے اور ان حضرات کو بھی مولانا کی امتیازی خصوصیت کی وجہ سے خصوصی محبت اور لحاظ تھا (حضرت مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت ص:۴۹)

ایک ملفوظ میں خود فرماتے ہیں میری نیاز مندی کا تعلق اپنے زمانہ کے سب ہی بزرگوں سے رہا اور الحمد للہ سب کی عنایات اور سب کا اعتماد مجھے حاصل رہا (ملفوظات مولانا محمد الیاس ص:۱۴۳)

اے کاش! کہ موجودہ ذمہ دارانِ تبلیغ بھی اگر حضرت جی کے اس ملفوظ کو پیشِ نظر رکھتے تو امت کو ایک بڑے خلفشار سے بچایا جا سکتا تھا، مگر ؎

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ محفل میں علاجِ تنگیِ داماں بھی تھا

تعلیم حضرت تھانوی کی اور طریقۂ تبلیغ میرا ہو

حضرت مولانا الیاس صاحب کو حضرت تھانوی سے دلی محبت تھی، اسی لئے وہ ان کی تعلیم کو عام کرنا چاہتے تھے، ایک موقع پر فرمایا: حضرت مولانا تھانوی نے بہت بڑا کام کیا ہے، بس میرا دل یہ چاہتا ہے کہ تعلیم تو ان کی ہو اور طریقۂ تبلیغ میرا ہو، کہ اس طرح ان کی تعلیم عام ہو جائے گی۔ (ایضاً ص:۵۸)

حضرت مولانا الیاس صاحب کی علماء کے سامنے تواضع وانکساری

مفکر الاسلام حضرت مولانا علی میاں ندویؒ لکھتے ہیں: تواضع کی بات یہ تھی کہ مولانا اپنے کو حقیقتاً کسی عزت کا مستحق نہیں سمجھتے تھے، اپنے عالم، شیخ اور اتنی بڑی جماعت کے مقتدیٰ ہونے کا احساس بالکل نہیں تھا، ایک مرتبہ ایک خط میں اس خاکسار کو تحریر فرمایا تھا: بندۂ ناچیز کے بارے میں جناب مشورہ قبول فرمالیں تو دلی تمنا ہے کہ معمولی نام سے زائد کسی لفظ کا اطلاق الفاظ کی بے قدری ہے۔

طبیعت کا یہ رنگ ان کے خطوط سے بے تکلف جھلکتا ہے، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب عمر

میں چھوٹے ، رشتہ میں بھتیجے اور آپ کے شاگرد بھی ہیں، ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں: گرامی نامہ موجبِ مسرت وعزت ہو، اآں عزیز کی تشریف آوری کا بے حد اشتیاق ہے، اگر بقول آپ کے میں حضرت ہوں تو آپ ماشاء اللہ حضرت گر ہیں، مجھ نکمّے اور نا کارہ کو کون پوچھتا اگر آپ کی توجہ اور کرم نہ ہوتا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ (حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری) کے بعد سب سے پہلے آپ ہی نے الطاف واکرام فرمایا، یا پھر شیخ جی (حاجی شیخ رشید احمد) نے اظہارِ تعلق کیا اور یہ سب آپ ہی حضرات کا طفیل ہے، آپ کی تشریف آوری کا جس قدر اشتیاق ہے اسی قدر خیال ہے کہ سامنے ہونے سے میری گندگیاں اور ظاہر ہوں گی، مگر اسی امید پر جی چاہتا ہے کہ آپ جیسوں کی مجالست اور ہم نشینی سے شاید اپنی بھی کچھ اصلاح ہو جائے (مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت ص ۲۲۴۔۲۲۵)

حضرت تھانوی اور وقت کی قدر

حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں کہ میں نے خود حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ مرض الموت میں جب بیمار اور صاحب فراش تھے اور معالجوں اور ڈاکٹروں نے ملنے جلنے سے منع کر رکھا تھا اور یہ بھی کہہ دیا تھا کہ زیادہ بات نہ کریں۔۔۔۔۔۔ایک دن آنکھیں بند کر کے بستر پر لیٹے ہوئے تھے۔۔۔۔لیٹے لیٹے اچانک آنکھ کھولی اور فرمایا کہ بھائی مولوی محمد شفیع صاحب کو بلاؤ۔۔۔۔۔۔۔چنانچہ بلایا گیا جب مولانا تشریف لائے تو فرمایا کہ آپ ''احکام القرآن'' لکھ رہے ہیں۔۔۔۔مجھے ابھی خیال آیا کہ قرآن کریم کی جو فلاں آیت ہے اس سے فلاں مسئلہ نکلتا ہے اور یہ مسئلہ اس سے پہلے میں نے کہیں نہیں دیکھا، میں نے آپ کو اس لئے بتا دیا کہ جب آپ اس آیت پر پہنچیں تو اس مسئلہ کو بھی لکھ لیجئے گا۔ یہ کہہ کر پھر آنکھیں بند کر کے لیٹ گئے۔تھوڑی دیر بعد پھر آنکھیں کھولیں اور فرمایا کہ فلاں شخص کو

بلاؤ جب وہ صاحب آ گئے تو ان سے متعلق کچھ کام بتا دیا۔ جب بار بار ایسا کیا تو مولانا شبیر علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت کی خانقاہ کے ناظم تھے اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی بے تکلف تھے انہوں نے حضرت سے فرمایا کہ حضرت ڈاکٹروں اور حکیموں نے بات چیت سے منع کر رکھا ہے، مگر آپ لوگوں کو بار بار بلا کر ان سے باتیں کرتے رہتے ہیں، خدا کے لئے ہماری جان پر تو رحم کریں۔ ان کے جواب میں حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے کیا عجیب جملہ ارشاد فرمایا: فرمایا کہ بات تو تم ٹھیک کہتے ہو، لیکن میں یہ سوچتا ہوں کہ ''وہ لمحات زندگی کس کام کے جو کسی کی خدمت میں صرف نہ ہوں۔۔۔۔۔ اگر کسی کی خدمت میں عمر گزر جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے''۔

حضرت تھانوی کا ایک قول۔ پڑھنا پڑھانا اصل تبلیغ ہے

ایک دوسرے مقام پر فرمایا: البتہ مختلف اوقات میں اس کے طُرق مختلف ہیں، مثلاً اس وقت آپ لوگوں کا پڑھنا بھی تبلیغ ہے، اگر نیت اچھی ہے، کیونکہ انما الاعمال بالنیات اگر آپ کی نیت میں یہ ہو کہ پڑھنے سے فارغ ہو کر امر بالمعروف کروں گا تو یہ پڑھنا بھی تبلیغ کا ہی شعبہ ہے، اگر یہ نیت نہ ہو تو پھر تبلیغ نہیں، غرض اچھی نیت سے اس وقت یہی کتابیں پڑھنا بیشک اصل تبلیغ ہے۔

ایک جگہ فرماتے ہیں: پس مدرسین وطلبہ تبلیغ کا ثواب سن کر پڑھنا پڑھانا نہ چھوڑیں بلکہ وہ اس میں نیتِ تبلیغ کریں (ایضاً ص:۱۸)

تعلیم و تعلم نہ ہو تو علم معدوم ہو جائے

ایک دوسرے موقع پر حضرت تھانوی فرماتے ہیں: ہمارے اندر بڑی خرابی یہ ہے کہ یا تو کسی کام پر بالکل توجہ ہی نہیں، اور یا متوجہ ہوئے تو سب کے سب ایک ہی طرف ٹوٹ پڑے، چھوٹے بڑے سب اسی میں منہمک ہو گئے، اور سب کاموں کو چھوڑ بیٹھے...... میں نے اس کو مکرّر اس لئے بیان

کیا کہ ہم لوگوں میں کام کے وقت غلو ہوجاتا ہے، بس جدھر کا رخ کرتے ہیں سب ایک ہی طرف ٹوٹ پڑتے ہیں، اس لئے تبلیغ کی ضرورت بیان کرتے ہوئے مجھے اندیشہ ہے کہ کبھی ایسا نہ ہو کہ مدرسین وطلبہ پڑھنا پڑھانا چھوڑ دیں، میں نے اس کو قصداً عرض کیا ہے کیوں کہ میں یہ رنگ دیکھ رہا ہوں کہ آج کل وہ طلبہ بھی جو علم سے فارغ نہیں ہوتے تبلیغ میں مشغول ہونا چاہتے ہیں، حالانکہ میرے نزدیک ان کے لئے تکمیلِ علم اول ضروری ہے، کیونکہ اگر یہ پڑھنا پڑھانا نہ ہوتو تصنیف وتبلیغ وغیرہ بھی سب بیکار ہے، کیونکہ کہ ناقص کی تبلیغ وغیرہ کچھ قابلِ اعتبار نہیں، بلکہ اس طرح تو چند روز میں علم بالکل معدوم ہی ہوجائے گا، تو تعلیم وتعلم بھی ایک فرد ہے تبلیغ کا۔ (ماخوذ از: آداب التبلیغ)

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک جامع فتویٰ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ سے ایک صاحب نے سوال کیا جس کا مفہوم یہ تھا کہ: ''اگر چہ کلام الٰہی کو برحق مانتا ہوں، لیکن میں زمانہ کے دستور کے موافق قرآنی آیات وغیرہ سے جھاڑ پھونک مطلق نہیں کرتا، تو کیا میرا عقیدہ غلط تو نہیں؟'' اس پر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت مختصر مگر جامع اور شافی جواب ارشاد فرمایا جو اس بحث میں فیصلہ کن موقف کی حیثیت رکھتا ہے۔ حضرت نے فرمایا: ''(جھاڑ پھونک) جائز تو ہے مگر افضل یہی ہے کہ نہ کیا جائے، آپ کا عقیدہ ٹھیک ہے''۔ (امداد الفتاویٰ: ۴/۸۸)

حضرت تھانویؒ کا اہم واقعہ

آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ایک بڑے عالم دین کو خلافت دی اپنا نائب بنایا وہ جب ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں آئے تو کہا کہ حضرت بچے کو آپ کی خدمت میں دعا کے لئے لے کر حاضر ہوا ہوں، فرمایا خوشی کی بات ہے پھر فرمایا کہ اس کی عمر کیا

ہے؟ عرض کیا حضرت اس کی عمر تو تیرہ سال ہے فرمایا تم نے اس کا ٹکٹ بھی لیا ہے یا نہیں؟ ٹرین سے آئے ہو کہا کہ حضرت ٹکٹ تو اس کا اس لئے نہیں لیا کہ یہ گیارہ سال کا لگتا ہے اور گیارہ سال کے بچے کا ٹکٹ نہیں ہے۔ (اس زمانہ میں گیارہ سال تک کے بچے کا ٹکٹ نہیں تھا) تو حضرت نے فرمایا کہ ''اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ'' مولانا آپ نے دین کو سمجھا ہی نہیں آپ نے چند پیسے کے فائدہ کی خاطر حکومت کا نقصان کیا ہے آپ جب بچے کو لا رہے ہیں تو بچے کا ٹکٹ آپ کو لینا تھا آپ نے نہیں لیا، جب کہ تیرہ سال کے بچے کا ٹکٹ لینا ضروری ہے جب آپ دو آنہ تین آنہ میں بے ایمانہ کر سکتے ہیں تو بڑی بڑی چیزوں کے معاملے میں آپ کتنی بے ایمانی کرتے ہوں گے حضرت نے فرمایا کہ مجھ سے غلطی ہوگئی اللہ معاف فرمائے میں نے خلافت آپ کو دی تھی اسے واپس لیتا ہوں بس اتنی سی بات پر حضرت نے فرمایا کہ جاؤ تم ہماری شاگردی میں رہنے کے لائق نہیں ہو جو آدمی دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (خطبات رحیمی جلد چہارم، ص/139)

حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا توکل کے ساتھ کام کرنے کا طریقہ

حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: '' کانپور میں جب میں پڑھاتا تھا، تو مدرسے کی مسجد میں طلبا کے لیے ایک حوض تیار کرانے کی ضرورت ہوئی اور روپیہ تھا نہیں اور کسی سے چندہ مانگنے کو طبیعت نے گوارہ نہ کیا۔ بس میں نے مدرسے والوں سے کہا کہ تم اپنے اختیار کا کام کر دو اور ایک جگہ متعین کر کے گڑھا کھدوا دیا گیا اور چھوڑ دیا گیا، لوگ دریافت کرتے کہ یہ کیا ہے؟ ہم کہتے کہ حوض ہے، جتنی ہمارے اندر طاقت تھی اور جتنا سامان ہمارے پاس تھا، اتنا ہم نے کر لیا آگے اللہ تعالیٰ مالک ہے، دو ایک دن تو یوں ہی پڑا رہا، اس کے بعد ایک دن محلے میں ایک بڑی بی نے مجھ کو اپنے گھر بلایا اور کہا کہ میں نے سنا ہے کہ ایک حوض تجویز ہوا ہے، اس کا کیا انتظام کیا گیا ہے؟ میں نے کہا کہ جتنا

کام ہمارے اختیار میں تھا، اتنا کرا دیا ہے، کہنے لگیں کہ کیا تخمینہ ہے؟ میں نے کہا کہ پانچ سو روپے، کہنے لگیں کہ میں دوں گی، میرے سوا کسی کا روپیہ نہ لگے۔ اب اور لوگ بھی آنے شروع ہو گئے کہ صاحب ہمارے پانچ روپے قبول کیجیے، ہمارے دس قبول روپیے کیجیے، میں نے کہا کہ ایک بی بی نے ایسا کہہ دیا ہے، ہاں ایک سائبان کی تجویز ہے کہ اس کے اوپر ڈالا جائے، کہنے لگے کہ تو پھر ہم اسی کے لیے دیتے ہیں، چناں چہ حوض بھی تیار ہو گیا اور سائبان بھی تیار ہو گیا۔ (القول الجلیل: ۲۲)

حضرت تھانوی رحمہ اللہ اور فکرِ آخرت

حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حضرت حکیم الامت تھانوی نور اللہ مرقدہ نے حقوق اللہ وحقوق العباد کے بارے میں خاص طور پر ایک رسالہ لکھا ہے "العذر والنذر" اس میں ہر ایک کی معافی کا طریقہ بتایا ہے، کسی بندے کی حق تلفی کی ہے تو معافی مانگیں، اور اگر وہ معاف نہ کرے اور بدلہ لینا چاہے تو اس کا بدل ادا کرے۔ کسی کی چوری کی تو توبہ سے وہ مال چوری کا حلال نہیں ہو جاتا، اس کو واپس کرنا ہوگا۔ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ نے اس رسالہ کے آخر میں اعلان فرمایا کہ اگر مجھ پر کسی کا حق ہو تو وہ فوراً مجھ سے وصول کر لے، اور اس رسالہ کو ان اشعار پر ختم فرمایا ہے۔

کسی کو اگر میں نے مارا بھی ہو، بری بات کہہ کر پکارا بھی ہو
وہ آج آکر مجھ سے لے انتقام قیامت کے دن پر نہ رکھے یہ کام
کہ خجلت بروزِ قیامت نہ ہو خدا کے پاس مجھ کو ندامت نہ ہو

حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا ایک واقعہ

حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حضرت حکیم الامت تھانوی نور

اللہ مرقدہ کے رشتہ داروں میں تھانہ بھون سے ۱۲ میل کے فاصلہ پر رامپور ایک بستی میں ختنہ کی تقریب تھی، حضرت کو بھی بلایا گیا، حضرت والا رحمہ اللہ ریل گاڑی سے سفر کر رہے تھے، اس گاڑی میں حضرت رحمہ اللہ کے ایک جاننے والے بھی تھے پوچھا کہ کہاں تشریف لیجا رہے ہیں، حضرتِ والا رحمہ اللہ نے بتایا کہ فلاں جگہ ختنہ کی تقریب میں جا رہا ہوں، ان صاحب نے بتایا کہ حضرت! وہاں تو وہ ساری رسومات ورواجات ہیں جن کو آپ نے ''اصلاح الرسوم'' میں غلط قرار دیا ہے، حضرت نے ان سے تحقیق فرمائی کہ کیا یہ صحیح ویقینی بات ہے؟ انہوں نے کہا: کہ ہاں یہ تحقیقی بات ہے۔ اس پر حضرتِ والا رحمہ اللہ نے ان سے فرمایا کہ میں رام پور میں فلاں صاحب کے باغ پر چلا جاؤں گا، اگر کوئی میرے متعلق پوچھے تو میرا پتہ نہ بتانا۔ ادھر تو یہ ہوا اور ادھر رام پور میں جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ مولانا تھانوی بھی اس تقریب میں آرہے ہیں تو کچھ جوانوں نے ایک کمیٹی بنائی اور ایک پوسٹر تیار کیا کہ اس تقریب میں یہ خرافات ہیں پھر بھی اس میں مولانا اشرف علی صاحب شرکت کر رہے ہیں، تیار کر کے کچھ بڑے لوگوں سے پوچھا کہ ہم اس کو چسپاں کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے کہا: ابھی نہیں بلکہ جب وہ آجائیں اور شریک ہوجائیں تب چسپاں کرنا۔ دیکھا یہ بڑوں کا مشورہ تھا، بوڑھوں کی ہر جگہ ضرورت پڑتی ہے۔ حضرتِ والا رحمہ اللہ نے شرکت نہیں کی بلکہ اس باغ میں گئے اور دوسری گاڑی سے باغ ہی سے واپس ہوگئے، اس تقریب میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری رحمہ اللہ اور حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے شرکت فرمائی۔ اس پر لوگوں میں ہلچل ہوئی اور سوالات کیے گئے۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمہ اللہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے تو اس تقریب میں شرکت کی مگر مولانا تھانوی رحمہ اللہ نے کیوں شرکت نہیں کی؟ مولانا خلیل احمد صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا: کہ بھائی ہم نے فتوے پر عمل کیا اور مولانا تھانوی نے تقوی پر عمل کیا ہے۔ یہ تھے ہمارے اکابر۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ مولانا خلیل احمد صاحب رحمہ

اللہ کو اپنا بڑا مانتے تھے، پھر بھی دیکھئے مولانا نے اپنے سے زیادہ حضرت تھانوی کا مقام بتایا۔ کسی ایک نے حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ سے بھی پوچھ لیا کہ آپ نے تو اس تقریب میں شرکت فرمائی مگر آپ کے شاگرد مولانا اشرف علی صاحب نے شرکت نہیں کی؟ تو حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے فرمایا : کہ ہم لوگ عوام الناس کے حالات سے اتنا واقف نہیں جتنا وہ واقف ہیں، ہم کو علم نہیں تھا اس لئے ہم نے شرکت کر لی، اگر ہم کو علم ہوتا ان خرافات کا تو ہم بھی وہی کرتے جو مولانا نے کیا ہے۔ دیکھا حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے باوجود اس کے کہ استاذ ہیں اپنے شاگرد کی بات کو نہیں گرایا۔ کسی نے حضرت والا تھانوی سے بھی پوچھ لیا کہ وہ حضرات تو شریک ہوئے، آپ نے کیوں شرکت نہیں کی؟ تو فرمایا کہ بھائی ! میں واپس رامپور سے آیا تو قرآن مجید کھولا تو سورۂ نمل آئی جس میں حضرتِ سلیمان علیہ السلام اور ھدھد کا قصہ مذکور ہے کہ ایک جگہ ھدھد غائب تھا پھر اسکو تلاش کرایا اور بلا کر پوچھا تو اس نے کہا کہ میں ایک ایسی بات جانتا ہوں جو آپ نہیں جانتے، پھر بلقیس اور اس کی قوم کا ذکر کیا۔ حضرت تھانوی نے فرمایا: کہ یہ واقعہ میرے واقعہ کی مثال ہے کہ میں بھی ھدھد کی طرح غائب ہو گیا اور ھدھد مشہور ہے کہ بے وقوف ہوتا ہے، ایسا ہی میں بھی کچھ بے وقوف ہوں، مگر ایک بات میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے، جیسے ھدھد تو ایک بات جانتا تھا مگر حضرت سلیمان علیہ السلام نہیں جانتے تھے مگر اس سے ھدھد کی فضیلت نہیں ثابت ہو جاتی، اسی طرح میرے اکابر پر میری فضیلت نہیں ثابت ہو جاتی۔ یہ تھے ہمارے اکابر۔ (افادات ابرار، ص/76)

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایمان کی حالت

حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے والد کی یکے بعد دیگرے چار بیویاں ہوئیں؛ لیکن انھوں نے شرعی قاعدے سے ان کا مہر نہیں دیا تھا اور یہ بھی معلوم نہیں کہ معافی ہوئی تھی یا نہیں؟ لہٰذا ان کے

انتقال کے بہت بعد ایک بار حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو اس کا احساس ہوا اور سوچا کہ میرے والد نے بیویوں کا مہر ادا نہیں کیا اور ان کی جائیداد تقسیم ہو کر میرے بھی حصے میں آ گئی ہے، تو اس میں ان بیویوں کا حق بھی مل گیا ہے؛ لہٰذا اس کی تحقیق کر کے ان کے وارثین تک اس کو پہنچا دینا چاہیے۔

لہٰذا آپ نے علماء سے فتوی لیا، تو اکثر نے جواب دیا کہ آپ پر اس کی ادائیگی لازم نہیں؛ مگر آپ نے احتیاط اسی میں سمجھی کہ جو والد کا ترکہ میرے حصے میں آیا ہے، اس کے تناسب سے والد کی بیویوں کے وارثین کو مہر کا حصہ ادا کروں؛ اس لیے آپ نے والد کی بیویوں کے وارثین کون کون ہیں اور کہاں کہاں ہیں؟ اس کی تحقیق کرائی اور سب کو ان ان کا حصہ پہنچایا، حتی کہ بعض کا حصہ ایک دو آنے نکلا تھا؛ مگر آپ نے اس کو ادا کرنے کے لئے سفر کیا اور اپنا روپیہ خرچ کیا اور ان تک اس کو ادا کیا۔ اس کی تفصیل ''اشرف السوانح'' میں دیکھ سکتے ہیں۔ (اشرف السوانح: ۳/ ۳۵۲-۳۵۳)

اس کو کہتے ہیں آخرت پر ایمان؛ مگر آج کا دور تو دھاندلیاں کرنے کا ہے، دھوکا دہی کا ہے، خود ہی سب کچھ ہڑپ کر جانے کا ہے، پھر بھی کہتے ہیں: اللہ ہے، پھر بھی کہتے ہیں: رسول ہے، پھر بھی کہتے ہیں: آخرت ہے، پھر بھی کہتے ہیں: حساب و کتاب ہے، پھر بھی کہتے ہیں: جنت ہے، دوزخ ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ان سب کو ماننے والا دھوکے باز ہو، غاصب ہو، اتنی بڑی بڑی چیزوں کو ماننے والا ایسی گھٹیا حرکتیں کیسے کر سکتا ہے؟ (فیضان معرفت جلد پنجم، ص/ 81)

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تواضع سے عبرت حاصل کیجیے

حضرت حکیم الامت اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تواضع کا واقعہ لکھا ہے کہ ایک دفعہ ایک صاحب حضرت سے ملنے آئے، جمعہ کا دن تھا، حضرت نماز پڑھانے اور خطبہ دینے کے لیے نکل رہے تھے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ عام لباس پہنے ہوئے تھے، اسی لباس میں تشریف لائے، تو وہ

صاحب کہنے لگے: حضرت! آپ جمعہ کے لیے تشریف لے جارہے ہیں اور عبا نہیں استعمال فرمایا؟

عام طور پر جو پیشہ ور (PROFESSIONAL) خطیب حضرات ہوتے ہیں، وہ اپنے آپ کو کچھ بنا کر لاتے ہیں کہ قبا ہونا چاہیے اور عبا ہونا چاہیے وغیرہ؛ لیکن وہاں تو کچھ بھی نہیں تھا، جو روزانہ کا لباس تھا، وہی لباس تھا؛ اس لیے وہ صاحب کہنے لگے کہ حضرت! آپ نے عبا زیب تن نہیں فرمایا؟ تو حضرت نے کہا کہ بھائی! وہ تو بڑے بڑے لوگوں کے لیے ہے، ہم جیسے لوگوں کے لیے کہاں ہے؟ وہ صاحب کہنے لگے کہ حضرت! آپ بھی تو بڑے ہیں، بہت سے علما کے استاذ ہیں، بہت سے مریدین کے شیخ ہیں، ہم سب کے لیے تو آپ بڑے ہیں، تو حضرت کی آنکھوں میں آنسو آئے اور ایک جملہ ارشاد فرمایا: ''حاجی صاحب! ابھی تو میرا ایک خلق بھی ٹھیک نہیں ہوا، میں کہاں بڑا ہوسکتا ہوں'' اللہ اکبر!

اس سے اندازہ کرو کہ ان کی تواضع کا کیا حال ہوگا؟ ایک اور موقعے پر حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''میں بعض لوگوں کو ٹوکتا ہوں، بعضوں کی کسی بات پر سرزنش کرتا ہوں؛ لیکن اسی عین توبیخ وڈانٹ ڈپٹ کے وقت میں سمجھتا ہوں کہ میں بھنگی ہوں اور یہ شہزادہ ہے'' یعنی میں یہ سمجھ کر تنبیہ کرتا ہوں کہ مجھے یہ ذمہ داری دی گئی ہے کہ تمہارے پاس علم ہے، تم اس کو بتاؤ، یہ میں اپنی ڈیوٹی (Duty) پوری کرنے کے لیے کہتا ہوں؛ لیکن اسی وقت میں یہ بھی سمجھتا ہوں کہ یہ شہزادے کی طرح ہے، اللہ کا مقرب ہے، یہ نیک بندہ ہے۔ اندازہ کریں کہ ان کے اندر کی تواضع کا کیا عالم تھا؟ اس طرح اپنے اندر تواضع پیدا کریں۔

اسی طرح بہت سے بزرگوں نے اپنے آپ کو مٹایا، ایسا مٹایا، ایسا مٹایا، ایسا مٹایا کہ انہوں نے اپنا کوئی نام ونشان نہیں چھوڑا؛ لیکن جب انہوں نے اپنے آپ کو مٹایا، تو اللہ نے ان کو ایسا بانشان کردیا کہ رہتی دنیا تک لوگ ان کو جانتے رہیں گے۔

جیسے حدیث میں آتا ہے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَہُ اللہُ'' (جو اللہ کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے، اللہ اسے بلندیوں پر پہنچا دیتے ہیں''۔ (الترغیب والترھیب: ۴۷۳۳)

یہ ہے تواضع کہ جب آدمی میں تواضع ہوگی، تو آدمی کے اخلاق عمدہ ہوتے ہیں اور یہ بہترین قسم کا خُلق ہے کہ آدمی کے اندر تواضع پیدا ہو جائے۔ تواضع کیا ہے؟ اپنے آپ کو سمجھے کہ میں فقیر ہوں ،حقیر ہوں اور لوگ میرے سے افضل ہیں اور میرے سے اعلیٰ ہیں، میں نماز پڑھ رہا ہوں اور میں روزہ رکھ رہا ہوں، تو یہ اللہ کی عنایت سے ہو رہا ہے، میرا کوئی کمال نہیں ہے۔ یہ پہلا وصف ہے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور پڑوسی کی رعایت

ایک مرتبہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو سفر درپیش ہوا، ساتھ میں اور بھی کچھ لوگ تھے، درمیان میں کہیں ایک جگہ نماز پڑھنے کے لیے رکے اور نماز پڑھی، سب لوگ نماز سے فارغ ہو گئے، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بھی فارغ ہو گئے ؛ مگر ایک دو ساتھی بڑے خشوع سے نماز کی سنتوں میں مشغول ہو گئے، لمبا رکوع، لمبا سجدہ، لمبا قیام ہو رہا تھا، دیگر ساتھیوں کو پریشانی ہو رہی تھی ؛ اس لیے کہ سفر میں تاخیر کرنے سے کبھی ٹرین چھوٹ سکتی ہے، کبھی بس چھوٹ سکتی ہے، کبھی فلائٹ چھوٹ سکتی ہے۔

اور سفر میں شریعت نے نماز میں تخفیف کر دی ہے کہ آدمی تنہا ہو یا سارے ہی مسافرین ہوں، تو چار رکعت والی نماز دو کر دی ہے اور دوسری تخفیف یہ کر دی ہے کہ سنتِ مؤکدہ کو بھی معاف کر دیا ہے، پڑھنا چاہو، تو پڑھ سکتے ہیں، نہ پڑھنا چاہو، تو چھوڑ سکتے ہیں۔ یہ ہے شریعت کا حکم۔

جب یہ دو ساتھی نماز سے فارغ ہو کر آئے، تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بھائی! سنت اس طرح پڑھنے کی گنجائش ہوتی، تو شریعت فرائض میں بھی دو کے بجائے چار کا ہی حکم دیتی،

اتنی لمبی سنتیں پڑھنے سے فرائض کو دو کرنے کا مقصد ہی ختم ہو گیا،تم نے اس کی رعایت نہیں کی۔ پھر فرمایا کہ میرا معمول سفر میں یہ ہے کہ میں سفر میں سنتوں ونوافل کو اس خوف سے چھوڑ دیتا ہوں کہ کہیں ساتھیوں کو تکلیف نہ ہو جائے۔

اسی طرح بس میں، ٹرین میں، ہوائی جہاز میں جو لوگ ہمارے ساتھ ہوتے ہیں، وہ بھی ہمارے پڑوسی ہیں، ان کی رعایت کرنا، ان کے ساتھ نیکی کا معاملہ کرنا اور ان کا تعاون کرنا بھی ضروری ہے اور اس سے بڑھ کر یہ ضروری ہے کہ ہم ان کو کوئی تکلیف نہ پہنچائیں۔

وقتی و عارضی پڑوسی کا بھی خیال رکھنا بہت ضروری ہے؛ اسی پڑوسی کی رعایت کے لیے شریعت نے یہ بھی حکم دیا ہے کہ اپنی مجلسوں میں وسعت پیدا کرو اور آنے والوں کے لیے جگہ دو، یہ بھی پڑوسی کے حقوق میں سے ہے۔ (فیضان معرفت جلد چہارم، ص/160)

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے حق کو قبول کیا

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ مسجد میں تشریف فرما تھے کہ کسی ضرورت سے پیسوں کی ریزگاری کی ضرورت پڑی، تو حضرت ایک صاحب سے مسجد ہی میں پوچھنے لگے کہ آپ کے پاس ان روپیوں کے کھلے پیسے ہیں؟ جب حضرت نے یہ کہا، تو قریب میں ایک طالب علم بیٹھے ہوے تھے، وہ وہاں سے فوراً حضرت کے پاس آئے اور کہنے لگے حضرت! ایک ضروری مسئلہ پوچھنا ہے، حضرت نے کہا: پوچھو، کہا کہ مسئلہ یہ ہے کہ کیا ریزگاری کا معاملہ بیع میں داخل ہے؟ یعنی اس کو شرعاً بیع کہتے ہیں یا نہیں؟ حضرت نے فرمایا: ہاں داخل ہے ، پھر حضرت فوراً سمجھ گئے کہ یہ طالب علم مجھے تنبیہ کرنے کے لیے یہ مسئلہ معلوم کر رہے ہیں، حضرت نے کہا: ''اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے''۔

بات یہ ہے کہ مسجد میں بیع جائز نہیں ہے اور ریز گاری بھی ایک لین دین کا معاملہ ہونے کی وجہ سے بیع میں داخل ہے اور حضرت بھول کر یہ معاملہ مسجد میں کرنے جارہے تھے، اس لیے اس طالب علم نے ایک انوکھے انداز سے یاددہانی کردی۔

کیا بزرگانِ دین تھے! کیا ان کا دل تھا! کیا ان کی تواضع تھی اور کیا ان کا اخلاص تھا؟!! اتنے بڑے آدمی ''حکیم الامت، مجدد الملت'' جن کی شہرت چہار دانگِ عالم، جن کی کتابیں ہر ہر گھر میں پہنچی ہوئیں تھیں، جن کا فیض آج تک دنیا کے اندر جاری ہے، کوئی عالم ایسا نہیں جو ان کی کتابوں سے فیض حاصل نہ کرتا ہو؛ لیکن ایک طالبِ علم ٹوک رہا ہے اور حضرت قبول کر رہے ہیں۔ یہ ہوتی ہے حقانیت، یہ ہوتی ہے للّٰہیت، یہ ہے اخلاص اور یہ تواضع کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اور جس کے اندر تکبر کا مرض ہو، وہ حق کو کبھی قبول نہیں کرتا۔

اسی لیے حدیث میں آتا ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تکبر دراصل ''بَطَرُ الْحَقِّ'' (یعنی حق کو ٹھکرانے) کا نام ہے۔ (ترمذي:۱۹۹۹)

یعنی حق کو ٹھکرانا، حق کو جھٹلانا، اسی کا نام دراصل تکبر ہے، تکبر یہ نہیں کہ آدمی اچھے کپڑے پہنے، تکبر یہ نہیں کہ آدمی اچھے گھر میں رہے، اچھی چیزیں استعمال کرے اور مزے مزے کی غذائیں کھایا کریں، یہ تکبر نہیں ہے؛ بلکہ یہ تجمل ہے یعنی جمال حاصل کرنا؛ کوئی مضائقہ نہیں بہ شرطے کہ اس میں اسراف نہ ہو، بناوٹ نہ ہو؛ اللہ کی نعمت کو سمجھ کر صحیح طور پر استعمال کریں۔

شکایت سے بغیر تحقیق کے اثر نہ لینے کے متعلق حضرت تھانویؒ کی ایک حکایت

حاجی عبدالرحیم صاحب بھائی مرحوم کے ملازم تھے ان کے متعلق میرے بڑے گھر میں سے ایک معاملہ میں مجھ سے شکایت کی، میں نے فوراً آدمی بھیج کر حاجی جی کو بلایا اور دروازہ میں کھڑا

کر کے کہا کہ تمہارے متعلق یہ روایت بیان کرتی ہیں، حاجی جی نے کہا غلط شکایت ہے اس پر میں نے گھر میں کہا کہ یہ انکار کرتے ہیں اور تم نے دعویٰ کیا ہے لہٰذا ثبوت دو، ثبوت تمہارے ذمہ ہے، ثبوت ندارد، کہنے لگیں کہ توبہ توبہ تم تو ذرا سی دیر میں آدمی کو فضیحت (رسوا) کردیتے ہو، میں نے کہا کہ میں فضیحت نہیں کرتا، نصیحت کرتا ہوں، روایت کا یہ سلسلہ اچھا نہیں معلوم ہوتا، اس سے دل میں عداوتیں پیدا ہوتی ہیں۔ (الافاضات الیومیہ ص ۱۵۹ ج ۱)

فرمایا: آج کل عدل کا نام ونشان نہیں رہا، اس کو تو دین کی فہرست سے خارج ہی سمجھ رکھا ہے، الحمدللہ میں ہمیشہ اس کا خیال رکھتا ہوں، بھائی مرحوم کے یہاں حاجی عبدالرحیم صاحب ملازم تھے بڑے گھر میں سے مجھ سے ان کی کچھ شکایت کی میں نے ان کو بلا کر پوچھا انہوں نے نفی کی (یعنی انکار کیا) میں نے گھر میں سے کہا کہ شرعی ثبوت لاؤ وہ تو انکار کرتے ہیں، وہ ثبوت نہیں پیش کرسکیں تب میں نے کہا کہ ثبوت شرعی کے بغیر کسی پر الزام نہیں لگانا چاہئے۔ انہوں نے توبہ کی، ای سے موقعوں پر بڑی مشکل ہوتی ہے جہاں دونوں طرف تعلق ہو مگر شریعت کے اصول پر عمل کرنے کی صورت میں کچھ بھی مشکل یا دشواری نہیں ہوتی، اور گو دو شخصوں سے جو تعلق ہوتا ہے اس میں فرق ضرور ہوتا ہے مگر عدل کے وقت دونوں میں مساوات ہونا چاہئے۔ (ملفوظات حکیم الامت ص ۱۳۵ ج ۲)

بزرگوں اور بڑوں کے ادب واحترام کی اہمیت اور اس کا فائدہ حضرت تھانویؒ کا اپنے بڑوں کے ساتھ ادب واحترام

فرمایا: یہ خدا تعالیٰ کی نعمت اور اس کی دَین ہے کہ ایسے مفید علوم قلب پر وارد ہوجاتے ہیں جس کا ظاہری سبب جو مجھ کو اب معلوم ہوتا ہے اور جو چیز مجھ کو اب محسوس ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ میں نے بزرگوں کا ادب اور ان کی اطاعت ہمیشہ کی ہے اور ان کی لغزشوں (غلطیوں) پر کبھی نظر نہیں کی۔ اگر

کسی بزرگ سے کبھی کوئی لغزش بھی ہوئی تب بھی ان کے ساتھ ادب ہی سے پیش آیا، وعظ میں تو سب کی غلطیوں کا ردنام کا اظہار کئے بغیر کر دیتا تھا لیکن ان کی خاص مجلس میں جب کبھی حاضری کا اتفاق ہوتا ہمیشہ ادب سے گردن جھکا کر ہی بیٹھتا اور دل سے سمجھتا کہ یہ میرے بزرگ ہیں، اور خواہ کوئی کسی بھی مشرب کا ہو لیکن ہو درویش (صوفی) یعنی اللہ اللہ کرنے والا، دکاندار (فاسق) نہ ہو اس کی بھی میں نے دعا لی ہے، غرض اللہ اللہ کرنے والوں کا میں نے ادب ہی کیا ہے، کبھی ان کا دل نہیں دکھایا بلکہ ہمیشہ دعائیں ہی لیں، یہاں تک کہ اپنے ماموں صاحب سے بھی جن سے مشرب کا اختلاف ہونے کی وجہ سے قطع تعلق تک کرنا پڑا (لیکن ان کے ساتھ بھی) کبھی بے ادبی کا برتاؤ نہیں کیا مگر وعظوں میں اس مشرب کا ہمیشہ رد کرتا رہا۔

غرض میں نے ہمیشہ بزرگوں کا ادب کیا اور ان کی دعائیں لیں اور ان دعاؤں ہی کی برکت ہے جو آج یہ مفید باتیں ذہن میں آجاتی ہیں، اور واللہ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اپنی حالت جو میں دیکھتا ہوں تو کوئی چیز اپنے اندر نجات کی نہیں پاتا سوائے ضعیف ایمان کے، پھر بھی جو یہ علوم وحقائق اور مفید باتیں قلب پر وارد ہوجاتی ہیں تو یہ بزرگوں کی دعاؤں کی اور ان کا ادب کرنے کی برکت نہیں تو اور کیا ہے، اور واقعی بزرگوں کا ادب ہے بھی بہت ضروری عمل، مگر اللہ اللہ کرنے والے ہوں، خواہ وہ کسی بھی مشرب کے ہوں، حتیٰ کہ اگر کسی غلطی میں بھی مبتلا ہوں اس حالت میں بھی ان کا اتباع تو نہ کرے لیکن ان کی شان میں کوئی گستاخی بھی نہ کرے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو والد کے کفر کو بھی مانع ادب نہیں سمجھا حالانکہ صرف بت پرست ہی نہیں تھے بلکہ بت تراش بھی تھے لیکن پھر بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام جب ان کو نصیحت کرتے ہیں تو یا اَبت یا اَبت کہہ کر خطاب فرماتے ہیں یعنی اے میرے ابّا، اے میرے ابا، یہ ادب نہیں تو اور کیا ہے۔

اور ادب میں کوئی باپ ہی کی تخصیص نہیں ہے، بڑی عمر کا کوئی بھی آدمی ہو سب کا ادب کرنا چاہئے، لیکن خلاف شرع امور میں ان کا اتباع نہ کرنا چاہئے۔ (ملفوظات حکیم الامت ص ۳۰۹ ج ۵، قسط ۳)

ہمارے اسلاف اور بزرگوں کی شان

پہلے بزرگوں کی یہ حالت تھی کہ جب ہمارے حاجی (امداد اللہ صاحبؒ مہاجر مکی) صاحب نے اس مسجد (پیر محمد والی) میں قیام کا ارادہ کیا، حاجی صاحب کے بیٹھنے سے پہلے اس مسجد میں ایک بزرگ حسن شاہ رہتے تھے، وہ صاحبِ سماع (بدعتی) تھے مگر سچے آدمی تھے، دکاندار نہ تھے، جب انہوں نے حضرت حاجی صاحب کو یہاں قیام کرتے دیکھا تو وہ اپنا بستر لپیٹ کر شاہ ولایت میں جا پڑے اور فرمایا کہ اب بستی میں کامل شیخ آ گیا، اس کے سامنے مجھے بستی میں رہنے کی ضرورت نہیں، وہ جنگل میں جا بسے اور وہیں زندگی کے دن پورے کر دیئے، واللہ میں تو اس ادا کا عاشق ہوں، افسوس اب ہمارے اندر یہ باتیں نہیں رہیں۔ (ارضاء الحق ملحقہ تسلیم ورضا ص ۱۵۴)

حکیم الامت حضرت اقدس تھانویؒ کا اعلان

فرمایا: میں اپنے سب دوستوں سے درخواست کرتا ہوں کہ میرے صغیرہ وکبیرہ سب گناہوں کے لئے استغفار فرمادیں، اور جو میرے اندر عادات واخلاق ذمیمہ ہیں ان کے ازالہ کی دعاء کریں۔

میرے بعض اخلاق سیئہ کے سبب بعض بندگان خدا کو حاضرانہ وغائبانہ (یعنی سامنے یا پیٹھ پیچھے) میری زبان وہاتھ سے کچھ تکلیفیں پہنچی ہیں اور کچھ حقوق ضائع ہوئے ہیں، خواہ اہل حقوق کو اس کی اطلاع ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو، میں نہایت عاجزی سے سب چھوٹوں بڑوں سے درخواست کرتا ہوں کہ اللہ کے واسطے دل سے ان کو معاف فرمادیں، اللہ تعالیٰ ان کی تقصیرات (لغزشوں) سے درگذر فرمادیں گے، میں بھی ان کے لئے یہ دعاء کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو دارین میں عفو وعافیت عطا فرمادیں، معذرت کرنے والے کی کوتاہیوں کو درگذر کرنے (اور معاف کرنے) کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ اور اگر معاف کرنے کی ہمت نہ ہو تو شرعی فتویٰ کے مطابق مجھ سے عوض لے لیں، خدا کے لئے قیامت پر مواخذہ نہ رکھیں کہ اس کا کسی طرح تحمل نہیں۔

اس قبیل کی کوتاہیاں جو دوسروں سے میرے حق میں ہوگئی ہوں میں بطِیبِ خاطر (دلی خوشی سے) گذشتہ اور آئندہ کے لئے محض خدا تعالیٰ کے راضی کرنے کو، اور اپنی خطاؤں کی معافی کی توقع پر وہ سب معاف کرتا ہوں۔

اسی طرح اگر کسی کا مالی حق رہ گیا ہو خواہ اطلاع کر کے لے لیں، خواہ معاف فرمادیں۔

(اشرف السوانح ص ۱۱۱ ج ۳)

استدعا: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اس سلسلہ اپنی تقریر وتحریر میں جو اعلان فرمایا جو ابھی ماقبل میں مذکور ہوا۔

(احقر مرتب کتاب (محمد علاء الدین) بھی حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے اعلان کے مطابق یہی اعلان کرتا ہے۔

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَسِيْنَا اَوْ اَخْطَأْنَا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۔ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۔) (مرتب)

خلاصہ یہ ہے کہ خدا کے واسطے اہل حقوق میری حیات تک تو خواہ اپنے گذشتہ اور آئندہ حقوق معاف فرمادیں (یعنی اس تحریر کے وقت سے قبل کے بھی اور بعد کے بھی اگر بعد میں صادر ہوجائیں، سب معاف فرمادیں) خواہ شرعی طریق اور شرائط پر اس کا عوض یا مثل لے لیں، اور حیات کے بعد معاف ہی فرمادیں۔

آخر میں ناظرین سے اس دعا کی درخواست کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سفر آخرت سے قبل تمام حقوق ومظالم سے اداءً یا ابراءً سبکدوش فرمادے اور آخرت میں ہر قسم کے مواخذہ سے محفوظ فرمادے۔ ویرحم اللہ عبدا قال آمینا۔ (اشرف السوانح ص ۱۴۱ ج ۳)

(احقر مرتب کتاب بھی اپنے تمام بھائیوں سے یہی درخواست کرتا ہے۔)

سحر، ساحرین، جنات اور شیاطین سے نجات کا مجرب نسخہ

سلسلہ کے تمام حضرات اس مضمون کو بار بار پڑھ کر حرزِ جان بنالیں اور پورا پورا استفادہ کریں۔

﴿حضرت حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے نہایت قیمتی ملفوظات﴾

﴿جنات کیسے بھاگتے ہیں؟﴾

فرمایا: سالک طریقت کی پیشانی کے نور سے مومن جنات گرویدہ و دیگر جنات وشیاطین بھاگ جاتے ہیں، یہ نور ازلی ہوتا ہے، ہر پریشانی میں موجود ہوتا ہے، لیکن مستور ہوتا ہے، نفس کی کدورت کی جھلی اس نور کو محجوب کئے ہوتی ہے۔

نفس جب کدورت سے پاک ہوتا ہے تو یہ نور منور ہوجاتا ہے، جگمگا اٹھتا ہے، ورنہ کسی اور طرح یہ حجاب نہیں اٹھ سکتا، بھاویں سوسو حیلے کرو، قرآن کریم کی تلاوت کے نور کا جلال جنات وشیاطین کو جلادیتا ہے، کوئی بھی تاب نہیں لاسکتا۔

﴿قرآن شریف شیطان کو کیسے جلاتا ہے﴾

فرمایا: سالک جب قرآن شریف کی تلاوت میں محو ہوتا ہے قرآن مجید کے نور کے جلال سے ہمزات شیاطین لاغر نحیف اور بے بس ہو کر توبہ توبہ کرنے لگتے ہیں، قرآن کریم کی تلاوت کے نور کا جلال شیطان کو جلادیتا ہے، تلاوت قرآن، نماز، ذکر ان تینوں میں ہر مرض سے کلی شفاء ہے، ان تینوں کی کثرت مساوی ہو یہی سلف صالحین کا نسخۂ کیمیا ہے۔

شیطان سے بچنے کا ہتھیار

فرمایا: دیکھئے بیت اللہ، اللہ تعالی کا گھر ہے ابرہہ نے چاہا تھا کہ اس گھر کے اوپر قبضہ

جمائے، اللہ تعالی نے ابابیلوں کو مسلط کر دیا، انہوں نے کنکریاں مار مار کر اس کے پورے لشکر کو کھائے ہوئے بھس کی طرح بنا دیا، بالکل اسی طرح انسان کا دل اللہ تعالی کا گھر ہے، اگر شیطان اس کی طرف قدم بڑھانا چاہے تو آپ لا الہ الا اللہ کی ضربوں سے اور اللہ اللہ کے الفاظ سے اس کے اوپر پتھروں کی بوچھاڑ کیجئے، پھر دیکھئے کہ اللہ آپ کو شیطان سے محفوظ فرما لیں گے اور قرآن پاک میں اللہ تبارک وتعالی نے ارشاد فرمایا: إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُمْ مُبْصِرُونَ۔ (سورہ الاعراف، آیت:201)

ترجمہ: بلاشبہ جنہوں نے تقوی اختیار کیا جب شیطان کی طرف سے کوئی خیال بھی ان کو چھوتا ہے تو وہ اللہ کا ذکر کر لیتے ہیں تو ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔



شجرہ : سلسلۂ چشتیہ منظومہ: حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ

سلاسل اربعہ کے مشائخ کا مشاہدہ اور تجربہ ہے کہ مشائخ کا شجرہ انفرادی اور اجتماعی طور پر پڑھنے سے مصائب دور، مسائل حل اور مقاصد پورے ہوتے ہیں، اسلئے باجازت شیخ اس کا اہتمام کرنا چاہئے۔

(حضرت مولانا) محمد علاء الدین صاحب قاسمی مدظلہ العالی

خلیفہ ومجاز بیعت

حبیب الامت حضرت مولانا ڈاکٹر حکیم ادریس حبان رحیمی رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ ومجاز: حضرت حاذق الامت مولانا ذکی الدین صاحب پرنامبیؒ

خلیفہ ومجاز: مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب جلالآبادیؒ

خلیفہ ومجاز: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

حمد ہے سب تیری ذات کبریا کیواسطے
اوردر ودونعت ختم الانبیاء کیو اسطے
اور سب اصحاب وآل مجتبی کے واسطے
رحم کر مجھ پر الٰہی اولیاء کے کے واسطے
بالخصوص ان اولیائے باصفا کے واسطے
مولوی اشرف علی شمس الہدی کے واسطے
حاجی امداد اللہ ذو العطا کے واسطے
حاجی عبدالرحیم اہل غزا کے واسطے
شیخ عبدالباری شہِ بے ریا کے واسطے
شاہ عبدالہادی پیر ہدے کے واسطے

شاہ عضد الدین عزیز دوسرا کے واسطے
شہ محمد اور محمدی اتقیا کے واسطے
شہ محب اللہ شیخ باصفا کے واسطے
بوسعید اسد اہل ورا کے واسطے
نشہ نظام الدین بلخی مقتدا کے واسطے
شہ جلال الدین جلیل اصفیا کیواسطے
عبد قدوس شہ صدق وصفا کیواسطے
اے خدا شیخ محمد راہنما کے واسطے
شیخ احمد عارفِ صاحب عطاء کیواسطے
احمد عبد الحق شہ ملکِ بقا کیواسطے
شہ جلال الدین کبیر اولیاء کے واسطے
شیخ شمس الدین ترک باضیا کیواسطے
شیخ علا الدین صابر بارضا کیواسطے
شہ فرید الدین شکر گنج بقا کے واسطے
خواجہ قطب الدین مقتول دلا کیواسطے
شہ معین الدین حبیب کبریاء کے واسطے
خواجہ عثمان با شرم وحیا کے واسطے
خواجۂ مودود چشتی پارسا کے واسطے
شاہ بویوسف شہ شاہ وگدا کیواسطے
بومحمد محترم شاہِ وِلا کے واسطے
احمد ابدال چشتی باسخا کے وا سطے
شیخ ابواسحاق شامی خوش ادا کیواسطے

خواجہ ممشاد علوی بو العلا کیواسطے
بو ہبیرہ شاہ بصری پیشوا کیواسطے
شیخ حذیفہ مرعشی شاہِ صفا کیواسطے
شیخ ابراہیم ادہم بادشاہ کیواسطے
شیخ حسن بصری امام اولیاء کیواسطے
ہادی عالم علی شیر خدا کیواسطے
سرور عالم محمد مصطفے کے واسطے
یاالٰہی اپنی ذاتِ کبریا کے واسطے
یاحق اپنے عاشقان باوفا کیو اسطے
یارب اپنے رحم واحسان وعطا کیواسطے
کررہائی کا سبب اس مبتلا کیو اسطے
کون ہے تیرے سوا مجھ بےنوا کیواسطے
ہے عبادت کا سہارا عابدوں کیو اسطے
ہے عصائے آہ مجھ بےدست وپا کیواسطے
بخش وہ نعمت جو کام آوے سدا کیواسطے
اپنے لطف ورحمت بے انتہا کیواسطے



معمولات

صبح و شام

معمولات اور ان کی تعداد کم ہوں یا زیادہ مشائخ اپنے مریدین ومتوسلین کو ان کے حسب احوال ارشاد فرماتے ہیں۔ راقم السطور مندرجہ ذیل طریقے پر سالکین طریقت وعاشقان حق کی رہنمائی کا ادنی فریضہ انجام دیتا ہے۔

﴿طبقۂ اولیٰ﴾

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حضرت حکیم الامتؒ کے بعض ذاتی معمولات یہ تھے ۔تہجد کے بعد آپ اس طرح معمولات کو شروع فرماتے:

أَللّٰهُمَّ طَهِّرْ قَلْبِي عَنْ غَيْرِكَ وَنَوِّرْ قَلْبِي بِنُوْرِ مَعْرِفَتِكَ ______ 3،بار

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ ______ 100 بار

درود شریف۔ ______ 100 بار

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه۔ ______ 200 بار

اِلَّا اللّٰه۔ ______ 400,بار

اَللّٰهُ اللّٰه۔ ______ 600,بار

اَللّٰهُ۔ ______ 100 بار

تلاوت کلام پاک کم ازکم ایک پارہ مع سورۂ یسین شریف۔

مناجات مقبول حضرت حکیم الاتؒ۔ ایک منزل

شام کے معمولات

استغفار۔ ________________ 100، بار

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ۔ ________________ 100، بار

درود شریف۔ ________________ 100، بار

سورۂ اخلاص، سورۂ فلق، سورۂ ناس، تین تین مرتبہ۔

طبقۂ ثانیہ صبح کے معمولات

أَللّٰهُمَّ طَهِّرْ قَلْبِي عَنْ غَيْرِكَ وَنَوِّرْ قَلْبِي بِنُوْرِ مَعْرِفَتِكَ ________ 3، بار

اَسْتَغْفِرُ اللهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْه ________ 100، بار

درود شریف۔ ________________ 100، بار

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ۔ ________________ 100، بار

اَللّٰہُ اللہ۔ ________________ 100، بار

اللہ۔ ________________ 100، بار

کم از کم سورۂ یسین شریف کی تلاوت، زیادہ سے زیادہ تلاوت کی کوئی حد نہیں۔

مناجات مقبول حکیم الامتؒ ہر روز۔ ________________ ایک منزل

سورۂ اخلاص، سورۂ فلق، سورۂ ناس، تین تین مرتبہ۔

شام کے معمولات

استغفار۔ ________________ 100، بار

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ۔ ________________ 100، بار

درود شریف۔ ________________ 100، بار

سورۂ اخلاص، سورۂ فلق، سورۂ ناس، تین تین مرتبہ۔

(نوٹ)

طبقۂ اولیٰ کیلئے حسب طاقت صبح میں

سورۂ اخلاص۔ ________ 100، بار

تیسرا کلمہ، سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاللهُ اَكْبَر۔ ________ 100، بار

طبقۂ اخیر کیلئے صبح کے معمولات

لَا اِلٰهَ اِلَّا الله۔ ________ 33، بار

أَسْتَغْفِرُ اللهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّأَتُوْبُ اِلَيْه۔ ________ 33، بار

أَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِنِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وَآلِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔ ________ 33، بار

قرآن شریف کی تلاوت کم از کم دس آیتیں۔ زیادہ کی کوئی حد نہیں۔

شام کے معمولات

لَا اِلٰهَ اِلَّا الله۔ ________ 33، بار

استغفار۔ ________ 33، بار

درود شریف۔ ________ 33، بار

سورۂ اخلاص، سورۂ فلق، سورۂ ناس، تین تین مرتبہ۔

عشاء کی نماز کے بعد وتر سے قبل دو یا چار رکعت تہجد ہر طبقہ کیلئے۔



{مؤلف کا تعارف}

نام	:	محمد علاء الدین قاسمی ابن الحاج حافظ حبیب اللہ صاحب۔
ولادت و پیدائش	:	مقام و پوسٹ: جھگڑوا، تھانہ جمال پور، وایا گھنشیام پور، ضلع دربھنگہ بہار (انڈیا)
ابتدائی تعلیم	:	ناظرہ، وحفظ، وقرأت قرآن شریف: مدرسہ عربیہ حسینیہ چلہ امروہہ ضلع مرادآباد یوپی۔
عربی اول	:	جامعہ قاسمیہ شاہی مرادآباد (یوپی)
عربی دوم، سوم	:	مدرسہ جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ (یوپی)
اعلیٰ تعلیم	:	عربی چہارم تا دورۂ حدیث دارالعلوم دیوبند (یوپی)
فراغت	:	سنہ ۱۹۹۱ء

بعد فراغت مصروفیات...

درس وتدریس : درجہ سوم تا ہفتم: مدرسہ حسینیہ شریوردھن کوکن مہاراشٹر۔

حرمین شریفین کی زیارت اور عملی سرگرمیاں: فریضۂ امامت اور جدہ اردو نیوز کے لئے کالم نگاری۔

موجودہ مصروفیات : خانقاہ اشرفیہ پالی کی ذمہ داری اور تصنیف وتالیف کے مشاغل۔



مؤلف کی مشہور کتابیں

۱۔ رمضان المبارک سے محرم الحرام تک۔
۲۔ اپنے عقائد کا جائزہ لیجئے۔
۳۔ نکاح اور طلاق۔
۴۔ حج گائیڈ۔
۵۔ چالیس حدیثیں۔
۶۔ جادوٹونا، اور کہانت کا حکم۔
۷۔دس عظیم صحابہ کرامؓ کے ایمان افروز واقعات۔
۸۔ وعظ وادب کا خزانہ۔
۹۔ عظمت قرآن۔
۱۰۔ مسائل حاضرہ۔
۱۱۔ قربانی کے ضروری مسائل۔
۱۲۔ اصلاح کا تیر بہدف نسخہ ۔
۱۳۔ چراغ اصلاح۔
۱۴۔تکبر ایک وبال ہے۔
۱۵۔تنقید ایک بُری عادت ہے۔
۱۶۔جنت کے حسین محلات اور لذیذ و نفیس نعمتیں۔
۱۷۔تراویح کا پیسہ لینا جائز نہیں۔

۱۸۔رمضان المبارک کو نفع بخش اور مقبول بنانے کے صحیح طریقے۔

۱۹۔قیامت کی آخری علامتیں۔

۲۰ تصوف کی اہمیت وضرورت۔

۲۱۔غیبت ایک گندہ عمل ہے۔

۲۲۔اصلاح کے قیمتی موتی۔

۲۳۔اصلاح کے اہم نسخے۔

۲۴۔اخلاص اور اخلاق۔

۲۵۔اصلاحی واقعات جلد، اوّل۔

۲۶۔اصلاحی واقعات جلد دوم۔

۲۷۔اصلاحی واقعات جلد سوم۔

۲۸۔دعاء کا صحیح طریقہ۔

۲۹۔اصلاح کا مبارک سفر۔

۳۰۔قربانی کی شرعی حیثیت۔



﴿بیعت سے آدمی پاک صاف ہوجاتا ہے﴾

حضرت خواجہ صاحبؒ فرماتے ہیں میرا بیعت ہونے کو بہت جی چاہتا تھا،مگر ہمت نہیں ہوتی تھی کیونکہ مجھے یہ فکر دامن گیر تھی کہ اگر بیعت ہونے کے بعد بھی گناہ ہوتے رہے تو بیعت ہونے سے کیا فائدہ؟ اس لئے پہلے حضرت میرے ناپاک ہاتھوں کو اس قابل کردیں کہ حضور کے پاک ہاتھوں میں دے سکوں،احقر کی عرض مذکور پر تمثیلاً فرمایا کہ:ایک دریا تھا اس کے پاس ایک ناپاک اور میلا کچیلا آدمی آیا اس دریا نے کہا کہ آ تو میرے پاس آجا۔اس نے کہا کہ میری بھلا کیا مجال ہے میں تیرے پاس آسکوں،تو بالکل صاف وشفاف،میں بالکل نجس،پلید،ناپاک،دریا نے جواب دیا تو تو اس حالت میں میرے پاس آنے نہیں پاتا اور بغیر میرے پاس آئے اور میرے اندر نہائے پاک ہو نہیں سکتا،تو بس ہمیشہ کیلئے دوری ہی رہی،ارے بھائی پاک ہونے کی تدبیر بھی تو یہی ہے کہ بس آنکھیں بند کرکے بلا پس وپیش میرے اندر کود پڑ بس،پھر فوراً ہی میرے اندر سے ایک ایسی موج اٹھے گی جو تیرے سر پر ہوکر گذر جائے گی اور آن کی آن میں تیری ساری نجاستوں کو دھوکر تجھے سر سے پاؤں تک بالکل صاف کردے گی۔(اشرف السوانح،ج/2،صفحہ/51)

نوٹ:

اس مضمون کو طباعت کے وقت بیک فرنٹ پر ڈالیں